قبولیت عمل کے شرائط

تالیف

حضرت مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ تعالی
ترجمان سپریم کورٹ (الخبر) وداعیہ متعاون
مرکز الدعوۃ والارشاد (الدمام، سعودی عرب)

ناشر

ادارة البحوث الاسلامية بالجامعة السلفية ، بنارس

۳۸۴

قبولیت عمل کے شرائط

تالیف

حضرت مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ تعالی

ترجمان سپریم کورٹ (الخبر) وداعیہ متعاون

مرکز الدعوۃ والارشاد (الدمام، سعودی عرب)

ناشر

ادارة البحوث الاسلامية بالجامعة السلفية، بنارس

سلسلۂ اشاعت	:	۳۸۴
نام کتاب	:	قبولیت عمل کے شرائط
نام مصنف	:	حضرت مولانا محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ
صفحات	:	۳۶۳
تعداد	:	۱۰۰۰
اشاعت اول	:	۱۳؍نومبر ۲۰۰۲ء مطابق ۷؍رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
مطبع	:	سلفیہ آفسیٹ پریس، وارانسی
ناشر	:	ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، جامعہ سلفیہ، بنارس

ملنے کا پتے

۱- مکتبہ سلفیہ، بی ۱/۱۸ جی، جامعہ سلفیہ مارگ، ریوڑی تالاب
بنارس-۲۲۱۰۱۰ (الہند)

Maktaba Salafiah, B- 18/1-G, Jamiah Salafiah Marg
Reori Talab, Varanasi - 221010 (INDIA)

۲- مکتبہ ترجمان، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی-٦

Maktaba Tarjuman, Urdu Bazar, Jama Masjid
Delhi - 6

فہرست مضامین

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۱	عرض ناشر	۹
۲	مقدمہ	۱۳
۳	افتتاحیہ	۱۵
۴	پیش لفظ	۱۷
۵	فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قرآن کریم کی روشنی میں	۱۷
۶	فریضۂ امر بالمعروف ونہی عن المنکر حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۲۱
۷	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ترک کرنے کا انجام	۲۳
۸	قبولیت عمل کی شرط اولین: صحت عقیدہ	۲۹
۹	توحید باری تعالی، قولی عبادت	۳۱
۱۰	مالی عبادات	۳۵
۱۱	بدنی عبادات	۳۶
۱۲	سجدہ عبادت ہے	۳۸
۱۳	اقسام توحید۔ توحید اسماء وصفات، توحید ربوبیت	۴۰
۱۴	توحید الوہیت یا توحید عبادت	۴۴
۱۵	انجام شرک قرآن کی روشنی میں	۴۷
۱۶	انجام وتردید شرک، حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۵۰
۱۷	تعلیمات شیخ جیلانیؒ عقیدہ توحید کے متعلق	۵۳
۱۸	حاجت روا اور مشکل کشا کون؟	۵۵

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۱۹	شرک اور اس کی سزا	۵۷
۲۰	قبولیت عمل کی دوسری شرط، اخلاص للّٰہ یا عدم ریا کاری، قرآنی تعلیمات	۵۹
۲۱	اخلاص عمل کی فضیلت و برکت حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۶۲
۲۲	ریا کاری کی مذمت، قرآن کریم کی روشنی میں	۶۵
۲۳	ریا کاری کی مذمت، حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۶۸
۲۴	قبولیت عمل کی تیسری شرط، موافقت سنت، اطاعت رسول ﷺ، قرآن کی روشنی میں	۷۴
۲۵	سنت و حکم رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی، قرآن کی نظر میں	۷۸
۲۶	اتباع رسول ﷺ، حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۸۱
۲۷	عبادات میں افراط یا تفریط یا انتہا پسندی	۸۵
۲۸	اقرار رسالت کے تقاضے اور بدعات	۸۸
۲۹	بدعت کی مذمت، حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں	۹۰
۳۰	بدفالی یا بدشگونی	۹۴
۳۱	تحفظ عقیدہ کے لئے دوررس تدابیر نبوی	۹۷
۳۲	غیر اللہ کی قسم کھانا	۹۹
۳۳	سحر یا جادو	۱۰۳
۳۴	جادو کا اثر و وجود	۱۰۵
۳۵	جادو کی مذمت و سزا	۱۰۸
۳۶	اقسام سحر	۱۱۱
۳۷	علم نجوم و کہانت و رمل، شریعت کی نظر میں	۱۱۵
۳۸	جادو شدہ یا آسیب زدہ کا علاج	۱۱۸
۳۹	نجومیوں، کاہنوں اور رمل و فال والوں کی کسی بات کا درست نکلنا محض اتفاق ہے	۱۲۰

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۴۰	وہ جنوں سے مدد لیتے ہیں	۱۲۲
۴۱	ایک سچ کے ساتھ سو جھوٹ ملاتے ہیں	۱۲۴
۴۲	بدعات کا اجمالی تعارف (شریعت سازی وایجاد بندہ)	۱۲۷
۴۳	سال نو مبارک	۱۳۲
۴۴	سال نو کے آغاز پر محاسبہ نفس اور روزے	۱۳۵
۴۵	یادگار ہجرت نبوی ﷺ یا مغرب کی نقالی	۱۴۰
۴۶	مقام صحابیت وشان صحابہ رضوان اللہ علیہم اور سب وشتم پر وعید شدید	۱۴۳
۴۷	مقام صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۴۹
۴۸	مقام ومرتبہ شہادت	۱۵۱
۴۹	نوحہ خوانی اور سوگ وماتم	۱۵۵
۵۰	عاشورہ محرم کے بارے میں موضوع احادیث وروایات	۱۶۱
۵۱	بدعات محرم، بریلوی مکتب فکر کی نظر میں	۱۶۷
۵۲	تعزیہ	۱۶۷
۵۳	بیاہ شادی	۱۶۹
۵۴	شربت	۱۶۹
۵۵	رشتہ داری کرنا	۱۷۱
۵۶	بدعات صفر۔ آخری چہار شنبہ (بدھ) کی حقیقت	۱۷۳
۵۷	ظہور قدسی یا نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت	۱۷۶
۵۸	عید میلاد کے نام سے کی جانے والی یہ خوشیاں ولادت پر ہیں یا وفات پر؟	۱۷۹

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۵۹	مروجہ میلاد النبی کی شرعی حیثیت، کتاب وسنت کی روشنی میں	۱۸۴
٦۰	جشن میلاد صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کی نظر میں	۱۸۸
٦۱	قائلین عید میلاد النبی کے دلائل اور ان کا رد	۱۹۳
٦۲	ماہ رجب کے روزے اور صلوۃ الرغائب	۲۰٦
٦۳	صلوۃ الرغائب اور ماہ وتاریخ معراج کی عدم تعیین	۲۱۱
٦۴	جشن معراج اور آتش بازی وچراغاں کی شرعی حیثیت	۲۱٦
٦۵	آتش بازی وچراغاں کا آغاز واسباب مسلمانوں	
	کے خلاف ایک گہری سازش	۲۲۱
٦٦	رجب کے کونڈے۔ایک افسانہ	۲۲٦
٦۷	بائیس رجب کے کونڈے اور مولانا احمد رضا بریلوی کا فتویٰ	۲۳۷
٦۸	نام نہاد ''معجزہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا'' کا	۲۳۸
٦۹	معجزہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا	۲۴۹
۷۰	زیارت قبور کے بارے میں شرعی نقطہ نظر	۲٦۲
۷۱	انگریزی وصیت نامہ	۲٦٦
۷۲	نام نہاد وصیت نامہ کے جھوٹ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت	۲۷۱
۷۳	قبول وروایت حدیث میں احتیاط کی ضرورت	۲۷٦
۷۴	شیخ احمد کا خواب یا وصیت نامہ	۲۸۰
	خواب میں زیارت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۲۸۲
۷۵	ماہ شعبان کے روزے	۲۸۹
۷٦	نصف ثانی شعبان کے روزے	۲۹۵
۷۷	شب قدر، شب برأت، شب نصف شعبان	۲۹۷

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
۷۸	شب برأت اور حلوے مانڈے	۳۰۳
۸۰	چراغاں وآتش بازی، دین کو کھیل تماشہ بنانا	۳۰۶
۸۱	گھروں کی صفائی ستھرائی وسجاوٹ اور فوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ	۳۰۹
۸۲	فوت شدگان کی روحوں کی آمد اور اس رات زیارت قبور کی حیثیت	۳۱۰
۸۳	خاص نصف شعبان کے دن کا روزہ اور ایک من گھڑت روایت	۳۱۶
۸۴	نصف شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں (صلوۃ الخیر یا صلوۃ الألفیہ)	۳۲۰
۸۵	احادیث نصف شعبان (شب برأت)	۳۲۷
۸۶	پہلی حدیث	۳۲۷
۸۷	دوسری حدیث	۳۲۸
۸۸	تیسری حدیث	۳۲۸
۸۹	چوتھی حدیث	۳۲۸
۹۰	پانچویں حدیث	۳۲۹
۹۱	چھٹی حدیث	۳۲۹
۹۲	ساتویں حدیث	۳۲۹
۸۹	آٹھویں حدیث	۳۳۰
۹۳	نویں حدیث	۳۳۱
۹۴	دسویں حدیث	۳۳۱
۹۵	شرک وبدعات زیارت قبور، بریلوی ودیوبندی مکتب فکر کی نظر میں	۳۳۳

نمبرشمار	موضوع	صفحہ
۹۶	عرس	۳۳۶
۹۷	اشتہار	۳۳۷
۹۸	الجواب	۳۳۸
۹۹	جلوس کے متعلق مفتی محمد حسین نعیمی کا بیان	۳۳۹
۱۰۰	عورتوں کا مزاروں پر عرسوں میں شریک ہونا	۳۳۹
۱۰۱	قبروں پر قرآن خوانی کروانا	۳۴۱
۱۰۲	الجواب	۳۴۲
۱۰۳	پکی اور اونچی قبریں بنوانا	۳۴۴
۱۰۴	ایصال ثواب اور مروجہ رسم چہلم و برسی وغیرہ	۳۴۷
۱۰۵	سوال	۳۴۸
۱۰۶	الجواب	۳۴۹
۱۰۷	اذان سے قبل صلوۃ وسلام بریلوی مکتب فکر کی نظر میں	۳۵۱
۱۰۸	سوال	۳۵۲
۱۰۹	جواب	۳۵۲
۱۱۰	سوال	۳۵۳
۱۱۱	الجواب ھوالموفق للصواب	۳۵۴
۱۱۲	(جواب) از دارالعلوم حزب الاحناف	۳۵۵
۱۱۳	انگوٹھے چومنا	۳۵۶
۱۱۴	مصادر ومراجع	۳۵۹
۱۱۵	جرائد ومجلّات	۳۶۳

●●●

عرض ناشر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، وبعد:

سفر کو وسیلۂ ظفر کہا جاتا ہے، پچھلے برس سعودی عرب کا سفر ہوا تو زیر نظر کتاب جامعہ سلفیہ کے ادارۃ البحوث الاسلامیۃ کو شائع کرنے کے لئے ملی، جامعہ کے ناظم اعلی مولانا عبد اللہ سعود صاحب نے اپنی علم دوستی کی بنیاد پر جامعہ سے اس کی اشاعت منظور کی، اور اب یہ کتاب محترم قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔

مصنف کتاب مخلص دوست جناب مولانا محمد منیر قمر صاحب حفظہ اللہ تعالی کی جامعہ سے محبت اور جماعتی غیرت ہے کہ انہوں نے اپنی اس مقبول ومفید کتاب کی چوتھی اشاعت کو جامعہ سے منظر عام پر لانے کا فیصلہ فرمایا، اور اس سلسلہ میں تعاون بھی فرمایا، أحسن اللہ لہ الجزاء۔

عقیدۂ وعمل کے مسائل کی توضیح وتفہیم اور مختلف زبانوں میں مذہبی لٹریچر کی تیاری ہمارا دعوتی فریضہ ہے، اور جن علماء کرام کو اس فریضہ کی ادائیگی کا موقع میسر ہو جائے وہ یقیناً خوش قسمت ہیں۔ اس وقت ہم گردوپیش پر نظر ڈالیں تو واضح ہوگا کہ الحاد وبے دینی اور شرک وبدعت کو فروغ دینے والے پوری انسانیت کو تباہی کے عمیق غار میں دھکیلنے کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں، ایسی صورت میں توحید وسنت کی دعوت کو عام کرنے والوں کی ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے، یہ امر باعث مسرت ہے

کہ علماء حق اپنی دعوتی وعلمی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے مصروف عمل ہیں۔

اس کتاب کے مضامین و مآخذ کی فہرستوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ محترم مصنف نے مسلم معاشرہ کا گہری نظر سے جائزہ لیکراس کی بیماریوں اور کمزوریوں کا ایسا علاج پیش کیا ہے جس کی تائید کتاب وسنت سے ہوتی ہے، اور اس دور میں امت کی اصل ضرورت یہی ہے کہ کتاب وسنت کے ساتھ اس کا رشتہ مضبوط کیا جائے، اوراس کے اندر دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کی روح بیدار کردی جائے۔

افتتاحیہ میں یہ بات آچکی ہے کہ مصنف کی نشری تقریروں سے اس کتاب کی تشکیل ہوئی ہے، پیش لفظ میں مصنف نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی اہمیت وضرورت کوواضح فرمایا ہے، اور یہ اصل میں مقصد تالیف کی روح ہے، مسلمان صحیح طور پراس فرض کی ادائیگی میں لگ جائیں تو ان کے تمام مسائل حل ہو جائیں۔

امر بالمعروف کے بعد مصنف نے عمل کی قبولیت کی شرطوں کو بیان کیا ہے، جس طرح عمل کی فکر ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ قبولیت کی شرطوں کا لحاظ رکھا جائے، ورنہ عمل کی محنت رائگاں جائے گی۔

توحید اور شرک کے موضوعات پر بھی مصنف نے تشفی بخش روشنی ڈالی ہے، اور سچ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کو اس کی سخت ضرورت ہے، عرب وعجم میں جہاں بھی نظر ڈالیے مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد توحید سے ناواقف اور شرک میں ملوث ہے، اور برصغیر ہندو پاک میں تو صورت حال حد سے زیادہ افسوسناک ہے!

محبت رسول ؐ کے دعوے کے باوجود مسلمان اتباع سنت سے دور ہے، اور اس کی شقاوت کا یہ ایک بڑا سبب ہے، مصنف نے اس موضوع پر بھی قرآن وحدیث

کی روشنی میں مختصر مگر عمدہ بحث کی ہے۔

اسلام کی حقانیت وصداقت اور نبی ﷺ کی تربیت کے کمال ومعنویت کا ایک زندہ ثبوت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقۂ باصفا ہے، زبان وحی نے ان کی توثیق کی ہے، اور پوری اسلامی تاریخ ان کے اخلاص وایثار کی گواہ ہے، مسلمانوں کا فرض ہے کہ صحابہ کے مقام کی عظمت کو محسوس کریں، اور کتاب وسنت کی رہنمائی کے مطابق اپنا عقیدہ متعین کریں۔ مصنف نے متعدد معتبر حوالجات سے اس موضوع کو واضح کیا ہے۔

امت مسلمہ کے فکری وعملی افلاس کا ایک الم انگیز مظہر اس کی صفوں میں طرح طرح کی بدعتوں کا فروغ ہے، محرم سے ذی الحجہ تک ہر مہینہ کے لئے الگ الگ بدعت مقرر کر لی گئی ہے، اور بعض مہینوں میں ایک سے زائد بدعتیں گڑھی گئی ہیں۔ مصنف نے مختلف مہینوں کی بدعتوں کی تردید کے لئے مستقل مبحث قائم کئے ہیں، اور اتمام حجت کے لئے ان علماء کے حوالے دیئے ہیں جن کی پیروی اور جن سے عقیدت کا اہل بدعت کو دعوی ہے۔

سنجیدہ استدلال، شگفتہ انداز تحریر اور معتبر حوالوں سے آراستہ اس کتاب کی اشاعت سے ان شاء اللہ اردو داں طبقہ مستفید ہوگا، کتاب کی اشاعت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے ہم مصنف اور ناشر کے لئے اجر جزیل کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالی اسلام اور مسلمانوں کو عزت وقوت عطا فرمائے، آمین۔ والحمد لله رب العالمين.

(ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

۲۶/ شعبان ۱۴۲۳ھ

● ● ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

ہندوستان (جامعہ سلفیہ، بنارس) سے اس کتاب کا یہ پہلا ایڈیشن ہے، اور ہندوستانی مسلمان بھائیوں کے لئے اس کتاب کو شائع کرنے کے سلسلہ میں ہمارے ایک مخلص دوست جناب عصمت امین خواجہ (جنرل مینیجر ترکی ٹریڈنگ اینڈ کنٹریکٹنگ کمپنی فاؤنڈیشنز کنسٹرکشن، الخبر) نے ہماری بھرپور ہمت افزائی اور تعاون کیا ہے جس پر ہم ان کے شکرگزار ہیں، فجزاالله خيرا فى الدنيا والآخرة ۔

اسی طرح ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس جناب مولانا عبداللہ سعود بن شیخ عبدالوحید صاحب، جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری (ریکٹر جامعہ و مدیر ماہنامہ مجلّہ صوت الامہ) اور جناب ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب (لیکچرار گرلز کالج، الدمام) کا بھی شکرگزار ہوں کہ ان حضرات کے تعاون کے نتیجہ میں یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچی ہے، بارك الله فى أهلهم ومالهم وأيامهم ۔ اللہ تعالی ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے، اسے ہمارے لئے دنیا و آخرت میں حسنہ بنائے، اور تمام قارئین کرام کے لئے اسے باعث استفادہ کردے، آمین ۔

ابوعدنان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

وداعیہ متعاون، مراکز دعوت وارشاد

الخبر، الظہران، الدمام

(سعودی عرب)

الخبر

۹/۶/۱۴۲۳ھ

۱۸/۸/۲۰۰۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین ، أما بعد :

اس کتاب کو میں نے حرفاً حرفاً پڑھا ہے۔ اور یہ کتاب مولانا محمد منیر قمر صاحب (مترجم شرعی کورٹ ام القیوین ، متحدہ عرب امارات) کی ان چند تقاریر کا مجموعہ ہے جو متحدہ عرب امارات کی ریاست ام القیوین کے ریڈیو اسٹیشن کی اردو سروس سے عقیدۂ توحید، اور رد بدعات کے بارے میں پروگرام "دین ودنیا" کے تحت نشر کی گئی تھیں۔ جنہیں بعد میں جمع (اکٹھا) کر کے احباب کے اصرار پر کتابی شکل دے دی گئی ہے۔

میں اپنے فاضل دوست مولانا محمد منیر قمر صاحب کا ممنون ومشکور ہوں کہ انہوں نے پروگرام (دین ودنیا) کا یہ مجموعہ مجھے لکھنے اور کتابی شکل میں ڈھالنے کے لئے دیا۔ اور فاضل دوست حافظ عبدالرؤف صاحب کا مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت سے وقت نکال کر نظر ثانی کی۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

اس کتاب میں اصل محنت تو قمر صاحب کی ہے، کیونکہ یہ سب ان ہی کی تقاریر ہیں۔ میں نے صرف تھوڑا بہت ترتیب کا کام کیا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اس مجموعہ میں کچھ احادیث حاشیہ میں ذکر کی گئی ہیں، جن کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ان احادیث کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں جو زبان زد خاص وعام ہیں۔

امید ہے کہ یہ مجموعہ اصلاح عقائد میں مفید و معاون ثابت ہوگا۔ اور قارئین سے التماس ہے کہ اپنی نیک دعاؤں میں اس عاجز کو بھی نہ بھولیں۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے مجموعہ ہذا کو قارئین کے لئے مفید بنائے، اور ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ اور آخرت میں ہمارے اور تمام قارئین کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین ثم آمین۔

حافظ ارشاد الحق
رکن مرکز الدعوۃ والارشاد
دبی، متحدہ عرب امارات
مقیم الذید، الشارقہ

۱۴۱۰/۴/۴ھ
۱۹۸۹/۱۱/۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أمابعد

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلام کے ارکان خمسہ ایمان، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج تو معروف ہیں، جن میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ اوران میں سے کسی کا انکار تو نہ کرنا بلکہ اس کا معترف ہونا مگر شیطان کے بہکاوے میں آکر ان کی ادائیگی میں سستی وتساہل برتنا فسق اور گناہ کبیرہ ہے۔

اوران پانچ ارکان کے علاوہ بھی کچھ امور ایسے ہیں جو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے مسلمانوں پر فرض قرار دئیے ہیں۔ ان میں بعض تو فرض عین ہیں۔ اور بعض فرض کفایہ(۱)۔ انہی آخر الذکر فرائض میں سے اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا بھی ہے جو کہ دین اسلام کا ایک اہم فریضہ ہے۔ اور اسے ہی قرآن کریم اور حدیث شریف میں فریضہ ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر'' کہا گیا ہے۔

فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ، قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن وسنت میں کتنے ہی ارشادات الٰہی اور فرمودات نبوی ﷺ ایسے

(۱) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کی دلیل مذکورہ آیت کا لفظ ''منکم'' ہے۔ اور مفسرین کرام نے اس مِن کو تبعیض کے لئے کہا ہے، جو کل افراد میں سے بعض کو خاص کردیتا ہے۔ کہ اگر کچھ مسلمان اس فریضہ کو سرانجام دے رہے ہوں تو باقی مسلمانوں کے سر سے گناہ کا بوجھ اتر جاتا ہے۔ ورنہ تمام افراد امت برابر گنہگار ہوں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ابن کثیر (اردو) ۱/۴۶۳، معارف القرآن ۲/۱۳۵ تا ۱۴۵۔

ہیں جن میں ہمیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یا نیک کاموں کی طرف لوگوں کی راہنمائی کرنے اور ناجائز امور سے انہیں روکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

آیئے! پہلے قرآن کریم کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں ہم سے کیا مطالبہ فرمایا ہے اور جو لوگ اس مطالبے کو پورا نہ کریں، ان کا انجام کیا بتایا ہے؟

چنانچہ سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ولتكن منكم أمة يدعون إلى الخير ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر و أولئك هم المفلحون﴾

''تم میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ اور جو لوگ یہ کام کریں وہی فلاح پائیں گے۔'' اور اللہ پر ایمان رکھتے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے ومنع کرنے کو بہترین امت کے اوصاف قرار دیتے ہوئے سورہ آل عمران کی آیت ۱۱۰ میں فرمایا:

﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تؤمنون بالله﴾

''(مسلمانو!) اب دنیا میں بہترین امت تم ہی ہو جسے انسانوں کی ہدایت و فلاح کیلئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور سورۂ توبہ آیت ۷۱ میں جنت کے مستحق اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿والمؤمنون والمومنت بعضهم أولياء بعض يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقيمون الصلوة و يؤتون الزكوة

ويطيعون الله ورسوله أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم ۝

''مومن مرد اور مومنہ عورتیں یہ سب ایک دوسرے کے (دلی محبت رکھنے والے) رفیق ہیں۔ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ زکوۃ دیتے ہیں، اور اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔''

اور اگلی آیت میں فرمایا:

۝ وعد الله المؤمنين والمؤمنت جنت تجري من تحتها الأنهار خالدين فيها ومساكين طيبة في جنت عدنٍ و رضوان من الله أكبر، ذلك هو الفوز العظيم ۝

''ان (اوصاف والے) مومن مردوں اور عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ایسی جنت دے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سدا بہار باغوں میں ان کے لئے پاکیزہ قیام گاہیں ہوں گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہو گی۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہو گی۔''

سبحان اللہ! دیگر فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے والے لوگوں کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔ اس فریضہ کی عظمت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ہی آیت میں اہل کتاب کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی جو کئی ذمہ داریاں بتائی ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے۔

۝ ويأمرهم بالمعروف وينههم عن المنكر ۝ (۱)

وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، اور بدی سے روکتا ہے۔

اور حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو جو معروف نصیحتیں کی ہیں ان

(۱) سورۃ الاعراف، الآیۃ ۱۵۷۔

میں سے یہ بھی ہے:

﴿یا بنی أقم الصلوة و أمر بالمعروف و انه عن المنکر﴾

''بیٹا! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روک۔'' (لقمان آیت ۱۷)

آیئے! اس تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھتے جائیں۔جن لوگوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی برتی یا برت رہے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کریم کیا کہتا ہے؟ سورۂ مائدہ آیت ۷۸، ۷۹ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم﴾

بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کی زبان پر لعنت کی گئی۔

اور ساتھ ہی اس لعنت کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ذلك بما عصوا وکانوا یعتدون کانوا لا یتناهون عن منکر فعلوه لبئس ما کانوا یفعلون﴾

کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے، اور زیادتیاں کرنے لگے تھے۔انہوں نے ایک دوسرے کو برے افعال کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔(۱)

اور اگلی آیت میں انہیں اللہ تعالیٰ نے فاسق قرار دیا اور ابدی جہنمی کی وعید سنائی اور سورۂ بقرہ آیت ۴۴ میں فرمایا:

﴿أتأمرون الناس بالبر و تنسون أنفسکم و أنتم تتلون

---

(۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ فریضہ صرف ہم پر ہی عائد نہیں کیا گیا، بلکہ پہلی امتوں پر بھی عائد تھا۔ اور اس فریضہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے جو وعیدیں ان کو سنائی گئی تھیں، وہ ہمارے لئے بھی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے پہلی امتوں کی بداعمالیوں کو ہمارے لئے اسی مقصد کی خاطر بیان کیا ہے، تاکہ ہم اس میں مبتلا نہ ہوں۔ ان وعیدوں کی تفصیل آگے احادیث میں آرہی ہے۔

الكتاب أفلا تعقلون﴾

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ اور (حالانکہ) تم کتاب پڑھتے ہو، کیا پس تم نہیں سمجھتے؟

اور ایسے ہی سورہ صف آیت ۲، ۳ میں فرمان الٰہی ہے:

﴿یا أیها الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتا عندالله أن تقولوا ما لا تفعلون﴾

اے ایمان دارو! (مومنو) جو تم خود نہیں کرتے (لوگوں) کو کیوں کہتے ہو؟ اللہ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے کہ (لوگوں کو) وہ چیز کہو جو خود نہ کرو۔

فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

اس موضوع کے بارے میں نبی آخر الزماں ﷺ کے ارشادات بھی کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں، جیسا کہ مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فإن لم یستطع فبلسانه فإن لم یستطع فبقلبه وذلك أضعف الإیمان۔(۱)

تم میں سے جو شخص کوئی برا کام دیکھے تو اسے چاہئے (طاقت ہو تو) اسے قوت بازو سے روکے، جس سے یہ نہ ہو سکے تو وہ اپنی زبان ہی سے روکے۔ اور جس سے یہ بھی نہ ہو سکے تو اپنے دل میں (اس کام کو برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمتر درجہ ہے۔

اس ارشاد گرامی میں ''من رأی منکم منکراً'' تم میں سے جو بھی برائی

---

(۱) مسلم ۴۹، ابوداؤد ۱۱۴۰، ۴۳۴۰، ترمذی ۲۱۷۳، نسائی ۸/۱۱۱، ابن ماجہ ۴۰۱۳، صحیح الجامع (۶۲۵۰)، مسند احمد ۳/۱۰۴، ۲۰/۲۰۔

ہوتے دیکھے ''جو بھی'' نکرہ کا صیغہ اور تمام افراد امت کے لئے عام حکم ہے، یہ نہیں کہ صرف علماء ہی اس فریضہ کی ادائیگی کے پابند ہیں۔ بلکہ ہم سب پر بھی یہ فرض ہے کہ برائی کو ہر ممکنہ طریقہ سے روکیں۔ اپنے اختیارات کے دائرہ میں قوت بازو سے برائی کا سد باب کریں، عام نہیں تو اپنے بہن بھائی یا کم از کم بیوی بچے تو ہر کسی کی رعایا ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی غیر شرعی اور ناجائز فعل سرزد ہو تو انہیں روکیں۔ اگر سب لوگ صرف اتنا سا کام ہی کر لیں تو پورے معاشرے سے برائیوں کا نام ونشان مٹ سکتا ہے۔ مگر کہاں؟! اکثر لوگ تو خود اپنی اہلیہ کو بے پردہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا پردے کے بارے میں کیا حکم ہے؟! اپنی اولاد، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے غیر اسلامی افعال پر روک ٹوک کی بجائے نازاں ہوتے ہیں۔ اور دوسرے لوگوں میں فخر یہ کہتے ہیں: اجی نئی روشنی ہے، آزاد خیال ہیں۔ ایسے والدین کے ان کلمات سے اولاد کے حوصلے اور بڑھ جاتے ہیں۔ اور بالآخر ایک ایسی اسٹیج آجاتی ہے کہ اب اگر یہ انہیں روکنا بھی چاہیں تو وہ نہیں رکتے۔ تربیت کا زمانہ تخریب میں گذارنے کے بعد اگر کسی کی غیرت وحمیت جاگی بھی، تو کیا حاصل؟

نہی عن المنکر کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اگر آپ میں قوت بازو سے برائی کو مٹانے کی ہمت نہیں تو کم از کم اپنی زبان سے ہی برائی کرنے والے کو کہہ دیں کہ بھئی یہ کام جائز نہیں ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم یوں ہے، یوں نہیں، اگر حکمت ودانائی کے ساتھ اور اچھے بااخلاق طریقے سے اس فریضہ کو ادا کیا جائے تو سامنے والا ناراض ہونا تو کجا، مشکور وممنون ہوتا ہے۔ برائی بھی ختم ہوئی اور ثواب بھی ملا۔ اور اگر آپ صحیح طریقہ اختیار کرنے کی بجائے کسی کو ناروا کام سے روکنا چاہیں گے کہ جیسے ٹھاک سے لاٹھی ماردی جاتی ہے تو سامنے والا ماننے کے بجائے بگڑے گا۔ اور اس غلطی کی اصلاح تو در کنار اس پر بضد ہو جائے گا، تو گویا آپ کے غیر صحیح طرز عمل کی

بدولت ایک آدمی ضائع ہوئے۔ یہاں شاید یہ بتانا تو ضروری نہیں کہ اس حدیث میں برائی کے لئے ''منکر'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد زنا کاری و شراب نوشی جیسی برائیاں ہی نہیں، بلکہ ہر وہ کام مراد ہے جو خلاف شرع اور خلاف سنت ہو، مثلاً آپ ہوٹل میں یا دوست و احباب کی کسی مجلس میں بیٹھے ہیں، ٹھنڈے مشروبات یا چائے کا دور چل رہا ہے۔ آپ کا کوئی عزیز بائیں ہاتھ میں کپ یا گلاس لئے کچھ پی رہا ہے، تو اسے اچھے طریقے سے دائیں ہاتھ'' سنت طریقہ'' سے پینا یاد دلائیں۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

اور اگر کسی میں اتنی بھی جرأت ایمانی نہ ہو اور وہ کسی کو زبان سے بھی غلط کام کرتے نہ روک سکے تو پھر کم از کم دل سے ہی اسے برا سمجھے۔ اور یہ ایمان کی کمتر اور ضعیف پوزیشن ہے۔

معلوم ہوا کہ شخص اپنے اعمال واخلاق کو سنوار لینا ہی کافی نہیں، بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کے اعمال کی اصلاح کا فریضہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ یہی مضمون تیسویں پارے کی سورۃ العصر میں بیان ہوا ہے کہ آخرت کے خسارے سے صرف وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو خود بھی ایمان و عمل صالح کے پابند ہیں۔ اور دوسروں کو بھی عقائد صحیحہ اور اعمال صالحہ کی ہدایت و نصیحت کرتے ہیں۔ ف

اگر اس طرز عمل کو اختیار کر لیا جائے تو معاشرے کی اصلاح بآسانی ہو سکتی ہے۔ اور افراد معاشرہ میں ایمانی محبت اور اسلامی اخوت و بھائی چارے کا ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کرنے کا انجام

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایک ایسا فریضہ ہے جس میں دنیاوی نجات بھی ہے اور اخروی فوز و فلاح بھی۔ اور اس کی ادائیگی میں غفلت و سستی کرنے

ف: تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ عصر

والوں کو نبی اکرم ﷺ نے عذاب کی وعید بھی سنائی ہے۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ارشادنبوی ﷺ ہے:

والذی نفسی بیدہٖ لتأمرن بالمعروف ولتنهونّ عن المنكر أو ليوشكنّ الله أن يبعث عليكم عذاباً ثم لتدعونه فلا يستجيب لكم۔(۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا۔ پھر اگر تم اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرو گے تو وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔

کسی کو غلط کام کرنے سے روکنا دونوں ہی کیلئے نہ صرف اخروی نجات وثواب کا باعث ہے بلکہ اس کے نتائج دنیا میں ہی دیکھے جا سکتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے اس پہلو کو سمجھانے کے لئے نہایت ہی خوب انداز اختیار فرمایا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

مثل القائم فی حدود الله والواقع فيها كمثل قومٍ استهموا على سفينة فصار بعضهم أعلاها و بعضهم أسفلها فكان الذين فی أسفلها ....

وإذا استقوا من الماء مرّوا علىٰ من فوقهم فقالوا لو أنا خرقنا فی نصيبنا خرقا ولم نؤذ من فوقنا، فإن تركوهم وما أرادوا هلكوا جميعاً۔وإن أخذوا على أيديهم نجوا، و نجوا

(۱) ترمذی ۲۱۷۰، وقال حديث حسن ، و فی سنده عبدالله بن عبدالرحمن الأنصاری الراوی عن حذيفة لم يوثقه غير ابن حبان، لكن له شاهد من حديث ابن عمر والآخر عن ابی هريرة (رضی الله عنهم) عندالطبرانی فی الأوسط: أنظر مجمع الزوائد ۷/ ۲٦٦، قاله الأرناؤوط فی تعليقهٖ على رياض الصالحين ص۱۰٤ طبع دار المامون ،دمشق ، مسند احمد ٥/ ۳۸۸ صحيح الترمذی (۱۷٦۲) صحيح الجامع (۷۰۷۰) شرح السنة للبغوی ۱٤/ ۳٤٥ حديث (٤۱٥٤).

جمیعاً۔ (۱)

اللہ کی حدود پر قائم اور اس میں سستی کرنے والے لوگوں کی مثال ان لوگوں کی طرح ہے جنہوں نے ایک کشتی (بحری جہاز) کے حصے تقسیم کیئے۔ کچھ لوگ اوپر کے حصے میں رہے، اور کچھ نیچے کے حصے میں، جو لوگ کشتی کے نچلے حصے میں رہے وہ اوپر چڑھ کر پانی لانے لگے۔ اس طرح اوپر والوں پر ان کا گزر ہوتا۔ نیچے والوں نے سوچا کہ ہم اپنے نچلے حصے میں سوراخ کر کے پانی لے لیتے ہیں، تا کہ اوپر والوں کو تکلیف نہ ہو، اب اگر اوپر والے لوگوں نے نیچے والے لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، تو (کشتی میں پانی بھرنے کی وجہ سے) سب ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا تو سب (غرق ہونے سے) بچ جائیں گے۔

بخاری شریف کی اس حدیث کے الفاظ اور نبی کریم ﷺ کی بیان فرمودہ اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو جہاں لگا ہوا ہے، ٹھیک ہے۔ یہ انتہائی غلط سوچ اور بھونڈا نظریہ ہے، جو جہاں لگا ہوا ہے اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے تو نبی اکرم ﷺ کی دی ہوئی مثال کے مطابق جو لگا ہوا ہے، وہ بھی غرق ہو جائے گا اور ساتھ ہی خاموش تماشائی بنے لوگوں کو بھی لے ڈوبے گا۔ اور اگر آپ نے اسے بتایا کہ بھئی آپ جہاں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وہاں لگنے اور لگے رہنے سے منع فرمایا ہے۔ تو وہ بھی بچ جائے گا اور آپ بھی بخیریت رہیں گے۔

اور ایسا ہی ایک واقعہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے۔ جو قصۂ اصحاب سبت کے نام سے معروف ہے۔ اور سورۂ اعراف کے رکوع ۲۱ کی تفسیر میں مذکور ہے، کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تو اللہ کی نافرمانی کرنے پر عذاب الٰہی کے شکار ہوئے۔ اور وہ لوگ بھی عذاب سے نہ بچ سکے جو خود تو نافرمانی نہیں کرتے تھے، مگر نافرمانی کرنے

---

(۱) بخاری ۹۴/۵، ۲۱۶، ۲۱۷۔ صحیح الترمذی (۱۷۶۵)، مسند احمد ۲۶۸/۴، ۲۷۰، ۲۷۳ بحوالہ الصحیحۃ حدیث (۶۹) وبیہقی ۲۸۸/۱۰۔

والوں کو روکتے بھی نہیں تھے۔(۱)

ایسے ہی ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان میں ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

إن القوم إذا رأوا المنكر فلم يغيروه عمهم الله بعقاب۔(۲)

جب کوئی قوم برائی کو دیکھے اور اسے نہ بدلے تو اللہ تعالیٰ ان سب پر عمومی عذاب مسلط فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے متعلق یہ حدیث بیان فرمائی جو سورۂ مائدہ کی آیت ۱۰۸ (یا أیها الذین آمنوا علیکم أنفسکم لا یضرکم من ضل إذا اهتدیتم) کو محدود معنی میں سمجھیں۔ اور اسے ''تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو'' کے مفہوم پر محمول کریں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ سے غفلت برتیں۔ اور ''جو جہاں لگا ہوا ہے'' کو صحیح قرار دیں۔

کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو جہاں لگا ہوا ہے، ٹھیک ہے۔ لگا رہنے (۳) دو، اللہ تعالیٰ فہم سلیم سے نوازے۔ آمین۔

اسی فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سبکدوشی کے لئے ہم ریڈیو متحدہ عرب امارات، ام القیوین کی اردو سروس سے آپ کے لئے اسلامی تعلیمات کا پروگرام ترتیب دیتے اور پیش کرتے ہیں۔ تقبل الله منا و وفقنا لما فيه

---

(۱) تفسیر کی کتابوں میں دونوں رائیں موجود ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ صرف نافرمانوں کو عذاب ہوا۔ اور دو گروہ بچ گئے۔ اور بعض کا قول ہے کہ صرف روکنے والے بچے اور دوسرے دونوں دیگر گروہ مبتلائے عذاب ہو گئے۔ ملاحظہ فرمائیں کتب تفسیر۔

(۲) ابوداؤد ۴۳۳۸، ترمذی ۳۰۵۹، مسند احمد ۲، ابن ماجہ ۴۰۰۵، بإسناد صحیح وصححہ ابن حبان ۱۸۳۷، ۱۸۳۸، تعلیق الأرناؤوط علی ریاض الصالحین ص ۱۰۶، وصححہ الألبانی روایة الألبانی ۔۔۔، أنظر مشکوٰة المصابیح ۳/۱۴۲۲، حدیث ۵۱۴۲، مسند احمد ۱/۲/۷

(۳) امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلقہ آیات و احادیث کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔ ریاض الصالحین ص ۱۰۰ تا ۱۰۷ حدیث ۱۸۴ تا ۱۹۸ تحقیق الأرناؤوط۔ مشکوٰة شریف ج ۳ ص ۱۴۲۱ تا ۱۴۲۶ حدیث ۵۱۳۷ تا ۵۱۵۴ تحقیق الألبانی۔

خیر الإسلام والمسلمین ۔

پروگرام ''دین و دنیا'' کے عنوان سے نشر ہونے والی چند ریڈیائی تقاریر معمولی ترمیم اور کئی مفید اضافوں کے ساتھ کتابی صورت میں پیش خدمت ہیں، اور اس سلسلہ کی یہ پہلی کڑی ہے، جبکہ دیگر موضوعات بھی یکے بعد دیگرے تحریری شکل میں آپ تک پہنچانے کا ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ اس کارخیر میں مالی شرکت (صرف کتاب پر آنے والے اخراجات) کے لئے مخیر حضرات ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں، جو ان کے لئے ایک صدقۂ جاریہ ہوگا ۔

صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

راقم نے ان تقاریر کا مسودہ بہ اضافات مفیدہ اپنے فاضل دوست جناب حافظ ارشاد الحق صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی مقیم الذید، شارجہ کو دیا کہ وہ تقاریر کے تمہیدی واختتامی کلمات اور خطبہ وسلام کو حذف کرکے، اور دیگر ترمیمات سے اسے کتابی شکل میں چھاپنے کے لئے تیار کردیں، انہوں نے یہ علمی تعاون فرمانے پر رضامندی کا اظہار کیا اور اسے بطریق احسن انجام دیا۔ لہذا میں موصوف کا شکرگزار ہوں۔ اور ساتھ ہی اپنے دوسرے فاضل دوست جناب حافظ عبدالرؤف صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی مقیم الذید، شارجہ کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے نظر ثانی فرمائی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

متحدہ عرب امارات، ام القیوین

۴ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

۳ نومبر ۱۹۸۹ء

محمد منیر قمر بن نواب الدین سیالکوٹی

●●●

قبولیت عمل کی شرط اولیں

صحت عقیدہ

ہم نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں یا ان کے علاوہ کچھ دوسرے نیک عمل بھی کرتے ہیں۔ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہونی چاہئے کہ ہمارے ان اعمال کی قبولیت کا انحصار کن کن امور پر ہے۔ یا بالفاظ دیگر وہ کون کون سی شرطیں ہیں جو قبولیت عمل کیلئے ناگزیر ہیں۔ اور جن کی رعایت رکھے بغیر نیک اعمال واللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے۔ اور نہ ہی ان کی جزا دیتے ہیں، وہ امور یا شرطیں تین ہیں۔

پہلی شرط

صحت عقیدہ یا توحید باری تعالیٰ پر مکمل ایمان۔

دوسری شرط

اخلاص للہ یا ریاکاری اور دکھلاوے سے کلی اجتناب۔

تیسری شرط

موافقت سنت کہ ہمارا ہر عمل نبی اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے عین مطابق ہو۔

اگر نیک عمل کرنے والے کا عقیدہ صحیح نہ ہو تو اس کی شب زندہ داری اور ریاضت وعبادت سب اکارت جاتی ہے، کیونکہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن پاک کی سورۂ فرقان آیت ۲۳ میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھبآء منثورا﴾۔

اور ہم ان کے کئے ہوئے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے، اور ان کے سب

گئے دھرے کو غبار کی طرح اڑا دیں گے۔

صحت عقیدہ کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر مکمل و غیر متزلزل ایمان ہو اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد دلوں میں راسخ ہو کہ ہر قسم کی قولی، مالی اور بدنی عبادات کا مستحق صرف وہی ہے۔ اس معبود برحق کے سوا اس پوری کائنات میں دوسری کوئی ہستی یا شخصیت ایسی نہیں جو لائق عبادت ہو۔ ہر قسم کے نفع و نقصان کی مالک اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ رزق دینا، اولاد عطا کرنا، بارش برسانا، مرض لگانا، شفا بخشنا وغیرہ اسی کے قدرت و اختیار میں ہیں۔ اور وہی خالق و مالک کائنات ہمارا حقیقی معبود و مسجود ہے اور جب کوئی شخص لآالٰہ الا اللہ کہتا ہے تو ان کلمات میں اسی بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زبان سے اسی اقرار و اعتراف، دل میں اسی بات کے یقین اور اسی کے مطابق عمل کے مجموعے کا نام ہی ایمان باللہ یا توحید باری تعالیٰ ہے۔

یہ ایمان اور توحید اگر صرف زبانی حد تک رہیں اور عملی زندگی میں انہیں اختیار نہ کیا جائے تو یہ بھی سودمند نہیں۔ کیونکہ بقول علامہ اقبالؒ ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

●●●

توحید باری تعالیٰ
قولی عبادات

توحید باری تعالیٰ اور خصوصاً توحید الوہیت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، یہی وہ خاص بنیادی نقطہ ہے جس کی وضاحت کرنے اور جسے اپنے بندوں کے دلوں میں راسخ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ تمام انبیاء و رسل کی دعوت کا مرکزی موضوع یہی تھا۔ اور امام الانبیاء، خاتم الرسل حضرت محمد مصطفی ﷺ نے بھی مکی دور کی ۱۳ سالہ پیغمبرانہ زندگی میں اپنی دعوت و تبلیغ و اصلاح عقائد اور تعلیم توحید پر ہی مرکوز رکھا۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اسی موضوع پر خوب زور دیا ہے، حتیٰ کہ قرآن کریم کی کل ایک سو چودہ سورتوں میں سے چھیاسی سورتیں جو مکی کہلاتی ہیں اور نبی ﷺ کی مکی زندگی میں آپ ﷺ پر نازل ہوئی تھیں، ان سب کا مرکزی اور نمایاں موضوع یہی توحید خالص کی تعلیم اور شرک و بت پرستی سے نفرت واجتناب تھا۔

اس موضوع پر ابتدائے آفرینش سے ہی زبردست توجہ دی گئی۔ اور اسی نقطہ کی وضاحت کے لئے انبیاء نے سخت محنتیں کیں، تاکہ بندگان خدا اپنے خالق و مالک کو پہچان سکیں، اس کا عرفان حاصل کریں۔ اور ان کی جبین نیاز میں جب بھی سجدہ تڑپے۔ تو اپنے مالک کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوں، جب بھی عبادت کریں تو صرف اسی کی کریں، پکاریں تو اسی کو پکاریں، مانگیں تو اسی سے مانگیں، ڈریں تو صرف اسی سے ڈریں جئیں تو صرف اسی کے لئے جئیں۔ اور مریں تو صرف اسی کے لئے مریں اور ﴿إن صلاتی ونسکی و محیای ومماتی لله رب العلمین﴾ (۱۱) کی عملی تصویر بن جائیں۔

---

(۱۱) سورۃ الانعام، آیت ۱۶۲

''لا الٰہ إلا اللہ'' کہہ کر انسان یہ اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری کوئی ہستی یا شخصیت عبادت کے لائق نہیں۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھیں کہ عبادت صرف نماز، روزے، حج اور زکوٰۃ کا نام ہی نہیں، بلکہ عبادت کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً: قولی عبادات، مالی عبادات اور بدنی عبادات۔

اور قولی عبادات میں سے دعاء و پکار اور ذکر واذکار بھی ہیں۔ دعاء و پکار کے عبادت ہونے کی دلیل سورۂ غافر کی یہ آیت نمبر ۶۰ ہے:

﴿وقال ربكم ادعوني أستجب لكم إن الذين يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم داخرين﴾

اور کہا تمہارے پروردگار نے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری فریاد رسی کرتا ہوں اور بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے یا پکارنے کو اپنی عبادت قرار دیا ہے، جب کہ مسند احمد اور سنن اربعہ میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

الدعاء هو العبادة۔ (۱) کہ دعاء و پکار ہی عبادت ہے۔

اگر کوئی شخص مشکل میں مبتلا ہو جائے تو مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے اسے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہئے۔ اسے ہی پکارنا چاہیئے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مشکل کشا نہیں، جیسا کہ سورۂ نحل آیت ۶۲ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿أمن يجيب المضطر إذا دعاه و يكشف السوء﴾

کون ہے! (اللہ کے سوا) جو کسی پریشان حال کی پکار کو سنتا اور اس کی مشکل

---

(۱) مسند احمد ۴/ ۲۶۷-۲۷۱، ۲۷۶، النعمان بن حدیث (۲۳۹۶) الحاکم ۱/ ۴۹۱ کتاب الدعاء رواہ الأربعة وصححه الترمذی، بلوغ المرام مع السبل ۴/ ۲۱۰-۲۱۱، صحیح ابی داؤد (۱۳۱۲) صحیح الترمذی (۲۵۹۰) سنن ابن ماجہ (۳۸۲۸)

ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں الدعاء مخ العبادة: دعا عبادت کا مغز ہے۔ مگر ان الفاظ سے یہ حدیث ضعیف ہے۔ رواہ الترمذی (۳۳۷۱) بلوغ المرام مع السبل ۴/ ۲۱۰-۲۱۱، طبع المکتبہ التجاریہ الکبری مصر)

آسان کرتا ہے؟

اور جو شخص کسی مشکل وقت میں دربار الٰہی سے منہ موڑ کر مخلوق الٰہی میں سے کسی کی طرف متوجہ جائے ، مثلاً یا علیؓ مدد کہے، یا علیؓ مشکل کشا، یا شیخ عبدالقادر جیلانی اغثنی کہے، یا کسی بھی فوت شدہ کو مافوق العادۃ امور میں مدد طلبی کے لئے پکارنے لگے، یہ استغاثہ یا استعانت من غیر اللہ ہے۔ جو نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے صریح خلاف ہے۔

ترمذی میں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

إذا سئلت فاسئل الله وإذا استعنت فاستعن بالله (۱) جب سوال کرو تو اللہ تعالی سے کرو، اور جب مدد مانگو تو صرف اللہ تعالی سے مانگو۔ (ترمذی شریف، حسن صحیح)

اور نماز کی ہر رکعت میں یہ اعتراف ہوتا ہے:

﴿إياك نعبد وإياك نستعين﴾۔ (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔

اگر مشکل پڑتے ہی غیر اللہ کی طرف منہ پھیر لیا، تو اس وعدے کا کیا ہوگا؟ فليتدبر اور سورۂ یونس آیت نمبر ۱۰۶ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ولا تدع من دون الله ما لا ينفعك ولا يضرك فإن فعلت فإنك إذاً من الظلمين﴾۔

(اے نبی ﷺ) آپ اللہ تعالی کے سوا کسی ہستی کو مت پکاریں جو آپ کو نہ فائدہ پہنچا سکتی ہیں، اور نہ نقصان۔ پھر اگر (بالفرض) آپ ایسا کریں گے تو ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

اور سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۵ میں فرمان الٰہی ہے:

﴿أدعوا ربكم تضرعا و خفية﴾۔

تم اپنے پروردگار کو لڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو۔

---

(۱) مسند احمد ۱/۲۹۳، ۳۰۳ صحیح الترمذی (۲۰۴۳) صحیح الجامع (۷۹۵۷)

اور بخاری شریف میں ارشادِ نبویؐ ہے:

من مات وهو يدعو من دون الله نداً دخل النار ۔(۱)

وہ شخص آگ میں داخل ہوگیا جو اس حالت میں مرگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی (دوسرے) شریک کو (اپنی مشکل و حاجت روائی میں) پکارتا تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص مشکل میں غیر اللہ کی دہائی دینے لگے تو سمجھ لیں کہ ایسے شخص کا عقیدہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس نے کسی غیر اللہ کو بھی اس عبادت یعنی دعاء و پکار کا مستحق سمجھ لیا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرالیا ہے۔ جو کہ توبہ کے بغیر ناقابلِ معافی گناہ ہے۔

قولی عبادات میں سے ہی ذکر و اذکار بھی ہے، اور ذکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کرنا چاہئے۔ جیسا کہ قرآن پاک کے کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مختلف پیرایوں میں اس بات کی تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً سورۂ آل عمران آیت نمبر ۴۱ میں فرمایا:

﴿واذكر ربك كثيرا﴾، سورۂ اعراف آیت ۲۰۵ میں فرمایا: ﴿واذكر ربك فى نفسك تضرعا وخيفة﴾ سورۂ مزمل آیت ۸ میں فرمایا: ﴿واذكر اسم ربك وتبتل إليه تبتيلا﴾، سورہ دہر آیت ۲۵ میں فرمایا: ﴿واذكر اسم ربك بكرة وأصيلا﴾ اور سورۂ جمعہ آیت ۱۰ میں فرمایا: ﴿واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون﴾ ان مقامات اور ایسی ہی کئی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ ذکر عبادت ہے۔ کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہنا بھی ذکر اور عبادت ہے۔ اور یہ عمل باعث برکت بھی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اٹھتے بیٹھتے کسی غیر اللہ کے نام کو پکارتا ہے۔ کسی کام کو شروع کرنے لگے تو ذکر الٰہی یا بسم اللہ کی بجائے مخلوقِ الٰہی میں سے کسی کا نام تبرکاً لے، مثال کے طور پر ایک آدمی کسی کام کا آغاز کرنے لگے تو "یا پیر استاذ" کہہ کر شروع کرے تو ایسے شخص کا عقیدہ ناقص شمار ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے اس فعل سے پیر استاذ کو اللہ کے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ اور اگر اس نے پہلے بسم اللہ پڑھ کر اللہ کا ذکر کرلیا اور پھر "یا پیر استاذ" بھی کہہ دیا تو اس نے اپنے پیر استاذ کو اللہ تعالیٰ کی متوازی حیثیت دے دی۔ یا مساوی ذات قرار دے

(۱) بخاری مع الفتح حدیث (۴۴۹۷)

دیا۔ جبکہ یہ رویہ بھی توحید خالص کے سراسر منافی ہے۔ کیونکہ تقرب اور تبرک کیلئے ذکر صرف اللہ تعالیٰ ہی کا روا ہے کسی دوسرے کو بھی اسی انداز سے یاد کرنا عبادت الٰہی میں اسے شامل کرنا ہے۔

یہ ایسے امور ہیں کہ صحت عقیدہ کے لئے ان کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔ مگر ہم لوگ بڑی بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں۔ جب کہ یہ بظاہر معمولی معمولی کوتاہیاں عقیدۂ توحید کو سخت ٹھیس پہنچاتی اور ہماری عبادت کے عدم قبول میں بڑی مؤثر ہوسکتی ہیں۔

مالی عبادات

اقسام عبادت میں سے دوسری قسم ہے مالی عبادت، جیسے صدقہ خیرات کرنا، قربانی دینا، زکوۃ دینا اور نذر و نیاز دینا وغیرہ، یہ سب بھی صرف لوجہ اللہ ہونی چاہئیں۔ کیونکہ سورۂ کوثر آیت ۲ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فصل لربك وانحر﴾۔

اپنے رب کے لئے نماز پڑھ۔ اور اسی کے نام کی قربانی دے۔

اور مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے:

لعن الله من ذبح لغير الله۔(۱)

جس نے غیر اللہ کے لئے کوئی جانور ذبح کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اور نذر و نیاز بھی صرف اللہ کیلئے ہونی چاہیئے۔ کیونکہ سورۂ آل عمران آیت ۳۵ میں حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی نذر ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

﴿رب إني نذرت لك ما في بطني﴾

''اے میرے پروردگار! میں اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے، تیری نذر کرتی ہوں۔''

---

(۱) مختصر مسلم للمنذری (۱۲۶۱)، صحیح النسائی (۴۱۱۹) صحیح الجامع (۵۱۱۲) مسند احمد ۱/ ۱۰۸-۱۱۸

اور سورۂ مریم آیت ۲۶ میں خود ان کی نذر ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿إني نذرت للرحمن صوماً﴾

''کہ میں نے رب ورحمٰن کے لئے روزے کی نذر مانی ہے۔''

معلوم ہوا کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کی نذر و نیاز ماننا جائز نہیں (۱) ہے۔ اب اگر ہم مخلوق الٰہی میں سے کسی غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کریں (قبروں اور مزاروں پر چڑھاوے چڑھائیں) اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز دیں تو ہمارا یہ فعل، مالی عبادات میں کسی غیر اللہ کو اللہ تعالی کا حصہ دار بنانا ہوگا، جو کہ سراسر غیر اسلامی فعل، عقیدۂ توحید کے منافی اور شرک ہے۔

بدنی عبادات

عبادت کی اقسام میں سے تیسری قسم ہے۔ ''بدنی عبادات'' جیسے نماز پنجگانہ، تہجد، اور دیگر نوافل، ماہ رمضان المبارک کے فرضی روزے یا دیگر نفلی روزے اور حج وغیرہ، جبکہ حج ایسی عظیم الشان عبادت ہے کہ اس میں مال خرچ ہوتا ہے، اس لئے مالی عبادت بھی ہے۔ ذکر و اذکار اور دعاؤں کے بکثرت مواقع ہونے کی وجہ سے یہ قولی عبادت ہے۔ اور سفر کی مشقتوں کی بناء پر یہ بدنی عبادت ہے۔ گویا حج مالی، قولی اور بدنی ہر قسم کی عبادات کا مجموعہ ہے۔ ایسے ہی سجدہ بھی بذاتہٖ ایک عبادت ہے، اور بدنی عبادت کی یہ سب اقسام بھی صرف اللہ تعالی کے لئے خاص ہیں۔ کسی دوسرے کے لئے ان میں کوئی فعل کا بجالانا غیر اللہ کو اس کی عبادت میں شامل کرنا ہے۔ اور یہ چیز توحید الٰہی کے منافی ہے۔

ایک مسلمان جو حج تو اللہ تعالی کیلئے کرتا ہے اور بیت اللہ کا طواف بھی اسی کی عبادت سمجھ کر کرتا ہے، اور یہ طواف سورۂ حج کی آیت ۲۹ ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ کی رو سے حکم الٰہی، عین عبادت اور باعث اجر و ثواب ہے۔ یہ عبادت

---

(۱) نذر اللہ اور نیازِ حسین کیلئے اور اس نام پر خیرات سمجھ کر پیسے، بھیک مانگنے والوں کو دینے والوں کو اپنی اپنی ادا پر غور کرنا چاہئے۔

(طواف بیت اللہ) تو اس نے زندگی میں ایک آدھ مرتبہ ہی کیا، مگر کسی قبر کا طواف وہ کرتا ہی رہے، ایسے ہی مسلمان نمازوں میں تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ جو قرآن کریم سورۂ علق کی آیت ۱۹﴿واسجد واقترب﴾ کی رو سے حکمِ الٰہی، عبادت، ذریعۂ نجات اور قربِ الٰہی ہے۔ مگر اسے جب بھی موقعہ ملے تو وہ کسی ولی اللہ کی قبر پر بھی ماتھا ٹیک دے، اس کے مزار کی چوکھٹ پر بھی جبینِ نیاز رگڑنے لگے، تو اس کے ان افعال کو کیا نام دیا جائے گا؟ سوائے شرکِ اکبر کے۔

حق و انصاف کی نظر سے دیکھیں اور خدا لگی کہیں، کیا ایسے آدمی نے کسی بزرگ کی آخری آرام گاہ کا طواف کر کے بیت اللہ شریف اور اس قبر کو ایک جیسا مقام نہیں دے دیا۔؟ بلکہ اس سے بھی آگے سوچیں کہ اس کے اس رویہ نے اللہ تعالیٰ اور صاحبِ قبر بزرگ دونوں کو ہی معبود نہیں بنا دیا؟ اور اس نے ہر دو جگہ کا طواف کر کے یا دو جگہ کے گرد پھیرے لگا کر، کسی اللہ والے کے مصرعہ ؎

لامعبود إلا هو ولامسجود إلا هو

کے بخیئے نہیں اُدھیڑ کر رکھ دیئے؟ اب تو یہ مانا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ اور غیر اللہ کے لئے ایک جیسا مقام ہرگز نہیں، مگر اس کا فعل یا زبانِ حال تو اس کے دل کا ساتھ نہیں دے رہے۔

الغرض عبادات کے جتنے بھی انداز ہیں، انہیں کسی غیر اللہ کے لئے اختیار کرنا، صحت عقیدہ اور توحید باری تعالیٰ کے منافی ہے۔ ہمیں اپنے عقائد کی اصلاح کرنا چاہئے، تاکہ آخرت کی زندگی میں اپنی عبادات کا ثمر پا سکیں۔ اللہ تعالیٰ کو نفع ونقصان کا مالک بھی سمجھیں، اور معبود واحد بھی قرار دیں، اور ساتھ ہی ساتھ شجر و حجر اور مزار و قبر سے بھی امیدیں وابستہ رکھیں تو پھر علامہ اقبالؒ کے ان الفاظ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے ؎

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

●●●

سجدہ عبادت ہے

سجدہ کا عبادت ہونا بریلوی مکتب فکر کے بانی و سرخیل عالم مولانا احمد رضاخاں بریلوی کے ارشادات و تعلیمات میں بھی مذکور ہے۔ چنانچہ قبروں اور مزاروں پر سجدے کرنے والوں کی ضیافت طبع اور لمحۂ فکریہ کے لئے فاضل بریلوی کی تصریحات پیش خدمت ہیں۔موصوف اپنی کتاب ''الزبدة الذکیة فی سجدة التحیة'' ص:۵۸ پر لکھتے ہیں:

''بے شک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیت میں سوائے نیت کوئی فرق نہیں۔ سجدہ تو سجدہ، زمین بوسی کی نسبت درمختار (ص۶۹۹ کے حوالہ) سے گزرا کہ یشبہ عبادة الوثن بت پرستی کے مشابہ ہے۔''

ان الفاظ سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا اور زمین بوسی کرنا، شرک و بت پرستی ثابت ہوا۔ جب کہ اس کی مزید وضاحت اور تعظیمی سجدہ کے حرام و گناہ کبیرہ ہونے کا ثبوت موصوف کی اسی مذکورہ کتاب کے ص۸ پر مذکوران الفاظ میں موجود ہے:

''سجدۂ عبادت تو یقیناً اجماعاً شرک مہین و کفر مبین اور سجدۂ تحیت (تعظیمی) حرام، گناہ کبیرہ بالیقین۔اس کے کفر ہونے میں اختلاف۔علمائے دین کی ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول اور عندالتحقیق وہ کفر صوری پر محمول۔''

اور قبروں یا مزاروں پر سجدہ کرنے کے علاوہ پیروں کو سجدہ کرنے اور اس فعل پر راضی ہونے والے پیروں کے کافر ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے مذکورہ کتاب کے ص۵۶ پر فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

''یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے ہیں اور اسے پائیگاہ کہتے ہیں۔بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے۔ اور گناہ کبیرہ تو بالا جماع ہے۔ پس اگر اسے اپنے پیر کے لئے جائز سمجھے تو کافر ہے۔ اور اگر اس کے پیر نے

سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کر کے راضی ہوا تو وہ ''شیخ نجدی'' خود بھی کافر ہے۔ اگر کبھی وہ مسلمان بھی تھا''۔

نیز وہ لکھتے ہیں:

''اسی حرام سے فروتنی ہے۔ بزرگوں کو ملتے وقت اور انہیں سلام کرتے یا جواب دیتے وقت انہیں سجدہ یا ان کے لئے رکوع کرنا یا قریب رکوع تک جھکنا''۔(۱)

فاضل بریلوی کے ان ارشادات سے سجدۂ عبادت اور سجدۂ تعظیمی کے ممنوع، شرک، حرام اور گناہ کبیرہ ہونے کی صراحت ہوگئی۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جو پیر یا بزرگ ایسے سجدۂ تعظیمی یا زمین بوسی کو دیکھ کر راضی ہو وہی دراصل ''شیخ نجدی'' یعنی شیطان ہے۔ اور ان حرکات کا ارتکاب کرنے والے شیطان کے چیلے چانٹے ہیں۔ اور جب زندہ کے لئے یہ حرکات کرنے والوں کو یہ کچھ کہا ہے تو وہ لوگ خود اندازہ لگالیں جو فوت شدگان کی قبروں اور مزاروں پر جھکتے، انہیں چومتے، بوسہ دیتے اور قبر کی مٹی کو آنکھوں سے لگاتے ہیں کہ ان کے بارے میں کیا کیا ''القاب'' ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ منع وحرام ہے تو یہ بدرجہ اولی ہوگا۔

اور سجدۂ تعظیمی کے بارے میں فاضل بریلوی کے ترجمۂ قرآن موسومہ ''کنز الایمان'' پر حاشیہ وتفسیر لکھنے والے بریلوی مکتب فکر کے معتبر عالم مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے اپنی کتاب ''کتاب العقائد'' ص:۱۰ پر لکھا ہے:

''آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ، یہ سجدۂ تعظیمی تھا جو خداوند تعالی کے حکم سے ملائکہ نے کیا تھا، اور سجدۂ تعظیمی پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ہماری شریعت میں جائز نہیں، اور سجدۂ عبادت پہلی شریعتوں میں کبھی خدا کے سوا اور کے لئے جائز نہیں''۔(۲)

●●●

---

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی ص:۱۳،۱۴ از مولانا محمد حنیف یزدانی۔

(۲) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی ص۱۴

اقسام توحید

توحیداسماءوصفات،توحیدربوبیت

اسلامی عقائد میں سب سے پہلی اور بنیادی چیز ''توحید باری تعالیٰ'' ہے کہ اللہ تعالیٰ کواس کی ذات وصفات اورربوبیت والوہیت میں یکتا و بے ہمتا مانا جائے، اس طرح توحید کی کل تین قسمیں بنتی ہیں۔

پہلی قسم توحید اسماء وصفات، دوسری قسم توحید ربوبیت اور تیسری قسم توحید الوہیت یا توحید عبادت۔

توحیداسماءوصفات

توحید اسماء وصفات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں یا اپنے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والی، صحیح احادیث میں اپنی ذات گرامی کی جوصفات بابرکات اور جواسمائے حسنیٰ بیان فرمائے ہیں، انہیں حقیقی طور پرتسلیم کیا جائے۔ ان میں سے کسی قسم کا ردّ وبدل یا تاویل وتفویض نہ کی جائے نہ ان اسماء وصفات سے انکار کیا جائے، نہ ان صفات کومعطل قرار دیا جائے۔ اور نہ ہی مخلوقات الٰہی میں سے کسی چیز کے ساتھ صفات الٰہی کی تمثیل بیان کی جائے۔ مثلاً قرآن کریم کی سورۂ طٰہٰ آیت ۵ میں ہے:

﴿الرحمن علی العرش استوی﴾۔

اللہ تعالیٰ عرش پرجلوہ فرما ہے۔

بخاری ومسلم شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

ینزل اللہ فی کل لیلةٍ إلی سماء الدنیا۔(۱)

---

(۱) بخاری (۱۱۴۵)، مختصر مسلم (۳۸۹)، صحیح ابی داؤد (۱۱۶۷)، صحیح الترمذی (۳۶۷)، ابن ماجہ (۱۳۶۶)

''اللہ تعالی ہر رات (کے آخری حصہ میں) آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے۔''

اس آیت اور حدیث شریف میں اللہ تعالی کی صفات، استوی ونزول کا ذکر ہے۔ ایسے ہی قرآن کریم میں سمع وبصر وغیرہ اور احادیث میں ید (۱) اور قدم وغیرہ صفات مذکور ہیں۔ ان تمام اسماء وصفات الٰہیہ پر مجمل ایمان لانا فرض ہے کہ یہ سب اس کی صفات ہیں۔ اور جیسے اس کی جلالت کے لائق ہیں، ویسی ہی ہیں۔ اور ان اسماء وصفات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ (۲)

رہی یہ بات کہ استوی ونزول، سمع وبصر اور ید وقدم وغیرہ صفات الٰہیہ کی ہیئت وکیفیت بیان کی جائے۔ اور مخلوقات میں سے کسی چیز کے ساتھ ان کی مثال دی جائے تو ناجائز وممنوع ہے۔ (۳) کیونکہ سورہ شوریٰ آیت ۱۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿لیس کمثله شیءٌ وهو السمیع البصیر﴾

کائنات کی کوئی چیز اللہ تعالی کے مشابہ نہیں ہے، وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

توحید ربوبیت

اور توحید کی دوسری قسم توحید ربوبیت ہے کہ اللہ تعالی کو ارض وسماء اور پوری

---

(۱) ید (ہاتھ) کا ذکر اس حدیث شریف میں ہے ید اللہ مع الجماعۃ، اللہ تعالی کا ہاتھ جماعت کے ساتھ ہے۔ صحیح ترمذی (۱۷۶۰)، صحیح نسائی (۳۷۵۳) (ترمذی فتن ۷، نسائی تحریم ۶) اور قدم کا ذکر بخاری ومسلم اور ترمذی کی اس حدیث میں ہے۔ لا تزال جهنم يلقى فيها وتقول : هل من مزيد حتى يضع رب العزة فيهـا قدمه فينزوى بعضها الى بعض وتقول: قط قط بعزتك وكرمك الخ (بخاری ۴۸۴۸، ۴۸۴۹) مختصر مسلم (۲۱۶۷) صحیح الترمذی (۲۶۱۰) صحیح الجامع (۷۲۸۶) هذا عن انس و روى الترمذى فى رواية عن ابى هريرة رضى الله عنه ... يضع الله عليها رجله (انظر تفسير القرطبى (۱۷/۹/۱۸، ۱۹ طبع مصر)

(۲) کتاب التوحید ص ۳۱۵۔ طارق اکیڈمی فیصل آباد۔

(۳) حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے استوی کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے فرمایا: الاستواء معلوم والكيف مجهول (والسؤال عنه بدعة) استواء تو معلوم ہے مگر اس کی کیفیت مجہول ہے۔ (اور کیفیت کی کرید میں لگنا بدعت ہے) شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔ بتخریج البانی ص: ۳۱۳ طبع المکتب الاسلامی رواه ابو جعفر الطحاوى عن الامام مالك وأم سلمة إلا الفقرة الآخرة۔

کائنات کا خالق و مالک اور رازق تسلیم کیا جائے۔ جس کا اقرار ہم سورۂ فاتحہ کے شروع میں یہ کہہ کر کرتے ہیں۔

﴿الحمد لله رب العلمين﴾

''ہر قسم کی تعریف ذات الٰہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

بخاری و مسلم شریف میں نبی اکرم ﷺ کی زبان صدق ترجمان سے بھی توحید ربوبیت کا اقرار موجود ہے۔ جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿أنت رب السموات والأرض﴾

''(اے اللہ) تو ہی ارض و سماء (اور ان میں موجود تمام کائنات) کا پروردگار ہے''۔

اور اس توحید ربوبیت کا اقرار تو کفار و مشرکین بھی کیا کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ یونس کی آیت ۳۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿قل من يرزقكم من السماء والأرض أمّن يملك السمع والأبصار ومن يخرج الحی من الميت ويخرج الميت من الحی ومن يدبر الأمر فسيقولون الله فقل أفلا تتقون﴾ (اے نبی) ان سے پوچھو، تم کو آسمان وزمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یہ سماعت و بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ بے جان سے جاندار کو اور جاندار سے بے جان کو کون نکالتا ہے؟ اور اس نظام عالم کو کون چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔ پس انہیں کہہ دیجئے کہ پھر تم (حقیقت کے خلاف چلنے سے) پرہیز کیوں نہیں کرتے''۔

اور کفار و مشرکین کا اسی قسم کا توحید ربوبیت کا اعتراف سورۂ مومنون کی آیت ۸۴ تا ۸۹ میں بھی بالتفصیل موجود ہے، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿قل لمن الأرض ومن فيها إن كنتم تعلمون۔ سيقولون

لــلــه قـل أفـلا تــذكــرون ۔ قل من رب السمٰوات السبع ورب العرش الــعــظيـم ۔ سيـقـولـون لله قل أفلا تتقون۔قل من بيده ملكوت كل شــيءٍ وهــو يجير ولا يجار عليه إن كنتم تعلمون۔ سيقولون لله قل فأنىٰ تسحرون﴾

(اے نبی) ان سے کہیں کہ بتاؤ، اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ کی، کہیں، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟ ان سے پوچھیں ساتوں آسمان اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ، کہیں، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ ان سے کہیں بتاؤ کہ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے؟ اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ کہیں، کہ پھر کہاں سے تم کو دھوکہ لگتا ہے۔

اس توحید ربوبیت کا انکار کفر، اور اللہ تعالی کی صفت ربوبیت میں کسی دوسرے کو شامل کرنا شرک ہے۔ جو کہ توبہ کے بغیر ناقابل معافی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالی ہمارے ان مسلمانوں کو راہ ہدایت نصیب فرمائے جو نماز میں تو الحمدللہ رب العلمین پڑھ کر صرف اللہ تعالی کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں، اور پھر تنگدستی دور کرنے، روزی یا نوکری حاصل کرنے اور اولاد مانگنے کے لئے غیر اللہ کی چوکھٹ پہ جاتے ہیں۔

﴿أليس الله بكافٍ عبده﴾ (الزمر:۳٦)

●●●

توحید الوہیت یا توحید عبادت

اور توحید کی تیسری قسم توحید الوہیت یا توحید عبادت ہے۔ جس میں موحد مسلمان یہ اقرار واعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے اور پوری کائنات میں سے کوئی ہستی، کوئی شخصیت اور کوئی چیز اس لائق نہیں کہ جو ہماری، قولی، مالی یا بدنی کسی بھی قسم کی عبادت کی مستحق ہو۔ لا الہ الا اللہ کا بھی یہی معنی ہے۔ اور اسی توحید کی قرآن پاک کے بے شمار مقامات پر تعلیم دی گئی ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے چھیاسی مکی سورتوں کا مرکزی موضوع اسی توحید کی تعلیم اور شرک سے اجتناب کی دعوت ہے، اور تمام انبیاء ورسل علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ بھی اسی نکتہ کی وضاحت پر مرکوز تھی، جیسا کہ خود اللہ تعالی نے سورۂ نحل کے شروع میں اسی بات کی دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ینزل الملائكة بالروح من أمره على من يشاء من عباده أن أنذروا أنه لا إله إلا أنا فاتقون﴾ (النحل:۲)

''اللہ تعالی اس روح (نبوت) کو اپنے جس بندے پر چاہتا ہے، اپنے حکم سے فرشتوں کے ذریعے نازل فرمادیتا ہے (اس ہدایت کے ساتھ کہ لوگوں کو) آگاہ کردو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہذا تم مجھ ہی سے ڈرو۔''

اور اسی سورۂ نحل کی آیت ۳۶ میں فرمایا:

﴿ولقد بعثنا فی كل أمة رسولاً أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت﴾

ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا۔ اور اس کے ذریعہ سب کو خبردار کردیا کہ ''اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو''۔

سورۂ بقرہ آیت ۱۶۳ میں ارشاد فرمایا:

﴿وإلٰهكم إلٰه واحد لا إله إلا هو الرحمٰن الرحيم﴾
اور تمہاری (تمام عبادتوں کا مستحق) تمہارا صرف ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی دوسرا لائق عبادت نہیں۔ وہ بڑا رحم کرنے والا نہایت مہربان ہے۔

اسی سورۂ بقرہ کی معروف و مبارک آیت الکرسی کا آغاز ہی یوں ہوتا ہے۔

﴿الله لا إله إلا هو الحيی القيوم﴾ (البقرہ، الآیۃ ۲۵۵)
اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ زندۂ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اور سورۂ انعام آیت ۱۰۲ میں فرمایا:

﴿ذٰلكم الله ربكم لا إله إلا هو فاعبدوه﴾
اللہ تعالیٰ ہی تم سب کا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہذا تم صرف اسی کی عبادت کرو۔

اور سورۂ آل عمران آیت شہادت میں فرمان الٰہی ہے:

﴿شهد الله أنه لا إله إلا هو والملائكة وأولوا العلم قائماً بالقسط لا إله إلا هو العزيز الحكيم﴾۔ (الآیہ ۱۸)

اللہ تعالیٰ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور (یہی شہادت) سب فرشتوں اور تمام اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی معبود نہیں۔

ان اور ان جیسی دیگر بے شمار آیات کے علاوہ نبی اکرم ﷺ کے بیشمار ارشادات بھی اسی مفہوم کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری و مسلم شریف میں ہے کہ جب آپ ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجنے لگے تو انہیں فرمایا:

''معاذ! تمہارا سامنا اہل کتاب سے بھی ہوگا۔ لہذا تمہارا طریق کار

چاہئے کہ أول ما تدعوهم إليه شهادة أن لا إله إلا الله" ۔(۱)
''سب سے پہلے انہیں کہہ دو کہ وہ اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں''۔

یہ سب توحید الوہیت یا توحید عبادت کی تعلیم ہے۔مگر اقسام توحید میں سے یہی وہ قسم ہے جسے سمجھنے اور اپنانے میں بے شمار لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب اللہ تعالی کے لئے ہی ادا کرتے ہیں۔لہذا ہم اہل توحید مومن اور موحد مسلمان ہیں۔حالانکہ ان سے کتنے ہی ایسے افعال سرزد ہوتے رہتے ہیں۔جو اہل توحید کو زیب نہیں دیتے جن میں سے بعض کی نشاندہی ہم قولی، مالی اور بدنی عبادات کے ضمن میں کر چکے ہیں۔مثلاً غیر اللہ کو پکارنا، کسی حجر و شجر یا قبر کا طواف کرنا۔غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا۔غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا۔اور مافوق الفطرت امور میں کسی غیر اللہ سے استغاثہ کرنا، اور مدد و استعانت طلب کرنا وغیرہ۔

یہ تمام امور اللہ تعالی کے ساتھ خاص اور اس کی عبادت ہیں۔اور ان میں سے کوئی امر بھی کسی غیر اللہ کے لئے بجالانے کو اللہ تعالی اور اسکے رسول ﷺ نے شرک قرار دیا ہے۔

●●●

(۱) بخاری مع الفتح حدیث (۱۴۵۸-۱۴۹۶) مسلم مع النووی ۱/۱/۱۹۶، ۱۹۹، صحیح ابی داؤد (۱۴۰۲)، صحیح الترمذی (۵۱۱)، صحیح النسائی (۲۲۸۴)، ابن ماجہ (۱۷۸۳)، صحیح الجامع (۲۲۹۶) صحیحین کے علاوہ فادعهم إلى أن يشهدوا أن لا إله إلا الله یا فادعهم إلى عبادة الله کے الفاظ ہیں۔

انجام شرک
قرآن کی روشنی میں

شرک، اللہ کے اسماء وصفات میں ہو یا اس کی ربوبیت میں، چاہے شرک اس کی عبادات میں سے کسی عبادت میں ہو، ہر شکل میں یہ انتہائی ہلاکت انگیز، بلا خیز اور ایمان لیوا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ انعام کے دسویں رکوع آیت ۸۸ میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ پیغمبروں کے نام بنام ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ولو أشركوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون﴾

اور اگر ان لوگوں نے بھی کہیں شرک کیا تو ان سب کے تمام عمل غارت ہو جاتے۔ اور سورۂ زمر آیت ۶۵ میں خود سرورِ کائنات ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ولقد أوحي إليك و إلى الذين من قبلك لئن أشركت ليحبطن عملك و لتكونن من الخاسرين﴾

"(اے نبی) آپ کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا۔ اور تم خسارے میں رہو گے۔"

اندازہ کریں کہ جس گناہ سے باز رہنے کے لئے انبیاء کرام اور امام الانبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو اس قسم کا خطاب کیا گیا ہو۔ اگر کوئی امتی اس گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

جد الأنبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ حج آیت ۲۶ میں فرمایا:

﴿وإذ بوأنا لإبراهيم مكان البيت أن لاتشرك بي شيئاً﴾۔

''یادکرو وہ وقت جب کہ ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کے لئے اس گھر (خانہ کعبہ) کی جگہ تجویز کی تھی، (تو انہیں ہدایت کی تھی کہ) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو''۔

قرآن کریم میں حضرت لقمان کی وصیتیں معروف ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو دوران وعظ کی تھیں۔ان میں سے سب سے پہلی وصیت یہی تھی۔

﴿یا بنیّ لاتشرك بالله إن الشرك لظلم عظیم﴾

''بیٹا! اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بے شک شرک ایک عظیم ظلم ہے''۔(سورہ لقمان الآیۃ ۱۳)

آج اگر کسی ملک کے حاکم کی کوئی شخص بغاوت کرے، اور اس کی متوازی حکومت قائم کرنا چاہے۔تو حاکم کے لئے وہ شخص انتہائی ناگوار ہو جاتا ہے، حتی کہ اس باغی کی سزا قتل قرار پائی ہے۔اب جسارت دیکھیں اس بندۂ خدا کی جو ملک الملوک اور شہنشاہِ کائنات کی بغاوت پر اتر آتا ہے۔اور اس کی عبادت میں غیر کو متوازی حیثیت دے دیتا ہے۔تو ایسا شخص غضب الٰہی کا مستحق کیوں نہ ہوگا؟

اللہ تعالی انتہائی رؤف و رحیم ہے۔اور غفور وغفار ہے۔مگر شرک کے معاملہ میں سورۂ نساء آیت ۴۸ میں فرمایا:

﴿إن الله لا یغفر أن یشرك به و یغفر ما دون ذلك لمن یشاء و من یشرك بالله فقد افتری إثماً عظیماً﴾

بے شک اللہ تعالی بس شرک کو ہی معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا جس قدر بھی گناہ ہیں، وہ جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔اور اللہ تعالی کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا، اس نے اللہ تعالی پر بہتان باندھ کر بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔

اور سورۂ مائدہ آیت ۷۲ میں تو اللہ تعالی نے بڑے شدید لہجہ میں مشرک کا

انجام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إنه من يشرك بالله فقد حرم الله عليه الجنة ومأواه النار وما للظالمين من أنصار﴾

جس نے اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اس پر اللہ تعالی نے جنت حرام کر دی ہے۔ اور اس کا (آخری) ٹھکانا نارِ جہنم ہے۔ اور ایسے ظالموں کا (اس دن) کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

●●●

انجام وتردید شرک
حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

شرک کی مذمت وتردید اور اہل شرک کا انجام بد اللہ تعالیٰ کی کتاب کی روشنی میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اب نبی آخر الزمان ﷺ کے چند ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔ تا کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں شرک اور شرک کا مقام متعین کیا جا سکے۔ چنانچہ بخاری ومسلم اور ابوداؤد ونسائی شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اجتنبوا السبع الموبقات''

''ساتھ ہلاکت انگیز اور بلاخیز چیزوں سے بچو''۔

آپ ﷺ سے پوچھا گیا، کہ اے اللہ کے رسول! وہ کون کون سی ہیں؟ تب آپ ﷺ نے ان ساتوں کو ایک ایک کر کے شمار فرمایا۔ اور ان ساتوں میں سے سب سے پہلے جس کا نام لیا وہ تھا:

" الشرك بالله"۔ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو (اس کی ذات وصفات یا عبادت میں) شریک کرنا۔(۱)

نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ شرک سب سے بڑا ہلاکت انگیز جرم اور بلاخیز گناہ کبیرہ ہے۔ اور بخاری ومسلم کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے اپنے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) سے مخاطب ہو کر فرمایا:

" ألا أنبئكم بأكبر الكبائر؟" (ف) کیا میں تمہیں کبیرہ گناہوں

---

(۱) اس حدیث میں مذکورہ سات کبیرہ گناہوں میں سے سب سے پہلے کبیرہ گناہ شرک سے متعلقہ کلمات ہم نے ذکر کئے ہیں اور بقیہ اجزاء بھی اسی طرح ہی اپنے اپنے موضوع کے تحت ذکر ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

ف: بخاری، حدیث (۲۶۵۴) مسلم مع نووی ۱/۲/۸۱۔

میں سے بھی سب سے بڑے گناہ کے بارے میں آگاہ نہ کردوں؟ آنحضور ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی، تو صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم) نے کہا، کیوں نہیں؟ تب آپ ﷺ نے چار گناہوں کی نشاندہی فرمائی۔ اوران چاروں میں سب سے پہلے جس کا نام لیا، وہ تھا: "الإشراك بالله." اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک بنانا۔ اوراس کے بعد والدین کی نافرمانی کرنا، جھوٹی گواہی دینا، اورجھوٹ بولنا ذکر فرمائے۔ (۱) اور مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے۔

"ثنتان موجبتان." دو چیزیں واجب کردینے والی ہیں۔ایک صحابی نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من مات يشرك بالله شيئاً دخل النار، ومن مات لايشرك بالله شيئاً دخل الجنة." (۲)

جو آدمی اس حالت میں مرگیا کہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ (اس کی ذات و صفات یا اس کی عبادت میں) کسی کو شریک ٹھہراتا تھا۔ تو وہ دوزخ کی آگ میں داخل ہوگا، اور جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے اللہ تعالی کے ساتھ (اس کی ذات وصفات یا اس کی عبادت میں) کسی کو شریک نہ ٹھہرایا، تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

بخاری و مسلم شریف میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا:

"أى الذنب أكبر عندالله؟ فقال أن تدعو لله نداً و هو خلقك". (۳)

اللہ تعالی کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ تو آپ ﷺ نے

---

(۱) نقلہ الہیثمی فی الزواجر، ۱/ ۲۷ والذہبی فی الکبائرص ۸۔
بخاری (۲۶۶۷)، مختصر مسلم (۴۷)، صحیح أبي داؤد (۲۴۹۸)، صحیح النسائی حدیث (۳۳۳۲)، صحیح الجامع (۱۴۴)۔
(۲) مسلم عن جابر، مشکاۃ بتحقیق البانی: ۱/ ۳۸ مختصر مسلم (۵۰)۔
(۳) بخاری حدیث (۶۸۶۱) مسلم مع نووی ۱/۲/ ۸۰۔

فرمایا: (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) تو کسی کو اللہ تعالی کا شریک بنائے، حالانکہ تجھے اللہ تعالی نے پیدا کیا ہے۔

اور پھر آپ ﷺ نے قتل وزنا کا ذکر فرمایا۔ اور آپ ﷺ کے اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالی نے سورۂ فرقان کی آیت ۶۸ نازل فرمادی:

﴿والذين لا يدعون مع الله إلهاً اٰخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما﴾

(اللہ تعالی کے محبوب بندے وہ ہیں) جو اللہ تعالی کے ساتھ کسی دوسرے کو نہیں پکارتے، نہ کسی کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ اور نہ ہی زنا کرتے ہیں۔ اور جو کوئی ان امور کا ارتکاب کرے وہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ (۱)

بخاری شریف میں ارشاد رسالت مآب ہے:

"الكبائر: الإشراك بالله وعقوق الوالدين و قتل النفس واليمين الغموس". (۲)

اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، ناحق قتل کرنا، اور جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہیں۔

اور مسند احمد میں ہے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أوصاني رسول الله ﷺ بعشر كلمات" مجھے رسول اللہ ﷺ نے دس نصیحتیں فرمائیں۔ اور ان میں سے سب سے پہلی نصیحت یہی تھی۔

"لا تشرك بالله وإن قتلت أو حرقت." (۳)

اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک مت بنانا، چاہے تمہیں قتل کیوں نہ کر دیا جائے، یا آگ میں کیوں نہ جلا دیا جائے۔

●●●

---

(۱) بخاری مع الفتح (۶۸۶۱) مسلم مع نووی ۱/۲/۸۰، متفق علیہ، مشکاۃ بتحقیق الالبانی رقم الحدیث: ۴۹۔

(۲) بخاری مع الفتح (۶۶۷۵) مشکاۃ: حدیث: ۵۰۔

(۳) مسند احمد وطبرانی کبیر بحوالہ صحیح الترغیب ۱/۲۲۸، حدیث (۵۶۹) مشکاۃ: حدیث: ۶۱۔

تعلیمات شیخ جیلانی رحؒ
عقیدۂ توحید کے متعلق

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی یا آپ کے مزار کو تو لوگوں نے شرک کا ذریعہ بنالیا ہے۔ ورنہ وہ خود عقیدۂ توحید میں بڑے پختہ تھے، اور اس سلسلہ میں ان کی تعلیمات نہایت ایمان افروز ہیں۔ چنانچہ خالق کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے مانگنے والے کو وہ بے عقل قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ان کی تصنیف ''الفتح الربانی'' کی مجلس اول ص ۴ پر ہی لکھا ہے:

(ترجمہ:) ''وہی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے، اور تمام اشیاء اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ اے غیر اللہ سے طلب کرنے والے! تو عقلمند نہیں ہے۔ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہے جو اللہ کے خزانوں میں نہ ہو جب کہ خود اللہ تعالیٰ نے (سورہ حجر آیت ۲۱ میں) فرمایا ہے: ''کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہیں''۔

وہ ہر چیز کا فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتے تھے۔ اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں مانتے تھے۔ جیسا کہ ان کی کتاب ''فتوح الغیب'' مقالہ نمبر ۳ میں لکھا ہے: ترجمہ: ''ہر کام کا حقیقی فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اللہ کے سوا حرکت دینے والا اور ٹھہرانے والا کوئی نہیں، خیر وشر، نفع ونقصان، منع وعطاء، بسط وکشاد، موت وحیات، عزت وذلت اور امیری وفقیری اللہ کے سوا کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے''۔

اور صرف اللہ ہی کے نفع ونقصان پر قادر ہونے کے بارے میں انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''غنیۃ الطالبین'' ص ۱۱۵ (طبع نول کشور) پر لکھا ہے: (ترجمہ:) اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کیا ہے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اس کے سوا کسی مخلوق کو کوئی چارہ کار نہیں۔ اگر تمام مخلوقات مل کر کسی کو نفع پہنچانا چاہیں جو اللہ نے اس کے مقدر میں نہیں لکھا تو وہ اسے نفع نہیں پہنچا سکتیں۔ اور اگر تمام مخلوقات کسی کو نقصان پہنچانے کے

در پے ہو جائیں جو اللہ نے اس کی قسمت میں نہیں لکھا تو وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ اگر آپ کو اللہ تکلیف پہنچائے تو اسے اس کے سوا دور کرنے والا کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل وکرم پہنچاتا ہے''۔

اور پیر صاحب موصوف کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کوئی نہیں بدل سکتا۔ چنانچہ وہ ''فتوح الغیب'' مقالہ نمبر ۴۲ میں لکھتے ہیں۔

(ترجمہ:) ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ایک دفعہ نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھا، ناگاہ مجھے آپ نے فرمایا: اے لڑکے! تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کو نگاہ میں رکھ (یعنی اس کے احکام وحدود کی حفاظت کر) اللہ تجھے اپنی حفاظت میں رکھے گا۔ اور تو اسے مدد کرنے والا پائے گا، اور جب تو سوال کرے تو صرف اللہ ہی سے کر۔ اور جب تو مدد چاہے تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگ۔ کیونکہ جو کچھ ہونے والا ہے۔ اسے لکھ کر تقدیر کا قلم خشک ہو چکا ہے۔ اور اگر تجھے تمام بندے ایسا فائدہ پہنچانا چاہیں جو تیری تقدیر میں نہیں لکھا ہے، تو وہ اس کام پر قدرت نہیں رکھتے، اور اگر تمام لوگ ایسا نقصان پہنچانا چاہیں جو تیرے مقدر میں نہیں لکھا گیا، تو وہ اس کام پر بھی قدرت نہیں رکھتے''۔ (۱)

اس حدیث کو نقل کر کے موصوف فرماتے ہیں:

(ترجمہ:) ''ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث شریف کو اپنے دل کا آئینہ، اپنا اوڑھنا بچھونا اور ہر وقت کا موضوع گفتگو بنا لے، اور اپنی تمام حرکات وسکنات میں اس پر عمل کرے، تاکہ دنیا وآخرت میں سلامت رہے، اور اللہ کی رحمت کے ساتھ عزت پائے''۔ (۲)

---

(۱) مسند احمد ۱/۲۹۳، ۳۰۳، صحیح الترمذی (۲۰۴۳)۔

(۲) بحوالہ مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی ص ۸۲، ۸۶، مؤلفہ مولانا محمد حنیف یزدانی۔

حاجت روا اور مشکل کشا کون؟

فتوح الغیب مقالہ نمبر ۳۰ پر لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) ''تجھے صرف ایک ہی سے مانگنا چاہئے ۔ اور تجھے دینے والا بھی صرف ایک ہی ہے اور تیرا مقصود بھی ایک ہی ہے، اور وہ تیرا پروردگار ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہوں کی پیشانیاں اور تمام مخلوق کے دل ہیں''۔

اور اپنی کتاب ''الفتح الربانی'' ص ۱۵ پر لکھتے ہیں: (ترجمہ:) ''اسی (اللہ) سے سب کچھ مانگو، غیر اللہ سے نہ مانگو، اپنے جیسی مخلوق کے سامنے ذلیل نہ ہو، سوال بھی اسی سے کرو ۔ اور تیرا معاملہ صرف اسی کے ساتھ ہو، کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو''۔

اور اسی کتاب ''الفتح الربانی'' میں آگے چل کر ص ۵۴۳ پر لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) ''مومن لوگ اپنے دلوں میں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، اور صرف اسی سے ہی امید رکھتے ہیں۔ اپنی حاجتیں اسی کے سامنے پیش کرتے ہیں، کسی دوسرے کے سامنے نہیں ۔ وہ صرف اسی دروازے کی طرف لوٹتے ہیں ۔ کسی اور کی چوکھٹ پر نہیں جاتے ۔''

اور اسی کتاب کے ص ۳۰۹ پر لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) ''تجھ پر افسوس ہے! اگر اللہ تجھے مخلوق کے ہاتھوں نفع پہنچانا چاہے گا تو نفع پہنچائے گا، اور اگر نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے گا تو ایسا ہی ہوگا ۔ وہی ان کے دلوں کو مسخر کرنے والا ہے ۔ اور وہی نرم یا سخت بنانے والا، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، وہی دینے والا اور وہی نہ دینے والا ہے، وہی عزت و ذلت، بیماری وصحت دینے والا ہے، وہی پیٹ بھرنے والا ہے اور وہی بھوکا رکھنے والا ہے، وہی پہنانے والا، اور وہی ننگا رکھنے والا، وہی محسن اور وہی وحشت طاری کرنے والا ہے۔

وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، وہی سب کچھ ہے، نہ کہ کوئی دوسرا۔"

اور غنیۃ الطالبین (عربی اردو مطبع نول کشور) ص ۱۱۳ پر لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) "اللہ تعالی نے ہر ایک کے مقدر میں روزی لکھ دی اور تقسیم کر دی ہے۔ اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اسے کوئی روک سکتا ہے، اور نہ اس میں کوئی درشتی و سختی واقع ہو سکتی ہے۔ نہ نعومت و نرمی، اور کوئی شخص کل کی روزی آج نہیں کھا سکتا۔ اور نہ ہی زید کا حصہ (کسی دوسرے) عمر کو مل سکتا ہے۔"

اور غنیۃ الطالبین ہی کے ص ۶۶۳ پر لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) "اللہ کے بنائے ہوئے (اور اس کے حکم) کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی اس کے بنائے ہوئے میں کوئی تبدیلی کر سکتا ہے۔ جسے اس نے عزت دی۔ اسے کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ اور جسے اس نے ذلیل کر دیا، اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، جسے اللہ نے جمعیت بخشی، اسے کوئی پراگندہ نہیں کر سکتا (اس کا شیرازہ نہیں بکھیر سکتا) اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔"

اور غنیۃ الطالبین ہی کے ص ۷۵۷ پر رقمطراز ہیں:

(ترجمہ:) "(تورات میں ہے) اللہ تعالی فرماتا ہے: وہ شخص ملعون ہے جو کسی اپنے جیسی مخلوق پر بھروسہ کرتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، مجھے اپنی عزت و بزرگی اور جلال کی قسم! جو شخص میرے سوا کسی دوسرے سے امیدیں رکھتا ہے، میں اس کی امید ضرور قطع کروں گا۔ اور اسے ان ہی لوگوں کے مابین ذلیل و خوار کروں گا۔ اسے اپنی قربت سے دور اور وصل سے محروم کر دوں گا۔ ایا سختی کے وقت میرے سوا دوسروں سے امیدیں رکھتے ہو؟ اور اپنے خیالات سے غیروں کے دروازے کھٹکھٹاتے ہو؟ حالانکہ ان کے دروازوں پہ تالے پڑے ہیں، اور ان کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔" (۱)

---

(۱) بحوالہ مرشد جیلانی کے ارشادات حقانی ص ۱۰۳ تا ۱۰۷۔

شرک اور اس کی سزا

پیر صاحب موصوف کے نزدیک مذکورہ امور شرک ہیں۔ اور مشرک کی سزا اور اس کی بخشش نہ ہونے کے بارے میں غنیۃ الطالبین ہی کے ص ۱۳۰ پر فرمایا ہے:

(ترجمہ:) ''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالی تمام مخلوق کا حساب لے گا۔ سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، اس کا حساب لیا جائے گا، اور اسے سیدھا جہنم میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔''

اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتوح الغیب'' میں لکھا ہے:

(ترجمہ:) ''شرک صرف بت پرستی ہی کا نام نہیں، بلکہ نفس پرستی بھی شرک ہے''۔ یعنی اللہ کے احکام اور اس کے فرامین کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنا، رسم و رواج کی پابندی، اور خواہشات برادری پر عمل پیرا ہونا بھی شرک ہے۔ اور قبروں پر سجدے کرنے والے پیر جیلانی " کے نظریۂ توحید کے بارے میں ایمان افروز ارشادات پر غور فرمائیں، موصوف ''غنیۃ الطالبین'' کے ص ۸۷ پر رقمطراز ہیں:

(ترجمہ:) ''حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حیرہ کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ لوگ آپ کو سجدہ کیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، مجھے بتا، اگر تو میری قبر کے پاس سے گزرتا، تو کیا قبر کو سجدہ کرتا؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرو، تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ کیونکہ اللہ نے مردوں کے عورتوں پر ایسے ہی حقوق

مقرر فرمائے ہیں۔''

اور بت یا صنم کیا ہے؟ اس سلسلہ میں پیر جیلانی موصوف اپنی کتاب ''الفتح الربانی''، مجلس ۳۸ میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ:) ''اے انسان! تو یہ کہتا ہے ''لا الہ الا اللہ'' کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، حالانکہ تیرے دل میں کئی معبودان باطلہ جاگزیں ہیں۔ اللہ کو چھوڑ کر ہر وہ چیز جس پر تو (مافوق الفطرت امور میں) بھروسہ کرے یا امیدیں وابستہ کرے۔ وہ تیرا ''بت'' ہے۔''(۱)

اور حضرت جیلانیؒ نے اپنے مریدوں کے نام جو آخری پیغام چھوڑا ہے، وہ ان کی کتاب ''فتوح الغیب'' میں مذکور ہے جو کچھ یوں ہے:

(ترجمہ:) ''مرض وفات میں آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالوہابؒ نے عرض کیا کہ مجھے ایسی وصیت فرمائیے جس پر میں آپ کے بعد عمل پیرا ہوسکوں، تو انہوں نے فرمایا:

''تجھ پر لازم ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ، اور اس کی مخلوق میں سے کسی سے خوف زدہ نہ ہو، اللہ کے سوا کسی سے امیدیں اور حاجات وابستہ نہ کر۔ اپنے تمام کاموں کو اللہ کے سپرد کر، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کر، اور ہر حاجت اس سے طلب کر۔ اللہ کی توحید، ذات وصفات میں پختہ کار رہ۔ کیونکہ توحید باری تعالیٰ پر سب کا اجماع واتفاق ہے۔''(۲)

●●●

(۱) بحوالہ مرشد جیلانیؒ کے ارشادات حقانی ص ۱۱۰، ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰۔
(۲) بحوالۂ بالا، ص ۱۵۳۔

قبولیت عمل کی دوسری شرط

اخلاص للہ یا عدم ریا کاری

قرآنی تعلیمات

کسی بھی نیک عمل کے اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہونے کی تین شرطوں میں سے سب سے پہلی شرط ''صحت عقیدہ یا شرک نہ کرنا'' ہے جس کی قدرے تفصیل ہو چکی ہے۔ اور اعمال صالحہ کی عند اللہ قبولیت کی دوسری شرط ''اخلاص للہ'' یا عدم ریا کاری ہے، کہ ہم جو بھی نیک کام یا عبادت کریں وہ صرف رضائے الٰہی کے حصول کیلئے ہو، کسی دوسرے کی خوشنودی ہرگز مطلوب نہ ہو، اور نہ ہی اس کار خیر میں یہ جذبہ کارفرما ہو کہ اگر میں یہ کام کروں گا تو لوگ مجھے بڑا پرہیزگار اور عابد و زاہد سمجھیں گے، مجھے بڑا خدا ترس، غریب پرور اور سخی کہیں گے۔ مجھے بڑا عالم و فاضل اور خوش الحان قاری مانیں گے، یا مجھے بڑا شیر دل اور بہادر و شجاع قرار دیا جائے گا۔ اپنے عمل کے بارے میں دنیا والوں سے یہ تمنائیں ہرگز نہ کی جائیں، بلکہ ہر عمل عند اللہ مقبول تبھی ہوتا ہے، جب پورے اخلاص نیت کے ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کیلئے سر انجام دیا جائے۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے کتنے ہی مقامات پر ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ نساء کی آیت ۱۴۶ میں منافقین کا انجام بد بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿إلا الذين تابوا وأصلحوا واعتصموا بالله وأخلصوا دينهم أولئك مع المؤمنين وسوف يوت الله المؤمنين أجرا عظيما﴾

''البتہ جوان میں سے تائب ہو جائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں، اور اللہ کا دامن تھام لیں، اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیں، ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، اور اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔''

اور سورۂ اعراف کی آیت ۲۹ میں اخلاص فی العمل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وأقيموا وجوهكم عند كل مسجد وادعوه مخلصين له الدين﴾

''اور ہر عبادت میں اپنا رخ ٹھیک رکھو، اور صرف اسی (اللہ) کو پکارو، اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھ کر''۔

سورۂ زمر میں کی آیت ۲ میں نبی ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إنا أنزلنا إليك الكتاب بالحق فاعبد الله مخلصا له الدين﴾

''یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف برحق نازل کی ہے، لہذا تم اللہ ہی کی بندگی کرو۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے۔''

ایسے ہی سورۂ زمر کی آیت ۱۱ اور ۱۴ ، اور سورۂ غافر کی آیت ۱۴ اور ۶۵ میں بھی اخلاص کی تعلیم فرمائی ہے، اور قربانی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے بھی اللہ تعالی نے بتایا ہے کہ اسے دلوں کا اخلاص مطلوب ہے، نہ خون اور گوشت، جیسا کہ سورۂ حج کی آیت ۳۷ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿لن ينال الله لحومها ولا دماؤها ولكن يناله التقوى منكم﴾

''اللہ تعالی کو تمہاری قربانیوں کے خون یا گوشت نہیں پہنچتے بلکہ اسے تو تمہارا تقوی واخلاص پہنچتا ہے''۔

اور اس بات کا تو مشرکین مکہ کو بھی یقین تھا کہ اللہ تعالی کسی کی اخلاص سے خالی دعا و پکار یا فریاد کو نہیں سنتا، اور وہ (مشرکین) بھی طوفان میں گھر جانے پر پورے اخلاص کے ساتھ صرف اللہ تعالی کو ہی پکارا کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ یونس آیت ۲۲، سورۂ عنکبوت آیت ۶۵ اور سورۂ لقمان آیت ۳۲ میں مذکور ہے۔ ایسے ہی عبادت کی قبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔(۱)

عمل میں اخلاص للہ کا اتنا مقام ہے کہ اللہ تعالی کے مخلص بندوں پر شیطان کا بھی کوئی بس نہیں چلتا۔ جیسا کہ خود اس نے اعتراف کیا ہے۔ قرآن پاک اٹھا کر دیکھیں، سورۂ حجر کی آیت ۴۰، اور سورۂ ص کی آیت ۸۲،۸۳ میں اللہ تعالی نے اس (شیطان) کا اعتراف ذکر فرمایا ہے، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم کی پاداش میں شیطان کو اللہ تعالی کی بارگاہ سے دھتکارا گیا تو اس نے اللہ تعالی کی عزت وجلالت کی قسم کھا کر کہا تھا:

﴿لأغوينهم أجمعين . إلا عبادك منهم المخلصين﴾

''کہ میں ان سب (بنی آدم) کو بہکا کر رہوں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں تو نے خالص کر لیا تھا''۔

اور اللہ تعالی کے خالص بندے صرف وہی ہوتے ہیں جن کی ساری زندگی ہی پیکرِ اخلاص ہو، ان کے اعمال میں شرک، دکھلاوا اور ریا کاری کا شائبہ تک نہ ہو۔

●●●

---

(۱) اخلاص فی العمل کا حکم اہل کتاب کو بھی تھا جیسا کہ سورۃ البینۃ کی آیت ۵ میں مذکور ہے۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۳۹ میں اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ اے نبی (ﷺ) ان سے کہو، کیا تم اللہ تعالی کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب بھی ہے، اور تمہارا رب بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے۔ اور ہم اللہ ہی کے لئے اپنی بندگی کو خالص کر چکے ہیں۔

اخلاص عمل کی فضیلت و برکت
حدیث رسول کی روشنی میں

قبولیت عمل کی دوسری شرط۔''اخلاص للہ'' کی اہمیت وضرورت قرآن کریم کی روشنی میں بیان ہو چکی ہے۔اور اسی سلسلہ میں نبیٔ رحمت ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات بھی کتب حدیث میں بکثرت موجود ہیں، جن میں سے صرف ایک ہی حدیث آپ کے سامنے بیان کرر ہے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ خالص رضائے الٰہی کے لئے کئے گئے اعمال کا اجروثواب جہاں آخرت میں ملے گا، وہیں ان کا پھل کسی نہ کسی رنگ میں انسان اس دنیا میں بھی پالیتا ہے، بخاری ومسلم اور نسائی وابن حبان میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ ''تین آدمی سفر پر نکلے راستے میں رات گزارنے اور ایک روایت کی رو سے بارش سے بچنے کے لئے ایک پہاڑی غار میں داخل ہو گئے۔اتفاق یہ ہوا کہ کوئی چٹان لڑھکی اور ایک بہت بڑے پتھر کے گرنے سے غار کا منہ بند ہو گیا (اور باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ رہا) تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اس مشکل سے نجات پانے کا اب صرف ایک راستہ ہے کہ اپنے اپنے ایسے نیک اعمال کو یاد کرو (جو صرف خوف خدا اور رضائے الٰہی کے لئے تھے) اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے نجات طلب کریں۔تینوں نے باری باری کہنا شروع کیا، ایک نے کہا:

''اے اللہ! میرے ماں باپ بوڑھے تھے، دن بھر بکریاں چرا کر جب شام کو گھر میں آتا تو ان کا دودھ دوہ کر اپنے بال بچوں سے پہلے اپنے والدین کو پلایا کرتا تھا، ایک دن میں چارے کی تلاش میں بکریوں کو دور لے گیا، رات گئے جب گھر لوٹا تو والدین سو چکے تھے۔میں دودھ کا پیالہ لئے رات بھر ان کے سرہانے کھڑا رہا (بچوں کو اس لئے نہ دیا کہ ماں باپ کا حق پہلے ہے، اور انہیں اس لئے نہ جگایا کہ ان کی نیند

میں خلل آئے گا) جب فجر طلوع ہوئی، تو وہ اٹھے اور میں نے سب سے پہلے انہیں دودھ پیش کیا۔ بعد میں اپنے اہل وعیال کو دیا، اے اللہ! اگر میرا یہ عمل خالص تیری رضا کے لئے ہی تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات عطا فرما، اتنا کہنے پر وہ بھاری چٹان اپنی جگہ سے تھوڑی سی سرک گئی، مگر نکلنے کا راستہ نہ بن سکا۔

اب دوسرے نے کہنا شروع کیا:

اے اللہ! میری ایک چچا زاد بہن جسے میں دنیا بھر سے زیادہ چاہتا تھا، میں نے اس کے ساتھ برائی کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے انکار کر دیا۔ ایک وقت آیا کہ قحط سالی و تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ کچھ تعاون طلب کرنے آئی، تو میں نے اسے سونے کے ایک سو بیس دینار اس شرط پر دیئے کہ وہ میری تمنا پوری کر دے۔ ناچار وہ تیار ہو گئی، مگر عین موقع پر اس نے کہا لا يحل لك أن تفض الخاتم إلا بحقه۔ تمہارے لئے حلال و جائز نہیں کہ تم مہر عصمت کو ناحق داغدار کرو''۔

یہ سنتے ہی میں اپنے ارادوں سے باز آ گیا، اور جو سونا اسے دیا تھا وہ بھی واپس نہ لیا۔ اے اللہ! اگر میرا یہ عمل خالص تیری رضا کے لئے تھا، تو ہمیں اس مشکل سے نکال دے''۔ اب کے چٹان کچھ اور سرک گئی، مگر ابھی تک نکلنے کا راستہ نہ بنا تھا۔

لہذا تیسرے نے کہنا شروع کیا:

''اے اللہ! میں نے کچھ لوگوں کو کام پر لگایا۔ سب کی مزدوری دے دی، مگر ایک آدمی مزدوری لئے بغیر ہی چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری کے پیسے نفع آور کام میں لگا دیئے یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے وہ بہت لمبا چوڑا مال بن گیا۔ ایک مدت کے بعد وہی شخص آیا۔ اور اس نے اپنی اجرت کا مطالبہ کیا، تو میں نے کہا: کہ یہ جتنے بھی **اونٹ، گائیں اور بکریاں ہیں اور یہ جتنے بھی غلام ہیں، یہ سب تیرے ہیں، اس نے کہا بندۂ خدا مذاق نہ کرو۔ میں نے اسے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اور جب اسے میری بات کا یقین آ گیا تو وہ سارا مال لے گیا۔ اور کوئی چیز بھی نہ چھوڑی''۔ اے اللہ! اگر میں نے**

یہ عمل خالص تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو ہماری یہ مشکل آسان کر دے۔

فانجرت الصخرة، فخرجوا يمشون۔(۱)

وہ چٹان غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ باہر نکل آئے۔

اخلاص کی اہمیت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إنما الأعمال بالنيات۔"(۲)

تمام اعمال کی صحت کا دارومدار بس نیت پر ہے۔اور ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم۔"(۳)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں (جسموں) اور تمہارے مال کی طرف نہیں دیکھتا۔وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔

اور ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے:

"من فارق الدنيا على الإخلاص لله وحده لاشريك له وأقام الصلوة وآتى الزكوة فارقها والله عنه راضٍ۔"(۴) جو شخص دنیا سے اخلاص للہ وحدہ لاشریک لہ کے ساتھ رخصت ہوا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوۃ ادا کی تو دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوا، کہ اللہ اس سے راضی تھے، یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔"

●●●

---

(۱) بخاری مع الفتح ۴/ ۳۶۹، ۳۷۰، مسلم ۲۷۴۳، نسائی، ابن حبان، الترغیب والترہیب ج ۱ حدیث ۱۔

(۲) بخاری ۱/ ۱۵،۷۔ مسلم ۱۹۰۷۔ ابوداؤد ۲۲۰۱۔ ترمذی ۱۶۴۷، نسائی ۵۹، ۶۰۔ صحیح نسائی (۷۳)۔

(۳) مختصر مسلم (۱۷۷۶) ابن ماجہ (۴۱۴۳)، صحیح الترغیب، حدیث (۱۳)

(۴) ابن ماجہ والحاکم وقال: صحیح الاسناد، الترغیب والترہیب ج ۱، حدیث ۲۔ ابن ماجہ حدیث (۷۰) ضعیف الجامع (۵۷۰۱)

ریا کاری کی مذمت
قرآن کریم کی روشنی میں

عبادت میں اخلاص للہ ایسی نعمت ہے کہ ہر عمل کی قیمت ہی اسی سے بنتی ہے۔اور ریا کاری ایسی بلا ہے کہ انسان کا سارا کیا دھرا ہی رائیگاں ہو جاتا ہے۔جب کہ اخلاص اور ریا کاری کی حدیں بہت قریب قریب ہیں۔بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قوس وقزح کے رنگوں کی طرح ہی یہ دونوں بھی اتنی قریبی چیزیں ہیں کہ ان میں حد فاصل لگانا بھی اللہ کی توفیق وعنایت کے بغیر ناممکن ہے،تو بے جا نہ ہوگا۔کیونکہ جو شخص نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، صدقہ وخیرات یا کوئی بھی نیک عمل کرے اور اس کی نیت میں ذرا بھی یہ فتور آ جائے کہ ان کاموں کی وجہ سے لوگ مجھے عابد وزاہد، پرہیزگار و پارسا اور حاجی کہیں گے، یا پھر اس کی سوچ دوسرا رخ اختیار کر لے کہ وہ اگر صدقہ وخیرات نہیں کرے گا تو لوگ کیا کہیں گے، کہ پڑوس میں لوگ بھوکوں مر رہے ہیں اور یہ ان کی کوئی مدد ہی نہیں کرتا، اگر اس سال بھی حج پر نہ گیا یا قربانی نہ کی تو برادری یا پہچان والوں میں ناک کٹ جائے گی۔جو شخص بھی ناک کو بچانے کیلئے نمود ونمائش، ریا کاری ودکھلاوے کے طور پر کوئی نیک کام کرے،تو رضائے الٰہی کے حصول کی نیت خالص نہ رہی، بلکہ رضائے الٰہی کے ساتھ رضائے برادری بھی شامل ہوگئی۔اور جو اعمال رضائے برادری یا ناک کے تحفظ کا نسخہ بن جائیں انہیں بھلا اللہ تعالی کے یہاں شرف قبولیت کیسے حاصل ہوگا۔ریا کاری تو عمل کو کھوٹے سکے کی طرح بنا دیتی ہے۔جیسے وہ بازار میں نہیں چل سکتا، ایسے یہ کھوٹی نیت سے کیا گیا عمل بھی دربار الٰہی میں مقبول و منظور نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالی نے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۴ میں فرمایا ہے:

”اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر اس شخص کی

طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کو خرچ کرتا ہے“۔

آگے فرمایا:

”اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔اس پر زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی، اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا“۔

سورۂ نساء کی آیت ۱۴۲ میں ریا کاری کو منافقین کی خصلت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

”جب یہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو سستی کے مارے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کیلئے اٹھتے ہیں، اور اللہ تعالی کو کم ہی یاد کرتے ہیں“۔

سورۂ کہف کی آخری آیت میں فرمایا:

﴿فمن كان يرجوا لقآء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه أحداً﴾(۱)

پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے، اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے“۔

کسی کے دکھلاوے کے لئے عمل کرنا بھی اسے اللہ تعالی کے ساتھ شریک کرنا ہے۔اس لئے امام ذہبیؒ نے ”کتاب الکبائر“ میں ﴿ولا يشرك بعبادة ربه أحداً﴾ کا ترجمہ یہ لکھا ہے: اى لا يرائى بعمله أحداً۔ (۲) کہ وہ اپنا عمل کسی کو دکھلاوے کے لئے نہ کرے۔

اہل شرک اور اہل ریاء کے نیک اعمال کے ساتھ قیامت کے دن اللہ تعالی کیا سلوک فرمائیں گے؟ اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

(۱) سورۂ کہف آیت ۱۱۰۔
(۲) کتاب الکبائر ص ۹۔

﴿فقدمنا إلى ما عملوا من عملٍ فجعلناه هباءً منثوراً﴾ (۱)
پس ہم ان کے اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے اور ان کے سب کیے دھرے کو غبار کی طرح اڑا دیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ نے تیسویں پارے کی سورۂ ماعون میں بھی ریا کاری کی زبردست مذمت فرمائی، اور اہل ریا کا انجام ویل (۲) وہلاکت بتایا ہے۔ ﴿الذین هم یرآءون﴾ سے مراد وہی لوگ ہیں جو ریا کاری کرتے ہیں۔

●●●

---

(۱) سورۂ فرقان آیت ۲۳۔

(۲) ویل کا ترجمہ عموماً ہلاکت یا جہنم کیا جاتا ہے۔ جبکہ "ویل" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے، جس میں آگ کی شدت تمازت وحرارت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر اس میں پہاڑ بھی ڈالا جائے تو پگھل جائے۔ أعاذنا اللہ من النار۔ (تطہیرات الجتمعات من ارجاس الموبقات، احمد بن حجر قاضی قطر)۔

ریا کاری کی مذمّت
حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

کوئی نیک عمل یا عبادت جو خالص رضائے الٰہی کی بجائے فخر ومباہات اور ریا و دکھلاوے کے طور پر کی جائے اسے اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتے، اور جب اس سلسلہ میں نبی ﷺ کے ارشادات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ریا کاری نہ صرف عمل کو ضائع کر دینے والا گناہ بلکہ شرک بھی ہے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم بیٹھے ہوئے فتنۂ دجّال کا ذکر کر رہے تھے، کہ نبی ﷺ بھی تشریف لے آئے، اور فرمایا:

"ألا أخبركم بما هو اخوف عليكم عندي من المسيح الدجال." "کیا میں تمہیں اس چیز کے بارے میں خبر نہ دوں جو میرے نزدیک فتنۂ دجال سے بھی تمہارے لئے خوفناک ہے۔

ہم نے عرض کیا ضرور بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"الشرك الخفي" کہ وہ فتنہ شرک خفی ہے۔

اور پھر خود ہی شرک خفی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"أن يقوم الرجل فصلى فيزيد صلاته لما يرى من نظر رجل." (۱)

(شرک خفی یہ ہے) کہ کوئی شخص نماز پڑھے اور اپنی نماز کی حسن ادائیگی میں اضافہ کر دے، کیونکہ اسے کوئی دوسرا شخص دیکھ رہا ہے۔

گویا دیکھنے والے آدمی کی خاطر نماز کو ادا کرنے میں اہتمام کرنا ریا کاری

---

(۱) رواہ ابن ماجہ وحسنہ الألبانی مشکاۃ ج ۳ حدیث ۵۳۳۳، رواہ البیہقی، ترغیب وترہیب ج ۱ حدیث ۴۵، ابن ماجہ حدیث (۴۲۰۴)

اور شرک خفی ہے۔ ایسے ہی مسند احمد میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"إن أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر"

مجھے تمہارے بارے میں جس چیز کا سب سے زیادہ اندیشہ ہے وہ شرک اصغر ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم نے پوچھا، شرک اصغر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"الرياء" یعنی دکھلاوا۔(۱)

مسند احمد اور بیہقی میں بڑے واضح انداز میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من صلى يرائي فقد أشرك ومن صام يرائي فقد أشرك ومن تصدق يرائي فقد أشرك." (۲)

جس شخص نے ریاکاری کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے ریاکاری و دکھلاوے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا، اور جس نے دکھلاوے کے لئے صدقہ کیا، اس نے شرک کیا۔

اور بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من سمع سمع الله به (يوم القيامة) ومن يرائي يرائي الله به." (۳)

"جس شخص نے کوئی عمل اس نیت سے کیا کہ لوگوں میں اس کی شہرت وتعریف ہو، قیامت کے دن اللہ تعالی لوگوں کے سامنے اس کی بدنیتی ظاہر کر کے اسے رسوا کرے گا، اور دکھلاوا کرنے والے کے ساتھ قیامت کے روز اللہ تعالی بھی ویسا ہی سلوک کرے گا"۔

(۱) مشکوۃ حدیث ۵۳۳۴، وقال المنذری، رواہ احمد باسناد جید، وابن ابی الدنیا والبیہقی فی الزہد وغیرہ، الترغیب ۱/ ۴۹، مسند احمد ۵/ ۴۲۸-۴۲۹، طبرانی کبیر ۴/ ۲۵۳۔

(۲) مشکوۃ حدیث ۵۳۳۱، ونقل المنذری روایۃ البیہقی بتقدیم الصوم علی الصلوۃ، الترغیب ج ۱ حدیث ۴۴، واختارہ ابن حجر فی مختصرہ برقم ۷، والطبرانی ۷/ ۳۳۷، ۳۳۸ والبیہقی، مسند احمد ۴/ ۱۲۶، الحاکم ۴/ ۳۲۹۔

(۳) متفق علیہ، مشکوۃ حدیث ۵۳۱۶، ۵۳۲۷۔ بخاری حدیث (۶۴۹۹) مختصر مسلم للمنذری (۲۰۹۰)

جب کہ مسند احمد اور شعب الایمان بیہقی میں تو ایک ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"من سمع الناس بعمله ،سمع الله به أسامع خلقه وحقره وصغره." (۱)

''جس شخص نے کوئی نیک کام کر کے لوگوں میں ایسے کارناموں کا ڈھنڈورا پیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اس کی ریاکاری کو ظاہر کر کے اسے ذلیل ورسوا کرے گا''۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی حاضر ہوا اور پوچھا، اگر کوئی شخص اجر وثواب اور شہرت کے لئے جہاد کرے تو اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لاشیء له" اس کے حصے میں کچھ بھی ثواب نہیں آئے گا۔

اس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا، اور نبی ﷺ نے بھی یہی کلمات تین مرتبہ دہرائے اور پھر فرمایا:

"إن الله عزوجل لا يقبل من العمل إلا ما كان خالصا وابتغى به وجهه."

''اللہ تعالیٰ کوئی ایسا عمل قبول نہیں کرتے جو خالص اسی کی رضا کے حصول کیلئے نہ کیا گیا ہو''۔ (۲)

ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ منادی کرادیں گے کہ جس شخص نے ریاکاری کا عمل کیا وہ انہی لوگوں کے پاس جا کر اس کا

---

(۱) حدیث صحیح للألبانی، انظر تعلیقہ علیہ فی المشکاۃ: ۵۳۱۹، ونقلہ المنذری فی الترغیب والترہیب: ۱/۳۲۰، وقال رواہ الطبرانی فی الکبیر بأسانید، أحدھا صحیح، والبیہقی۔ مسند احمد ۲/۱۶۲، ۱۹۰، ۲۱۲، ۲۲۳، مجمع الزوائد للہیثمی ۱۰/۲۲۲، کتاب الزہد، حلیۃ الأولیاء۔ لأبی نعیم ۴/۱۲۳-۱۲۴، ضمن ترجمہ خیثمہ بن عبدالرحمٰن۔

(۲) قال المنذری: رواہ ابوداؤد والنسائی باسناد جید۔ الترغیب ج۱ حدیث ۹، صحیح نسائی (۲۹۴۳) فی الجہاد، الصحیحہ، حدیث (۵۲) یہ حدیث ابوداؤد میں نہیں ہے، ملاحظہ ہو صحیح الترغیب ۱/۶۔

ثواب طلب کرے جنہیں دکھانے کیلئے اس نے وہ عمل کیا تھا۔(۱)

اور صحیح مسلم میں تین شخصوں کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ قیامت کے روز سب لوگوں سے پہلے شہید کا فیصلہ ہوگا، (میدان محشر میں) اس کو اللہ تعالی کے سامنے لایا جائے گا۔تو اللہ تعالی اسے نعمتوں کی پہچان کرائیں گے۔وہ پہچان لیگا۔ تب اللہ تعالی فرمائیں گے۔

"فما عملت فیھا"

''تو نے ان نعمتوں کا استعمال کیسے کیا؟''

وہ جواب دے گا:

"قاتلت فیك حتی استشھدت"

''میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا''۔

اللہ تعالی فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا، کیونکہ تو نے جہاد اس لئے کیا کہ تجھے بہادر کہا جائے ،تو وہ تجھے کہہ دیا گیا۔

"ثم أمر به فسحب علی وجهه حتی ألقی فی النار."

پھر اس کے بارے میں حکم دیا جائے گا اور اس کو منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا''۔

اور ایک (دوسرا) آدمی وہ (عالم وقاری) ہوگا جس نے علم سیکھا اور سکھایا، اور قرآن مجید پڑھا، اس کو بھی اللہ تعالی کے سامنے پیش کیا جائے گا۔اللہ تعالی اسے بھی اپنی نعمتیں معلوم کروائیں گے، وہ ان نعمتوں کو معلوم کرے گا،تو اللہ فرمائیں گے:

---

(۱) مکمل حدیث کے الفاظ یہ ہیں: إذا جمع الله الناس یوم القیامة ، لیوم لا ریب فیه نادی مناد، من أشرك فی عمل عمله لله أحدا فیطلب ثوابه من عند غیر الله فإن الله أغنی الشركاء عن الشرك۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ، مختصر الترغیب والترہیب لابن حجر ۹، وزاد تخریج البیہقی وتصحیح ابن حبان، وقد حسنہ الترمذی ووافقہ الألبانی۔المشکاۃ ۵۳۱۸، مسند احمد ۳/۴۶۶، صحیح ترمذی ۲۵۲۱، ابن ماجہ (۴۲۰۳)، موارد الظمآن باب ماجاء فی الریاء حدیث (۲۴۹۹، ۲۵۰۰)۔

"فما عملت فيها" ''تو نے ان نعمتوں کی کیا شکر گزاری کی؟''

وہ کہے گا میں نے علم سیکھا اور سکھایا، اور میں نے تیرے راستے میں (تیری رضا کے لئے) قرآن پڑھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو نے جھوٹ کہا (کیونکہ تو نے یہ کام میرے لئے نہیں کیا) بلکہ اس (علم) کو تو نے اس لئے سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے، اور تو نے قرآن اسلئے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے۔

"فقد قيل" پس وہ (تجھے) کہہ دیا گیا۔

پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا۔

"فسحب على وجهه حتى ألقى فى النار." کہ اس کو منہ کے بل گھسیٹا جائے اور جہنم میں ڈال دیا جائے۔

اور ایک (تیسرا) شخص (سخی) وہ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے فراخی کی، اور اس کو ہر قسم کا مال دے رکھا تھا۔

"فأتى به" پھر اسکو لایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں گے۔ وہ ان کو پہچان لے گا، اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو نے ان نعمتوں کا استعمال کیسے کیا؟ وہ کہے گا میں نے سب مال تیرے راستے میں تیری رضا کیلئے خرچ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

"كذبت" تو نے جھوٹ کہا۔

لیکن تو نے اس لئے (مال خرچ) کیا کہ تجھے سخی کہا جائے، چنانچہ تجھے (سخی) کہہ دیا گیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا جائے گا کہ اس کو چہرے کے بل گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے۔ (۱)

اور اس شرک اصغر (ریا کاری) کا انجام یہ ہے کہ مسلم شریف کی ایک قدسی حدیث میں ارشاد الٰہی ہے۔

---

(۱) مسلم شریف بحوالہ ریاض الصالحین مترجم، ۲/۳۲۰۔ طبع اسلامی اکیڈمی اردو بازار لاہور۔ صحیح مسلم مع نووی ۱۳/۷/۵۰، ۵۱، نسائی ۶/۲۳، ۲۴، صحیح الترغیب، حدیث (۲۰) صحیح الترمذی حدیث (۱۹۴۲)۔

"أنا أغنى الشركاء عن الشرك من عمل عملاً أشرك فيه معي غيري تركته و شركه" (۱)

میں ہر شریک کی بہ نسبت ہر قسم کے شرک سے بے نیاز ہوں، جو شخص میرے لئے کوئی عمل کرتا ہے اور میرے علاوہ بھی کسی کو (دکھلاوا کر کے) میرا شریک بناتا ہے، تو میں اسے اسی کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں (یعنی وہ قبول نہیں ہوتا) ایک اور روایت میں ہے:

"فأنا بریٔ ، هو للذی عمله." (۲)

وہ عمل اس (دوسرے) کیلئے ہی ہوگا جس کے لئے اس نے کیا ہے میں اس سے بری ہوں۔ (۳)

●●●

---

(۱) مسلم مع نووی ۹/ ۱۸/ ۱۱۵۔

(۲) ابن ماجہ (۴۲۰۲) صحیح الترغیب حدیث (۳۱)

(۳) مسلم مع نووی ۹/ ۱۸/ ۲۵، مشکوۃ بتحقیق الألبانی حدیث ۵۳۱۵، ونقلہ المنذری فی الترغیب ۱/ ۴۹، بلفظ "وھو للذی أشرک"، وقال: رواہ ابن ماجہ (۴۲۰۲) واللفظ لہ وابن خزیمہ والبیہقی ورواۃ ابن ماجہ ثقات۔

قبولیت عمل کی تیسری شرط

موافقت سنت

اطاعت رسول، قرآن کی روشنی میں

قبولیت عمل کی چار شرطوں میں سے تیسری شرط ''موافقت سنت'' ہے، کہ نماز، روزہ یا کوئی بھی نیک عمل ہو، اسے اللہ تعالی صرف اسی شکل میں قبول کرتا ہے کہ وہ عمل رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے اور اپنائے ہوئے، قولی و عملی طریقہ کے عین مطابق ہو۔ اپنی طرف سے کوئی طریقہ ایجاد نہ کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی وہ طریقہ نبی ﷺ کے علاوہ کسی بھی دوسرے کا ایجاد کردہ ہو۔ اور اگر کوئی عمل نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ یا سنت کو چھوڑ کر کسی غیر کے مصنوعی طریقے کے مطابق سرانجام دیا گیا ہو، تو وہ عنداللہ نامقبول ہوگا۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کرنا اور آپ ﷺ کے بتائے یا اپنائے ہوئے طریقے یا سنت پر عمل کرنا اور اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا حکم الٰہی اور فرض عین ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب آیت ۲۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾

کہ رسول اللہ (ﷺ) کی ذات گرامی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اور سورۂ حشر کی آیت ۷ میں ارشاد فرمایا:

﴿وما آتاكم الرسول فخذوه و مانهاكم عنه فانتهوا﴾

جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو، اور جس چیز سے وہ روکیں اس سے تم رک جاؤ''۔

اور قرآن پاک کے کتنے ہی مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالی کے احکام کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کے احکام کی اطاعت کا بھی حکم دیا

گیا ہے۔(۱)

سورۂ انفال کی آیت ۲۴ میں ایمان والوں کو حکم دیا:

﴿یـا أیهـا الذین أمنوا استجیبوا لله و للرسول إذا دعـاكم لما یحییكم﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی پکار پر لبیک کہو، جبکہ رسول (ﷺ) تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے''۔

اور سورۂ نساء آیت ۸۰ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اطاعت الٰہی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿من یطع الرسول فقد أطاع الله﴾

''جس شخص نے رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

سورۂ آل عمران کی آیت ۳۱ میں اطاعت رسول کو حب الٰہی کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿قـل إن كـنـتـم تـحـبـون الـلــه فــاتـبـعـونـی یـحـببكم الـلـه ویغفرلكم ذنوبكم والله غفور رحیم﴾

(اے نبی ﷺ) لوگوں سے کہہ دیں کہ اگر تم حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہاری خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

---

(۱) مثلاً سورۂ آل عمران کی آیت ۳۲ اور ۱۳۲، سورۂ نساء کی آیت ۵۹، سورۂ مائدہ کی آیت ۹۲، سورۂ انفال کی آیات ۱، ۲۰ اور ۴۶، سورۂ نور کی آیت ۵۴ اور ۵۶، سورۂ محمد کی آیت: ۳۳، سورۂ مجادلہ کی آیت ۱۳، اور سورۂ تغابن کی آیت ۱۲ کا ترجمہ دیکھیں۔ ان تمام آیات میں بھی اتباع رسول (ﷺ) کا حکم دیا گیا ہے۔ کہیں فرمایا: أطیعوا الله وأطیعوا الرسول، کہیں فرمایا: أطیعوا الله ورسوله، کسی جگہ ارشاد ہے: أطیعوا الله والرسول. اور کسی آیت میں ارشاد ہے. أطیعوا الرسول. اور ان سب جگہوں پر ایک ہی مطالبہ کیا گیا ہے کہ فرمان الٰہی کی تعمیل کرو، اور ارشادِ نبوی کی اطاعت کرو۔

سنت رسول ﷺ اور آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نے بڑے بلند مقام و مرتبہ کا وعدہ فرمایا ہے، جو قرآن پاک کے کئی مقامات پر مذکور ہے۔

مثلاً سورۂ نساء کی آیت ۱۳ میں ارشاد ہے:

﴿من يطع الله ورسوله يدخله جنت تجري من تحتها الأنهار خلدين فيها وذلك الفوز العظيم﴾

''جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔''

اور ایسے ہی سورۂ فتح آیت ۱۷ میں بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ البتہ وہاں ''خالدين فيها'' کی بجائے نافرمانی کی سزا بتادی ہے۔ ﴿ومن يتول يعذبه عذاباً أليماً﴾ اور جو منہ پھیرے گا، اسے وہ دردناک عذاب دے گا۔

سورۂ نساء کی آیت ۶۹ میں فرمایا:

﴿ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

سورۂ نور کی آیت ۵۲ میں فرمایا:

﴿ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فأولئك هم الفائزون﴾

جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرماں برداری کریں، اللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور سورۂ توبہ کی آیت ۷۱ میں فرمایا: کہ مومن مرد اور مومن عورتیں سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوۃ دیتے ہیں۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، اور آگے فرمایا:

﴿أولئك سيرحمهم الله إن الله عزيز حكيم﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہو کر رہے گی، یقیناً اللہ تعالی سب پر غالب اور حکمت والا ہے۔

●●●

سنت وحکم رسول ﷺ کی نافرمانی قرآن کی نظر میں

قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کو مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور بہترین نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ اور آپ ﷺ کے ارشادات و احکام کی غیر مشروط اطاعت کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالی نے اس موضوع کا دوسرا پہلو بھی واضح کر دیا ہے کہ اگر اس کے باوجود کسی نے میری اور میرے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۴ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله ناراً خالداً فيها وله عذابٌ مهينٌ﴾

اور جو اللہ تعالی اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر جائے گا، اسے اللہ تعالی آگ میں ڈالے گا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے رسوا کن سزا ہے۔

اور سورۂ نساء ہی کی آیت ۶۵ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کی نافرمانی کو عدم ایمان کی نشانی اور آپ ﷺ کی اطاعت کو ایمان کی علامت بتاتے ہوئے فرمایا:

﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا فى أنفسهم حرجاً مما قضيت و يسلموا تسليماً﴾

''(اے میرے نبی ﷺ!) تیرے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ (ﷺ) کو فیصلہ کرنے والا نہ مان

لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر تسلیم خم کر لیں''۔

اور اسی سورۂ نساء کی آیت ۱۱۵ میں حکم رسول ﷺ اور سنت نبوی کی مخالفت کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے فرمایا:

﴿ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى و يتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيراً﴾

''جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور کے راستے پر چلے، جبکہ اس پر واضح ہو چکی ہے، تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ پھر گیا۔ اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے''۔

سورہ نور کی آیت ۶۳ میں نبی اکرم ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو اس جرم کی سزا سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنةٌ أو يصيبهم عذابٌ أليم﴾

رسول (ﷺ) کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ دنیا میں کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں، یا (آخرت میں) ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

اور سورۂ احزاب آیت ۳۶ میں فرمایا:

﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبيناً﴾

''کسی مرد مومن و مومنہ عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ﷺ) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو پھر اسے اس معاملہ میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح

گمراہی میں پڑے گا''۔

اور سورۂ فتح کی ایک ہی آیت ۱۷ میں اطاعت الٰہی اور اتباع رسول ﷺ کا ثمر، اور ان کی نافرمانی کی سزا کا ذکر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ومن يطع الله ورسوله يدخله جنت تجرى من تحتها الأنهار ومن يتول يعذبه عذاباً أليماً﴾

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اللہ اسے جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور جو (ان کے حکم سے) منہ پھیرے گا، اسے وہ دردناک عذاب دے گا''۔

●●●

اتباع رسول ﷺ
حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں ارشادات الٰہی ہم آپ کے گوش گزار کر چکے ہیں، اور اب اسی موضوع کے بارے میں خود رسول رحمت ﷺ کے ارشادات عالیہ کا بھی مطالعہ کریں۔ چنانچہ صحیح بخاری (۲۱۴/۱۳ مع الفتح) میں ارشاد نبوی ہے:

"كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أبىٰ ، قيل ومن يأبى يا رسول الله؟ قال: من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبى."

''میری امت کے تمام افراد جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے انکار کیا۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول دخول جنت سے انکار کون کرسکتا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (دخول جنت سے) انکار کیا''۔

اور صحیح بخاری و مسلم شریف میں ارشاد رسالت مآب ہے:

"إذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوا و إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم."(۱)

''جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے باز آجاؤ۔ اور جب میں تمہیں کسی کام کا حکم دوں تو حسب استطاعت اس کی تعمیل کرو''۔

اور بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے اتباع سنت کے اجرو

(۱) بخاری مع الفتح ۱۳/۲۰، ۲۱۹، مسلم شریف ۱۳۳۷۔

ثواب اور مقام و مرتبہ کا پتہ دینے کیلئے ایک مثال دیتے ہوئے فرمایا:

"مثلی کمثل رجلٍ استوقد ناراً فلما أضاء ت ما حولها جعل الفراش و هذه الدواب التی تقع فی النار یقعن فیها و جعل یحجزهن ویغلبنه فیتقحمن فیها فأنا آخذ بحجزکم عن النار وأنتم تقحمون فیها."

''میری مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے آگ جلائی۔ جب اس آگ کے ارد گرد روشنی ہو گئی تو ان پروانوں اور کیڑوں نے جو آگ میں گرتے ہیں اس آگ میں گرنا شروع کر دیا، وہ آدمی ان پروانوں کو اس آگ میں گرنے سے روکتا ہے، مگر وہ زبردستی اس آگ میں گرتے جاتے ہیں۔ ایسے ہی میں بھی تمہیں نارِ جہنم سے پکڑ پکڑ کر روکتا ہوں، مگر تم زبردستی اس آگ میں گرتے جاتے ہو''۔

یہ بخاری شریف کے الفاظ ہیں جب کہ مسلم شریف کی روایت بھی اسی طرح ہے، مگر اس کے آخر میں ہے:

"فذلك مثلی و مثلکم."

میری اور تمہاری یہی مثال ہے کہ میں تمہیں پکڑ پکڑ کر آگ سے بچاتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ آگ سے بچو، آگ سے بچو، مگر تم مجھ پر غالب آ جاتے ہو اور آگ میں جا گرتے ہو۔(۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات نارِ جہنم سے بچنے کا بہترین ذریعہ ہیں، جو انہیں اپنا لے گا وہ بچ جائے گا، اور جس نے ان تعلیمات سے روگردانی کی وہ جان بوجھ کر اور زبردستی جہنم کا سامان کر رہا ہے، اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ قرآن کریم کا اپنا ایک مقام ہے جسے سمجھنے کے لئے بھی نبی اکریم ﷺ کی حدیث کے بغیر کوئی چارہ نہیں گویا حدیث رسول ﷺ، قرآن کریم کی تفسیر ہے۔

(۱) متفق علیہ، مشکاۃ ج۱ حدیث ۱۴۹، بخاری حدیث (۶۴۸۳) مختصر مسلم، حدیث (۱۵۴۴) مسلم مع نووی ۸/۱۵/۴۹، صحیح ترمذی، حدیث (۲۳۰۵)۔

اور اس بات کی وضاحت کے لئے صرف اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ اگر حدیث رسول یا سنت نبوی کو اپنایا نہ جائے، اسے حجت تسلیم نہ کیا جائے، تو ہم نماز، روزہ، حج، زکوۃ کسی بھی رکن اسلام پر عمل پیرا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ قرآن پاک نے ان امور کا مختصرا حکم دیا ہے۔ جب کہ ان کی تفصیلات ہمیں سنت رسول سے ہی لینی پڑیں گی۔ اب ان لوگوں کی عقل کا اندازہ کرلیں کہ جب ان پر شقاوت قلبی غالب آ گئی ہے، اور وہ یہ کہنے لگے ہیں کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے حدیث رسول کی ضرورت نہیں (۱) یہ طبقہ بھی مرزائیوں کی طرح برصغیر ہی کی پیداوار ہے۔

سنت یا حدیث رسول ﷺ کی حجیت کا انکار کرنا اور صرف قرآن کریم سے استدلال کرنے کا عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔ سورۂ نساء آیت ۶۵،۵۹ اور سورۂ نور آیت ۶۳ ایسے لوگوں کے کفر پر دال ہیں۔

پاک و ہند میں عبداللہ چکڑالوی اور ان کے شاگرد غلام احمد پرویز کا حلقۂ اثر (پرویزی فرقہ) انہی لوگوں کا گروہ ہے، جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہلواتے ہیں۔ بعض عرب اور خصوصا لیبیا کے کرنل قذافی اسی باطل نظریہ سے متاثر ہو چکے ہیں۔

صحیح حدیث میں مذکور ہے:

''تم میں سے کوئی کسی آدمی کو اپنی چارپائی پر ٹیک لگائے ہوئے ضرور پائیگا۔ جس کا میں نے حکم دیا ہو یا اس سے روکا ہو تو وہ (شخص) کہے گا، میں نہیں جانتا (یعنی حدیث رسول کا انکار کرے گا) بس ہم جو قرآن میں پائیں گے اسی کی اتباع کریں گے''۔ (ف ۱) اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) آج سے چودہ سو برس قبل نبی اکرم ﷺ نے اس فتنہ پرور گروہ کے وجود میں آنے کی پیش گوئی کرتے ہوئے فرمایا تھا

لاألفين أحدكم متكئا على أريكته يأتيه الأمر من أمري مما أمرت به أونهيت عنه فيقول: لا أدري ، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه. (مسند احمد ۴/۱۳۶، ۱۳۷، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی فی الدلائل، وصححہ الالبانی فی مشکاۃ حدیث رقم ۱۶۲، ج ۱)۔

ف ۱۔ مسند احمد ۴/۱۳۶، ۱۳۷، صحیح ابی داؤد (۳۸۴۹)، صحیح الترمذی (۲۱۴۵) ابن ماجہ (۱۳) مستدرک حاکم ۱/۱۰۸، ۱۰۹، فی کتاب العلم۔

"ألا إني أوتيت القرآن ومثله معه ألا يوشك رجل شبعان على أريكته فيقول: عليكم القرآن فما وجدتم فيه من حلال فأحلوه وما وجدتم فيه من حرام فحرموه وإن ما حرم رسول الله ﷺ كما حرم الله." (ف)

(ابوداؤد فی الاطعمۃ والسنۃ، وصححہ الالبانی فی مشکاۃ ۱۹۵، الدارمی، ابن ماجہ، وروی الترمذی فی العلم من طریق اخری وقال حدیث حسن)

خبردار! (ہوشیار رہو) بے شک مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے مثل (حدیث) اس کے ساتھ، عنقریب ایک آدمی سیر ہوکر اپنی چارپائی پر ٹیک لگائے ہوئے کہے گا۔ پس تم قرآن کو مضبوطی سے پکڑو، اس میں جو حلال ہو اسے حلال سمجھو۔ اور جو حرام ہو اسے حرام سمجھو (خبردار) آنحضرت ﷺ نے جو حرام فرمایا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حرام (کئے ہوئے) کی ہی طرح ہے۔

●●●

ف: مسند احمد ۴/۱۳۰، ۱۳۱، صحیح ابی داؤد (۳۸۴۸)، صحیح الترمذی (۲۱۴۶)، ابن ماجہ (۱۲)، الدارمی ۱/۱۱۴، باب السنۃ قاضیۃ علی کتاب اللہ۔

عبادات میں افراط وتفریط
یا انتہا پسندی

اتباع رسول ﷺ کا مفہوم ومقصود یہ ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ نے خود کیا یا کرنے کا حکم فرمایا، یا کسی کو کرتے دیکھا اور اسے منع نہ فرمایا ہو ،اسے اپنایا جائے۔اور جو کام نہ آپ ﷺ نے خود کیا، نہ کرنے کا کسی کو حکم دیا، بلکہ اس سے روکا ہو،ایسا کام کرنے سے اجتناب کیا جائے ،اسی کا نام اتباع رسول یا اتباع سنت ہے، جو کہ ہمارے لئے ذریعہ نجات ہے۔

اور کوئی کام بظاہر کتنا ہی اچھا کیوں نہ نظر آتا ہو،اگر وہ سنت کے مطابق نہیں تو نا مقبول ہے، ایسے ہی انتہا پسندی کا رجحان بھی شریعت اسلامیہ کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا۔مثلاً ایک کام تو اچھا اور نیک ہے مگر اس کی ادائیگی میں ایسا رویہ اختیار کر لیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے پیش قدمی کے ضمن میں آجائے تو یہ بھی روا نہیں، کیونکہ سورۂ حجرات کی پہلی آیت ہی میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

﴿یا أیها الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی الله ورسوله واتقوا الله ، إن الله سمیعٌ علیمٌ ﴾

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) سے آگے مت بڑھو(یعنی ان کے احکام سے پیش قدمی مت کرو)اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے“۔

اور اس انتہا پسندی یا پیش قدمی کا ایک واقعہ کتب حدیث میں بھی موجود ہے، صحیح بخاری ومسلم شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:”تین آدمی نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات (میں سے کسی) کے پاس آئے اور ان سے

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی عبادت کے بارے میں پوچھا، جب انہیں آپ ﷺ کی عبادت کے بارے میں بتادیا گیا، تو انہوں نے کہا:

"أين نحن من النبي ﷺ قد غفر الله له ما تقدم من ذنبه وماتأخر۔"

نبیٔ اکرم ﷺ (کی اس عبادت) کے سامنے ہماری کیا حیثیت ہے؟ آپ کے تو اللہ تعالی نے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر رکھے ہیں (تب بھی آپ اتنے عبادت گذار ہیں)

لہذا ان میں سے ایک نے کہا:

"أما أنا فأصلي الليل أبداً۔"

میں تو ہمیشہ ساری رات ہی نماز پڑھا کروں گا۔

اور دوسرے نے کہا:

"أنا أصوم النهار أبداً ولا أفطر۔"

میں تو بلا ناغہ روزہ رکھتا رہوں گا۔

اور تیسرے نے کہا:

"أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبداً۔"

میں (کثرت عبادت کی خاطر) عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا"۔

نبیٔ اکرم ﷺ (کو یہ باتیں پہنچیں تو) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

"أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له۔ لكني أصوم وأفطر وأصلي و أرقد وأتزوج النساء۔"

کیا وہ تم ہی ہو جنہوں نے یہ یہ باتیں کی ہیں؟ مجھے اللہ کی قسم! میں تمہاری نسبت اللہ تعالی سے زیادہ ڈرنے والا اور زیادہ تقوی والا ہوں۔ لیکن پھر بھی میں روزہ

بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یعنی کبھی نہیں بھی رکھتا۔ اور میں رات کو قیام بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں کے ساتھ شادی بھی کرتا ہوں۔

اور اپنی عبادت و عمل کا طریقہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: "فمن رغب عن سنتي فليس مني." جس نے میرے اس طریقے سے بے رغبتی کی وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔(۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نبی اکرم ﷺ کے طریقۂ عبادت یا سنت کی خلاف ورزی کی، اور افراط و تفریط کا شکار ہو، تو نہ صرف اس کا وہ عمل نامقبول ہے۔ بلکہ ساتھ ہی وہ ارشادِ نبوی "فليس مني" کا بھی مصداق ہوگا۔

●●●

(۱) مشکاۃ ج ۱، حدیث ۱۴۵، بخاری (۵۰۶۳) جلد ۹، مسلم مع نووی ۵/۹/۱۷۵، ۱۷۶۔

اقرار رسالت کے تقاضے اور بدعات

جب کوئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے تو وہ ایمان باللہ اور توحید الٰہی کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کی رسالت کا بھی اقرار کرتا ہے۔ یہ اقرار اس پر واجب کر دیتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے احکام و فرمودات کی اطاعت کرے، اور آپ ﷺ کے منع کردہ فرمودات سے مکمل احتراز و اجتناب کرے، جیسا کہ سورۂ حشر کی آیت ۷ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وما آتاكم الرسول فخذوه و مانهاكم عنه فانتهوا﴾۔
تمہیں رسول اللہ ﷺ جو حکم دیں اسے اپنا لو اور جس کام سے روکیں اس سے باز آ جاؤ۔

محمد رسول اللہ کا اقرار یہ مطالبہ کرتا ہے کہ امور دینیہ میں اپنی مرضی اور من مانی کی بجائے سنت رسول کے مطابق عمل کیا جائے۔ آپ ﷺ کے تابناک اسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی گزاری جائے، اور آپ ﷺ کے احکام و اوامر کی مخالفت کر کے عذاب الٰہی کو آواز نہ دی جائے۔ کیونکہ سورۂ نور کی آیت ۶۳ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ کسی فتنے کا شکار نہ ہو جائیں۔ یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں''۔

محمد رسول اللہ کا اقرار یہ تقاضا کرتا ہے کہ زندگی بھر پیش آنے والے ہر معاملہ میں نبی ﷺ کے فرمان کو منصف اور حکم تسلیم کیا جائے۔ ورنہ ایمان کی سلامتی خطرے میں ہے۔ سورۂ نساء کی آیت ۶۵ میں ارشاد الٰہی ہے:

''(اے نبی) تیرے رب کی قسم ہے کہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام اختلافات میں آپ (ﷺ) کو منصف نہ مان لیں۔''

سرور کائنات ﷺ کے قول و عمل کا نام ہی ''سنت'' ہے، اور جو مسلمان

آپ ﷺ کی صحیح اور ثابت شدہ سنت کے مطابق زندگی گزار رہا ہو، وہی اہل سنت ہے، اور وہی اللہ تعالی کا مطیع وفرمانبردار بھی ہے۔ کیونکہ بخاری شریف میں ارشاد نبوی ہے ''من أطاعني فقد أطاع الله'' (۱) یعنی جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی''۔

اور جو شخص عبادات کے معاملہ میں من مانی کرے، نبی اکرم ﷺ کے ارشادات کو مدنظر نہ رکھے، اور بعض ایسے کاموں کو بھی دین اور ثواب سمجھ کر بجالائے، جو آپ ﷺ نے نہ کئے ہوں اور نہ ہی کرنے کا حکم فرمایا ہو، وہ کام باعث اجر وثواب نہیں، بلکہ موجب عتاب وعذاب ہیں۔ کیوں ہر وہ کام جو نبی اکرم ﷺ کے عہد مسعود کے بعد دین میں داخل کیا گیا ہو، مگر حقیقتاً دین سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو ایسے ہی کام کو شرعی وفقہی اصطلاح میں ''بدعت'' کہا جاتا ہے، جس کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ (۲)

البتہ وہ کام جو نیا تو ضرور ہے مگر جزو دین شمار نہیں کیا جاتا، اسے ''بدعت'' نہیں کہا جائے گا۔ اس طرح مختلف قسم کی تمام مفید ومباح ایجادات بدعت کی تعریف میں سے خارج ہو جاتی ہیں، جو اگرچہ عہد نبوت کے بہت بعد وجود میں آئیں، مگر انہیں کار ثواب، باعث تقرب الی اللہ اور دین کا جزو تو کسی نے قرار نہیں دیا۔ مثلاً بس، کار، موٹر سائیکل کی سواری کرنا، اذان و جماعت اور خطبہ کے لئے لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، روشنی کے لئے ٹیوب یا بلب کا استعمال، عینک لگانا، گھڑی باندھنا وغیرہ امور بدعت کے ضمن میں نہیں آتے۔ بدعت صرف وہی کام ہوتا ہے جو نیا بھی ہو اور جسے دین کا جزو یا باعث ثواب بھی سمجھا جائے۔

●●●

---

(۱) بخاری مع الفتح (۲۹۵۷)، مختصر مسلم (۱۲۲۲)، کتاب الامارۃ، صحیح نسائی (۳۹۰۹)، سنن ابن ماجہ (۲۸۵۹)۔

(۲) یہاں ایک بات بطور خاص ذہن نشین رہے کہ شرعاً صرف وہ کام بدعت ہوتے ہیں جو

۱- نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک کے بعد نیا ایجاد کیا گیا ہو۔ اور سنت رسول ﷺ میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

۲- وہ کام دین میں داخل سمجھا جاتا ہو، اور اسے باعث اجر وثواب اور ذریعہ تقرب بھی مانا جائے۔

بدعت کی مذمت
حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں

ان بدعات کا وجود میں آنا دراصل تو طلب ثواب کے لئے ہی ہوتا ہے، مگر ہمارے سادہ دل بھائی یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اس فعل سے انہیں ثواب تو کیا سخت گناہ ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ شیطان لعین نے ثواب دارین کا چکر دے کر کچھ لوگوں کو بدعات کی ترویج واشاعت پر لگا رکھا ہے، اور حالات ہمارے سامنے ہیں کہ ان خرافات کا جال امربیل کے تاروں کی طرح پھیلتا ہی جارہا ہے۔ اور جس طرح امربیل درخت کو کھاجاتی ہے، ایسے ہی بدعات وخرافات کی دبیز تہوں میں سنت رسول اللہ ﷺ بھی دھندلا رہی ہے۔ سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کا زمانۂ رسالت میں بھی موقع آیا اور جس کے سرانجام دینے سے کوئی مجبوری یا مانع بھی نہ تھی، اس کے باوجود اس زمانہ مسعود میں نہیں کیا گیا، اسے آج کیا جارہا ہو اور فخر یہ کیا جارہا ہو تو ایسے کام میں خیر کہاں سے آئے گی، جب کہ دین مصطفیٰ ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اگر ایسا کوئی کام واقعی ثواب دارین ہوتا تو:

﴿عزیز علیہ ماعنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم﴾(۱)

کی شان سے متصف سرور کائنات ﷺ اپنی امت کو ضرور مطلع کر جاتے، کیونکہ آپ ﷺ مسلمانوں کی بھلائی کے بڑے حریص تھے، اور جب آپ ﷺ نے ایسے کام کو مشروع قرار نہیں دیا، تو آج جو آدمی ایسا کوئی عمل ایجاد کرتا ہے، وہ گویا

---

(۱) سورۂ توبہ آیت ۱۲۸۔

شریعت کو ناقص قرار دیتا ہے۔ اور شریعت سازی کا ارتکاب کرتا ہے۔ جو کہ عظیم جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بدعات وخرافات کی نبیٔ اکرم ﷺ نے سخت مذمت فرمائی ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے:

"من أحدث في أمرنا هذا ماليس منه فهو رد." (۱)

جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نیا عمل ایجاد کیا جو کہ در حقیقت دین میں سے نہیں، وہ مردود ہے۔

اور مسلم شریف میں ارشاد رسالت مآب ہے:

"أما بعد، فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة." (۲)

حمد وثنا کے بعد فرمایا: بے شک بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور بہترین ہدایت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اور بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

یہی روایت نسائی شریف میں بھی ہے جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں:

"وكل ضلالة في النار." (۳) اور ہر گمراہی کا انجام نار جہنم ہے۔

شاید کوئی دوسرا گناہ ایسا نہیں جس کی اس قدر مذمت کی گئی ہو جتنی بدعت کی گئی ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ جب بھی خطاب فرماتے تو خطبۂ مسنونہ میں یہی الفاظ دہرایا کرتے اور آج تک علماء کرام اپنے خطبات میں آغاز اسی خطبہ مسنونہ سے کرتے ہیں اور قیامت تک یہی سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر بھی بدعات روز بروز بڑھتی ہی جارہی ہیں ۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

---

(۱) متفق علیہ، مشکاۃ ۱/۵۱، بخاری، حدیث (۲۶۹۷)، کتاب الصلح، مسلم مع نووی ۶/۱۲/۱۶، مسند احمد ۶/۲۷۰۔

(۲) مشکاۃ ۱/۵۱، مسلم مع نووی ۳/۶/۱۵۳۔

(۳) صحیح نسائی حدیث (۱۴۸۷)۔

ابوداؤد۔ترمذی،وابن ماجہ وغیرہ میں ایک حدیث رسول ہے۔

"فإنه من يعش منكم بعدی فسيرٰی اختلافاً كثيراً ،فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور فإن كل محدثةٍ بدعة وكل بدعة ضلالة."

میرے بعد جو زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا،تب تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کا طریقہ لازم ہے۔انہیں مضبوطی سے پکڑے رکھو اور نئے امور سے بچو، بے شک (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔(۱)

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"خط لنا رسول الله ﷺ خطاً ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطاً عن يمينه وعن شماله وقال: هذه سبلٌ على كل سبيلٍ منها شيطان يدعو إليه."

رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھی لکیر کھینچی پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا (سیدھا) راستہ ہے، پھر اس کے بعد دائیں اور بائیں لکیریں کھینچیں اور فرمایا، یہ مختلف راستے ہیں جن میں ہر ایک راستے پر شیطان بیٹھا اس کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

اور اس کے بعد یہ آیت (الأنعام:۱۶۳) تلاوت فرمائی:

﴿وأن هذا صراطی مستقيما فاتبعوه﴾(۲)

(۱)ابوداؤد، ۴۶۰۷،ترمذی ۲۶۳۸،ابن ماجہ۴۲،ابن حبان۱۰۲،دارمی ۱/۴۴،۴۵،مسند احمد ۴/۱۲۶،۱۲۷،وفی الترغیب ۱/۵۸،یہی حدیث مشکاۃ شریف میں ہے جس کے بارے میں شیخ البانی نے لکھا ہے: "وسنده صحيح و قال الترمذی حديث حسن صحيح و صححه جماعة منهم أيضاً المقدسی فی اتباع السنن واجتناب البدع." قلمی نسخہ ۹/۱،انظر المشکاۃ ۱/۵۸،شرح السنۃ ۱/۲۰۵۔

(۲)احمد،نسائی،دارمی، وقال الالبانی،واسنادہ حسن صححہ الحاکم وغیرہ،مشکاۃ ۱/۵۹،مسند احمد ۱/۴۳۵،۴۶۵، الدارمی فی السنن ۱/۶۷،فی المقدمۃ،باب کراھیۃ اخذ الرأی،ابن ماجہ(۱۱)ولکن عن جابر بن عبداللہ۔

بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی راستے پر چلو۔

اور بدعت کا انجام بد بیان کرتے ہوئے حسان بن عطیہؒ (تابعی) فرماتے ہیں

"ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلا نزع الله من سنتهم مثلها، ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة." (۱)

جس کسی قوم نے اپنے دین میں بدعت کو رواج دیا، اللہ تعالی اس (بدعت) کی مثل سنت کو اس قوم سے اٹھا لیتے ہیں جو قیامت تک ان کی طرف نہیں لوٹائیں گے۔

اور ایک روایت میں بدعت ساز و بدعت نواز کے بارے میں فرمایا: "من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام." (۲) جس کسی نے کسی بدعتی کی توقیر کی اس نے اسلام کے گرانے پر اس کی مدد کی۔

●●●

(۱) دارمی، البانی نے اسے مشکاۃ میں صحیح کہا ہے۔ مشکوۃ ۱/۶۶، دارمی (۱/۴۵) دارالکتب العلمیہ بیروت۔

(۲) بیہقی فی شعب الایمان مرسلاً ضعیف الجامع (۵۸۸۹) مشکوۃ ۱/۶۶ وحسنہ الألبانی فی تحقیقہ، ویقول. وقد یرتقی الحدیث بمجموعها إلی درجة الحسن۔ تحقیق المشکوۃ ۱/۶۶۔

بدفالی یا بدشگونی

قبولیت عمل کے شرائط کا موضوع مختصر انداز سے آپ کے سامنے رکھا جا چکا ہے اور اب ہم انہی شرائط میں سے بعض کے متعلقات بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں، تو آیئے پہلے ''صحت عقیدہ'' کے متعلقات دیکھیں۔

اسلامی عقائد کی بنیاد یہ ہے کہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہو کہ اس پوری کائنات کا خالق و مالک اور تمام تصرفات میں مختار کل صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، مخلوق میں سے کسی شخصیت کو کاروبار جہان کے انتظام اور بنی آدم کے امور کی تدبیر میں کوئی دخل حاصل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو یہ اختیار بھی نہیں کہ وہ کسی کی قسمت بگاڑے یا سنوارے، کسی کا کام روک دے اور کسی کا ہونے دے۔ نفع ونقصان پہنچانا صرف مالک ارض وسماء ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس قسم کے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس آیت ۴۹ میں فرما دیا ہے۔ اور اپنے اشرف الخلق نبی ﷺ سے کہلوا دیا ہے:

﴿قل لا أملك لنفسي ضرا ولا نفعا إلا ما شاء الله﴾

(اے میرے نبی لوگوں سے) کہہ دیں کہ میں تو خود اپنے نفع ونقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔

اور اسی سورۂ یونس کی آیت ۱۰۷ میں ارشاد الٰہی ہے:-

﴿وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو وإن يردك بخير فلا رآد لفضله﴾

اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا دے تو اس کے سوا اس تکلیف کو دور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی بھلائی عطا کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے فضل کو نہیں روک سکتی۔

ان قرآنی آیات کی رو سے جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی کے نفع ونقصان

کا مالک نہیں اور نہ ہی کوئی کسی کی قسمت سنوار سکتا ہے۔ اور نہ ہی بگاڑ سکتا ہے تو پھر معلوم نہیں کہ کیا وجہ ہے کہ آج بے شمار لوگ عجیب وغریب خیالات کا اظہار کرتے پھرتے ہیں، کوئی سمجھتا ہے کہ بلی راستہ کاٹ گئی ہے اور میں جس کام کے لئے جا رہا تھا وہ اب نہیں ہو سکے گا، کوئی گھر سے کسی کام کے لئے روانہ ہوا، اور پیچھے سے کوئی آواز دے دے تو جانے والا وہیں ہتھیار پھینک دیتا ہے، کہ بس اب جانا فضول ہے، میرا کام نہیں ہو پائے گا، کسی کو روانگی کے وقت چھینک آ جائے تو پکار اٹھتا ہے کہ اب میں روانہ نہیں ہوں گا، کیونکہ چھینک آ گئی ہے جو نحوست کی علامت ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ کیا کہیں جی؟ آج تو سارا دن ہی برباد ہو گیا ہے، کیونکہ صبح گھر سے نکلتے ہی فلاں شخص سے سامنا ہو گیا تھا۔

کوئی ماہ صفر کو منحوس سمجھتا ہے۔ کچھ منگل وار کو شمال کی طرف سفر کرنا ناکامی کی نشانی سمجھتے ہیں۔ یہ تمام خیالات ونظریات زمانۂ جاہلیت کی یادگاریں ہیں۔ جوں جوں، عقیدۂ توحید پر ہماری گرفت ڈھیلی ہوتی جا رہی ہے، ایمان کمزور ہو رہا ہے، اور ہم پر ضعیف الاعتقادی غالب آ رہی ہے، اور یہ جاہلانہ تصورات جنم لے رہے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی بعثت ونبوت سے قبل عرب بھی اس قسم کی بدشگونی یا بدفالی لینے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ بیماری میں چھوت چھات کے قائل تھے۔ پرندہ اڑا کر فال نکالا کرتے تھے۔ اگر وہ دائیں جانب اڑ گیا تو سمجھ لیتے کہ ہم جس کام پر روانہ ہو رہے ہیں وہ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ پرندہ بائیں جانب اڑ جاتا تو کام نہ ہونے کا یقین کر کے اس دن وہ گھر میں ہی بیٹھ جاتے تھے۔ الو کی آواز سے بدشگونی لیتے تھے۔ ماہ صفر اور یوم بدھ کو منحوس سمجھتے تھے۔ ماہ شوال میں شادی بیاہ کو اچھا نہیں جانتے تھے۔ ہواؤں کے چلنے، موسم بدلنے اور بارش ہونے کو ستاروں کی تاثیر قرار دیتے تھے۔ (۱)

بھوت پریت پر بھی اس طرح یقین رکھتے تھے کہ بھوت طرح طرح کی

(۱) حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات بارش ہوئی، صبح کی نماز پڑھا کر نبی ﷺ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا "أتدرون ماذا قال ربكم؟" "کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟

شکلیں بدل کر لوگوں کے سامنے آتے ہیں، اور مشیت الٰہی کے بغیر محض اپنی قوت کے بل بوتے پر لوگوں کو غلط راستے پر ڈالتے ہیں اور کشت وخون کر جاتے ہیں۔(۱)

یہ تمام امور چونکہ عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کے خلاف تھے۔ان سب سے شرک کی بو آتی تھی۔لہذا ان نظریات کو رد کرنے اور شرک اکبر کی طرف لے جانے والے ان چور دروازوں کو بند کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے انہیں باطل قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہے

"الطيرة شرك، الطيرة شرك، الطيرة شرك."(۲)

پرندہ اڑا کر بدشگونی لینا شرک ہے۔ یہ بات آپ نے تین بار دہرائی (کہ فال بد لینا شرک ہے)

اور ارشاد رسالت مآب ہے:

"من ردته الطيرة من حاجته فقد أشرك قالوا فما كفارة ذلك، قال: أن تقول : اللهم لاخير إلا خيرك ولاطير إلا طيرك ولاإله غيرك "(۳)

جس شخص کو فال بد اپنے کام سے روک دے اس نے شرک کیا۔صحابہ کرام

حاشیہ بقیہ پچھلے صفحہ کا: نے کہا اللہ و رسولہ اعلم۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "أصبح من عبادي مومن بي و كافر ۔آج صبح میرے بہت سے بندے مومن ہو گئے اور بہت سے کافر۔ "فأما من قال: مطرنا بفضل الله ورحمته فذلك مؤمن بي و كافر بالكواكب"، پس جس نے یہ کہا کہ ہم بارش اللہ کے فضل و کرم اور رحمت سے دیئے گئے ہیں وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے ستاروں سے کفر کیا، "وأما من قال مطرنا بنوء كذا فذلك كافر بي ومؤمن بالكواكب" اور جس نے یہ کہا کہ ہم فلاں فلاں تارے کی وجہ سے بارش دیئے گئے ہیں تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری و مسلم۔ الترغیب ۲/۱۱۰) بخاری (۸۴۶) مسلم مع نووی ۱/۲/۵۹، ۶۰۔

(۱) تقویۃ الایمان شاہ شہید ص ۸۵ تا ۹۰۔الدار السلفیہ بمبئی۔ تطہیر المجتمعات، قاضی احمد بن حجر ص ۲۷ تا ۷۶، کتاب التوحید طبع الرضا والسنۃ لاہور ص ۲۳۷ تا ۲۵۶۔

(۲) رواہ ابو داؤد وابن حبان، ہدایۃ المستفید ۲/۸۵۶، احمد ۱/۴۳۸۔ صحیح ابی داؤد (۳۳۰۹) وموارد الظمآن (۱۴۲۷)۔

(۳) احمد، طبرانی، رواۃ ثقات الا ابن لہیعہ۔ ہدایۃ المستفید ۲/۵۹۔۲۵۸، صحیح الجامع۔ (۶۲۶۴) صحیح الترمذی (۱۳۱۴)، ابن ماجہ (۳۵۳۸)، مسند احمد ۲/۲۲۰۔ مجمع الزوائد ۵/۱۰۵، بحوالہ الصحیحۃ ۳/۵۴ حدیث (۱۰۹۵)۔

(رضوان اللہ علیہم) نے عرض کی کہ اس کا کفارہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دعا ہے: "اللهم لا خير إلا خيرك و لا طير إلا طيرك و لا إله غيرك."

تحفظ عقیدہ کے لئے دوررس تدابیر نبوی

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ کام پر روانہ ہونے سے قبل ہی چھینک آ گئی، یا بلی راستہ کاٹ گئی، یا پیچھے سے کسی نے آواز دے دی ہے، تو اب میرا کام نہیں ہوگا۔ اس نے دانستہ یا جان بوجھ کر نہیں تو نادانستہ انجانے میں بلی یا پیچھے سے آواز دینے والے کو نفع ونقصان کا مالک قرار دے دیا ہے۔ جو صرف اللہ تعالی کا خاصہ ہے، ایسے ہی جو آدمی ماہ صفر یا شوال کو اور یوم منگل یا بدھ کو منحوس قرار دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالی کے انتظام کو ناقص قرار دیتا اور اس کی تقسیم کو غلط سمجھتا ہے۔

پرندہ اڑا کر کام ہونے یا نہ ہونے کی فال لینے والا پرندے کو کیا سمجھ بیٹھا ہے؟ کیا اسے اللہ تعالی کے خاصہ غیب دانی سے کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ بھئی یہ سب شیطان کی چالیں ہیں۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ یہ مسلمان کھلے طور پر اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائے گا۔ تب وہ اسے ان چور دروازوں میں داخل ہونے کی ترغیب دینے لگتا ہے، اور اپنے حربے میں وہ کافی کامیاب جا رہا ہے، کیونکہ آج جاہلانہ رسوم ونظریات نے پھر سے بال و پر نکالنے شروع کر دیئے ہیں۔ بلکہ کثیر افراد معاشرہ کے دلوں میں انہوں نے نرم گوشہ پالیا ہے۔ جبکہ ہمارے رسول رحمت ﷺ نے چودہ سو برس پہلے ان نظریات کی کھلے طور پر تردید کر دی تھی۔

چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ارشاد نبوی ہے۔

"لا عدوى و لا طيرة و لا هامة و لا صفر."

بیماری میں چھوت چھات کو ماننا، پرندہ (۱) اڑا کر فال لینا، الو کی آواز سے

---

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، نبی ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "الطيرة شرك" پرندہ اڑا کر بدشگونی لینا شرک ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین مرتبہ دہرائی، امام ترمذی نے امام بخاری سے سلیمان بن حرب کا قول نقل کیا ہے کہ یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اپنا قول ہے، نہ کہ حدیث رسول ﷺ،

بدشگونی لینا۔اور ماہ صفر کو منحوس سمجھنا فضول باتیں ہیں۔(۱)

اور مسلم شریف کی اسی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"لانوء ولاغول."(۲)

بارش ہونے میں برجوں یا ستاروں کی تاثیر اور بھوت پریت سب بیکار باتیں ہیں۔

اس ارشاد رسالت مآب میں صرف ایک جملہ قدرے وضاحت طلب ہے۔ وہ یوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''لاعدویٰ'' چھوت چھات کوئی چیز نہیں، یا بالفاظ دیگر کوئی مرض مشیت الٰہی کے بغیر ایک سے دوسرے تک منتقل نہیں ہوسکتا۔ دراصل عہد جاہلیت میں لوگوں کا تصور یہ تھا کہ اللہ تعالی کے سوا بھی کوئی ہستی موجود ہے، جو بناؤ بگاڑ، مرض وشفا اور دیگر امور کا اختیار رکھتی ہے۔ جو کہ سراسر شرک ہے۔اس انداز سے سوچنے والے شخص کے دل سے اللہ تعالی کی قدرت کا صحیح تصور معدوم اور ختم ہوجاتا ہے اور اس کے برعکس غیر اللہ کی طاقت واختیار کا تصور راسخ ہوجاتا ہے۔

ہاں اگر اللہ تعالی سے ہونے اور غیر اللہ سے نہ ہو سکنے کا یقین دل میں جاگزیں ہو جائے تو اس کے بعد اسباب وذرائع کے استعمال میں چنداں مضائقہ نہیں۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اسی عقیدۂ توحید کی حفاظت کے لئے انتہائی دوررس تدابیر اختیار فرمائیں، حتی کہ بخاری شریف میں ارشاد فرمایا:

بقیہ پچھلے صفحہ کا: (ابوداؤد، ترمذی، مشکاۃ شریف ۴۵۸۴)۔

(۱) رواہ البخاری کمافی المشکاۃ ج ۲، حدیث ۴۵۷۷، بخاری (۵۷۷۰) ہی کی ایک روایت میں ہے کہ جب نبیٔ اکرم ﷺ نے لاعدوی ولاھامۃ ولاصفر۔فرمایا تو ایک اعرابی نے کہا: اے اللہ کے رسول! اچھے بھلے ہرنوں کی طرح اونٹ ریگستان میں ہوتے ہیں۔ایک خارش زدہ اونٹ ان میں آکر مل جاتا ہے اور سب کو خارش زدہ کر دیتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "فمن أعدى الأول"، بخاری، حدیث (۵۷۷۰) مسلم مع نووی ۷/۱۴، ۲۱۳، اگر آپ کا یہ خیال ہے (کہ بیماری متعدی ہوتی ہے) تو یہ بتائیں کہ اس پہلے اونٹ کو بیماری کیسے اور کہاں سے لگ گئی؟ (مشکوٰۃ ۴۵۷۸)۔

(۲) مسلم نووی ۷/۱۴/ ۲۱۶۔ لانوء کے الفاظ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ولاغول کے الفاظ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

"فر من المجذوم كما تفر من الأسد." (۱) کوڑھی سے اس طرح دور بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔

اور مسند کی ایک حدیث میں ارشاد رسالت مآب ہے کہ ''جس علاقے میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہو، وہاں سے باہر کوئی نہ جائے اور نہ وہاں باہر سے کوئی آئے''۔ (۲)

یہ دوررس حفاظتی تدابیر صرف اس لئے تھیں کہ اگر کسی کی تقدیر میں وہ بیماری لکھی تھی، اور وہاں جانے پر ظاہر ہوگئی ہو، تو کہیں وہ یا دوسرے لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ یہ بیماری انہی سے لگی ہے۔ حالانکہ بیمار کرنا یا شفا دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لہٰذا دل میں یہ یقین رہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے، سب مشیت الٰہی سے ہی ہو رہا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ طاعون و کوڑھ میں مبتلا لوگوں سے اختلاط رکھنے میں احتیاط رکھے تاکہ شیطان کے داؤ میں آکر عقیدہ کو ٹھیس نہ پہنچ سکے۔ اگر یہ عقیدہ و عمل اپنا لیا جائے تو پھر چھوت چھات والی حدیث کا کوڑھی سے بھاگنے والی حدیث کے ساتھ کوئی تعارض یا اختلاف باقی نہیں رہتا۔ (۳)

غیر اللہ کی قسم کھانا

آج کل ایک رواج عام ہو چکا ہے کہ جب کبھی قسم کھانے کی ضرورت پیش

(۱) بخاری کمافی المشکاۃ ج ۲ حدیث ۴۵۷۷-۸۰ (بخاری (۵۷۰۷))۔

(۲) مسند احمد ۱/۸۶-۸۰-۱۷۸، ۳/۴۱۶، ۳۵۷-۱۰-۸-۲۰۶۔

(۳) معاشرہ کی مہلک بیماریاں اور ان کا علاج ص ۱۶۲ تا ۱۷۱ اور تفصیلی معلومات کے لئے ہدایۃ المستفید اردو ترجمہ فتح المجید ص ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۳۶، ۸۳۹، و آیت سورۂ اعراف ۱۳۱ ﴿آلا إنما طائرهم عند الله﴾ الخ۔ وتشریح حدیث ''لا عدوى" و "فر من المجزوم" ص ۸۳۹ تا ۸۴۳ مع ذکر حدیث المجزوم الذی امرہ النبی ﷺ بالأكل معہ بقولہ ''کل باسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ''۔ (رواہ احمد) ص ۸۴۴ تا ۸۶۰ ففیہا بحوث مہمۃ جداً۔ یہی واقعہ ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔ جیسا کہ مشکاۃ حدیث ۴۵۸۵ میں بھی ہے۔ اور امام ترمذی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ اور شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ انظر تعلیق الالبانی علی حدیث المشکوۃ رقم ۴۵۸۵، ابو داؤد ۳۹۰۵، ۳۹۲۵۔ موارد الظمآن (۱۴۳۳) الحاکم ۴/۱۳۶، ۱۳۷۔ یہ حدیث ضعیف ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو

آ جائے تو اللہ تعالی کی قسم کھانے کی بجائے کسی غیر اللہ کی قسم کھائی جاتی ہے۔کوئی کہتا ہے''مجھے اپنے بیٹے کی قسم''،کوئی اپنے ماں باپ کی قسم کھاتا ہے،اور بعض لوگ اپنی کسی بھی محبوب چیز کی قسم کھانے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔شرافت کی قسمیں کھائی جاتی ہیں،امانت کی قسم کھائی جاتی ہے۔مخاطب کی شخصیت یا اس کے سر کی قسم کھانا بھی مروج ہے۔بلکہ مزاج مسلم کے بگاڑ کا یہ عالم ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو یقین دلانے کے لئے اللہ تعالی کے نام کی قسم کھانا چاہے،تو اس کی بات کا یقین نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کی قسم کو یقینی قرار دینے کے لئے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ تم اپنے پیر و مرشد،اپنے استاد،اپنی بیوی یا اولاد یا پھر فلاں بزرگ وولی کی قسم کھاؤ،تو ہم مان لیں گے۔یہ رواج ایک متبع سنت کے لئے انتہائی نازیبا ہے۔کیونکہ سرور کائنات ﷺ نے کسی بھی غیر اللہ حتی کہ کعبہ شریف جیسے مقدس مقام کی بھی قسم کھانے کو ناجائز وشرک قرار دیا ہے۔

کتب حدیث میں سے صحیح ترین چھ کتب صحاح ستہ اور موطأ امام مالکؒ میں ارشاد نبوی ہے:

"إن الله ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، من كان حالفاً فليحلف بالله أو ليصمت."(۱)

بے شک اللہ تعالی تمہیں آباء اجداد کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔اگر کسی کو قسم کھانی ہی ہے تو اسے چاہیئے کہ اللہ تعالی کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں ارشاد نبوی ہے:

"من حلف له بالله فليرض ومن لم يرض بالله فليس من الله."(۲)

بقیہ پچھلے صفحہ کا: الضعیفۃ للألبانی (۱۱۴۴) ضعیف ابن ماجہ ۶۷۷،ضعیف الترمذی ۳۹۷،ضعیف الجامع ۴۲۰۰۔

(۱) الترغیب ۵/ ۲۰۸،حدیث ۴۲۷۳، بخاری (۶۶۴۶) مسلم مع نووی ۶/ ۱۲،۱۰۵،۱۰۶،صحیح ابی داؤد (۲۷۸۵)، صحیح ترمذی (۱۲۴۱)،صحیح نسائی (۳۵۲۵)۔

(۲) سنن ابن ماجہ (۲۱۰۱)

جس کے سامنے اللہ تعالی کی قسم کھائی جائے اسے راضی ہو جانا چاہئیے (اور یقین کر لینا چاہیئے) اور جو شخص اللہ کی قسم پر راضی نہیں ہوتا اللہ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

سنن نسائی میں ایک حدیث ہے کہ ایک یہودی نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تم لوگ شرک کرتے ہو۔ کیونکہ تم کہتے ہو، جو اللہ چاہے اور تم چاہو۔ اور کعبہ کی قسم تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إذا أرادوا أن يحلفوا أن يقولوا ورب الكعبة." (۱)

کہ جب بھی قسم کھائیں تو (کعبہ شریف کی قسم نہ کہیں) بلکہ رب کعبہ کی قسم کہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد۔ والدین یا اولاد تو درکنار خود کعبہ شریف کی قسم کھانا بھی شرک ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ نے یہودی کے اس اعتراض کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ صحابہ کو رب کعبہ کی قسم کھانے کا حکم فرمایا ہے۔

ترمذی، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ہے کہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی شخص کو کعبہ شریف کی قسم کھاتے سنا، تو فرمایا کہ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کی قسم مت کھاؤ۔ کیونکہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

---

(۱) رواہ النسائی، ہذا فی ہدایۃ المستفید ترجمہ فتح المجید ۲/ ۱۱۳۸ طبع طارق اکیڈمی طبع بامر مرکز الدعوۃ پاکستان لاہور۔ صحیح نسائی (۳۵۴۳) باب الحلف بالکعبۃ کتاب الایمان بالنذور۔

اور اس حدیث کا بقیہ یوں ہے۔ "وأن يقولوا ما شاء الله ثم شئت." جو اللہ چاہے، پھر جو تو چاہے۔ اس حدیث میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ کسی بھی ہستی کی مشیت کو مشیت الہی کے ساتھ برابر طور پر نہ سمجھا جائے۔ مثلاً یہ نہ کہا جائے کہ اب اللہ اور آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں، بلکہ معمولی سا فرق کریں اور کہیں کہ اب اللہ کے اور پھر آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں۔ اس معمولی فرق سے کتنا بڑا نکتہ توحید حل ہو جاتا ہے۔ اور یہ معمولی فرق نہ کرنے سے یہی جملہ شرکیہ بن جاتا ہے۔ مسند احمد ۶/ ۳۷۱، ۳۷۲، مستدرک حاکم ۴/ ۲۹۷۔ بحوالہ الصحیحۃ حدیث (۱۳۶)۔

"من حلف بغير الله فقد كفر أو أشرك."(۱)
جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے کفر کیا، یا شرک کیا۔

(رواہ الترمذی وحسنہ وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرطھما)

ابوداؤد شریف میں ارشاد نبوی ہے۔

"من حلف بالأمانة فليس منا."
جس شخص نے امانتداری کی قسم کھائی وہ ہم میں سے نہیں۔(۲)

یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"لأن أحلف بالله كاذباً أحب إلى من أن أحلف بغيره وأنا صادقٌ."(۳)
میرے لئے غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ بہتر ہے۔

اور وہ اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم گناہ تو ہے مگر شرک یا کفر نہیں۔ جب کہ غیر اللہ کی قسم چاہے سچی ہی کیوں نہ ہو، وہ گناہ کبیرہ اور شرک ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرح ہی غیر اللہ کی تعظیم بھی مقصود ہو تو یہ کفر ہے۔

---

(۱) صحیح الترمذی (۱۲۴۱) صحیح ابی داؤد (۲۷۸۷) مسند احمد ۲/ ۸۶، ۸۷، ۶۷، الحاکم ۱/ ۱۸، الموارد للہیثمی (۱۱۷۷) الصحیحہ (۲۰۴۲)۔ حدیث کے آخر میں راوی نے حرف ''أو'' استعمال کیا ہے یہ راوی کا شبہ ہے کہ آپ ﷺ نے ''فقد کفر'' ارشاد فرمایا تھا۔ یا ''فقد أشرک''۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ''أو'' بمعنی ''وھو'' اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: فقد کفر واشرک۔ اس دوسری صورت میں بڑے کفر سے چھوٹا کفر، اور بڑے شرک سے چھوٹا شرک مراد ہوگا۔ (انظر فتح المجید ۲/ ۱۱۲۰) (اُردو)۔

(۲) الترغیب حدیث ۴۲۷۶۔ صحیح ابی داؤد (۲۷۸۸)، مسند احمد ۵/ ۳۵۲، الصحیحہ (۹۴)

(۳) طبرانی موقوفا وقال المنذری: رواتہ، رواۃ الصحیح، الترغیب ۵/ ۲۰۹، حلیۃ الأولیاء ۷/ ۲۶۷، تاریخ اصفھان ۲/ ۱۸۱ موقوف علی ابن مسعود۔

سحر یا جادو

بعض لوگ فطرتاً اور عادتاً فتنہ پرور اور تماشہ بین ہوتے ہیں، وہ دوسروں کو کڑھتے اور سسکتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ دوسرے کا گھر اجڑتے دیکھ کر انہیں بڑا سکون ملتا ہے۔ اور جب تک وہ روزانہ کسی نہ کسی کو کسی رنگ میں کوئی تکلیف واذیت نہ پہونچالیں انہیں چین نہیں ملتا۔ انہی بدفطرت لوگوں میں سے ایک گروہ، ساحروں یا جادوگروں کا بھی ہے۔ اور وہ لوگ بھی انہی کے ساتھ ہیں جو خود تو جادو کرنا نہیں جانتے، مگر دوسروں کے لئے جادو کرواتے ہیں۔ اس کج فطرت اور بدخصلت گروہ نے کتنے ہی افراد معاشرہ کو جزو معطل بنا رکھا ہے۔ آج کل جادو کرنے والے ساحر تو عموماً مرد ہی ہوتے ہیں، مگر ان کے گاہکوں میں مردوزن سبھی شامل ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان میں عورتوں ہی کی اکثریت ہوتی ہے، معمولی معمولی باتوں پر گھروں کے گھر اجاڑ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

کسی نوجوان کی شادی گھر والوں نے برادری یا رشتہ داروں سے باہر کرنا چاہی، تو وہ لوگ آڑے آئے، جو اپنے گھر رشتہ دینے کیلئے آس لگائے بیٹھے تھے۔ مگر ان کی بات نہ بن پڑی۔ اور شادی باہر ہوگئی۔ اب انہوں نے اپنی اس ناکامی کا بدلہ لینے کا ارادہ کرلیا۔ اور سوچ لیا کہ چلو یہ شادی تو باہر کر ہی چکے ہیں، مگر ہم بھی انہیں سکھ کی سانس نہیں لینے دیں گے، کسی جادو یا تعویذ گنڈہ کرنے والے کے پاس جا نکلے، اسے فیس دی اور ایسا نسخہ تیار کروایا، جس کے اثر سے نو بیاہتا جوڑے کی ہنستی کھیلتی زندگی میں یکا یک انقلاب آیا، حتی کہ روز کی لڑائی جھگڑا اور سر پھٹول ان کی زندگی کا معمول بن گیا۔ کبھی تو اسی حالت میں بسر ہوتی گئی، اور کہیں جلد ہی طلاق کی نوبت آ گئی۔

کبھی معاملہ اس کے برعکس یوں ہوتا ہے کہ کسی سے لڑکی کا رشتہ مانگا، انہوں نے کسی وجہ سے انکار کر دیا۔ اور اپنی بیٹی کی شادی کہیں اور جگہ کر دی جن سے

لڑکی والوں نے انکار کیا تھا، وہ پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ ان کے انکار کو اپنی عزت کا مسئلہ بنالیا ہے، اور ساتھ ہی فی سبیل اللہ فساد کا ارادہ کر کے طے کرلیا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر کی بہو نہیں بن سکتی، تو ہم بھی اسے کسی دوسرے گھر میں سکون سے جینے نہیں دیں گے۔ کسی روسیاہ جادو کرنے والے کو نذرانہ پیش کیا، اور خوشیوں بھرے گھر کو سنسان اجاڑ کی شکل میں بدلنے کا، دنگے فساد کا اکھاڑہ بنانے کا سامان جادو بھرے تعویذوں کی شکل میں لے آئے۔

بنی آدم اور خلق خدا کو تکلیف واذیت پہنچانے کے کئی طریقے ایجاد ہو چکے ہیں۔ اور یہ لوگ پینترے بدل بدل کر کرواتے ہیں، معروف محدث ومورخ اور سرکردہ مفسر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر قرآن میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ کی تفسیر کے ضمن میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جادو کی آٹھ مختلف شکلیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں سے:-

ایک کلدانیوں کا جادو ہے، جو سات ستاروں کے پرستار تھے، اور انہیں نظام عالم میں دخیل اور خیر وشر پر قادر سمجھتے تھے۔ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام انہی کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔

دوسری قسم کا جادو وہ ہے جس میں جھاڑ پھونک اور عمل تسخیر کے ذریعے جنات کے ساتھ رابطہ کیا جاتا ہے۔ اور پھر ان سے مدد لی جاتی ہے۔ نظر بندی، فکر بندی، یا مداری گروں والی شعبدہ بازی اور علم نجوم بھی از قسم جادو ہے۔ اور اسی کی ایک قسم وہ خرافات بھی ہیں جنہیں یہ مکار لوگ ابومعشر فلکی اور شمس المعارف کی کتابوں سے لکھ لکھ کر دیتے ہیں۔ اور اسی قسم کی ایک کتاب ''السر المکتوم فی مخاطبۃ الشمس والنجوم'' امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ہے(۱)۔ جس کے بارے میں اہل علم نے کئی

خیالات کا اظہار کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن خلکان وغیرہ)

یہ فعل (جادو کرنا) سراسر کفر ہے، جس کا قرآن و سنت سے ثبوت تو ہم آئندہ پیش کریں گے، مگر کیا یہ صحیح نہیں کہ میاں بیوی میں تفریق پیدا کرنا، دوست و احباب میں نفرت کے بیج بونا، جس کا دل پسند مشغلہ ہو، دوسروں کو دکھ اور اذیت پہنچانا جن کا من پسند کھیل ہو، اسے بھلا اسلام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ اور اگر کوئی ایسا شخص پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا رہے، تو پھر اسے یہی کہہ سکتے ہیں۔ ؎

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

بڑا اندھیر ہے اکثر مسلماں یہ سمجھتے ہیں
کہ بداعمال ہو کر بھی مسلمانی نہیں جاتی

(ظفر علی خانؒ)

جادو کا اثر و وجود

علامہ عبدالرحمٰن بن حسن آل الشیخ ''کتاب التوحید'' کی شرح ''فتح المجید'' میں معروف فقیہ و مجتہد امام ابن قدامہ رحمہ اللہ کی کتاب ''الکافی'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: کہ ''سحر یا جادو ان تعویذ گنڈوں اور دھاگے کی گرہوں کو کہتے ہیں، جو کسی انسان (یا کسی جاندار) کے بدن اور خصوصاً دل پر اثر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتا ہے، اور کبھی کبھی موت بھی واقع ہو جاتی ہے۔ جبکہ بعض اوقات میاں بیوی میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔

---

(۱) اس کتاب کی نسبت امام غزالی کی طرف مشکوک قرار پائی ہے، اور علامہ ابن حجر آف قطر نے تو تطہیر المجتمعات ص ۱۳۸ (اردو) ترجمہ میں اس کتاب سے انہیں بری قرار دیا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں اور ان اقسام جادو کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۷۶۔۷۷۔۱۷۸، طبع مکتبۂ تعمیر انسانیت لاہور، اور الزواجر لابن حجر الہیثمی ۲/۱۰۱ طبع بیروت۔

جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں ہاروت وماروت کے ذکر میں مذکور ہے:

﴿فيتعلمون منهما ما يفرقون به بين المرء و زوجه﴾(۱)

یہ لوگ ان سے وہ چیز (جادو) سیکھتے ہیں، جس سے وہ شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دیں۔

قرآن کریم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ جادو سیکھنے والا اور اسے بروئے کار لانے والا کافر ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ بقرہ (آیت ۱۰۲) میں ہاروت وماروت کا قول ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

﴿إنما نحن فتنة فلا تكفر﴾

یقیناً ہم ایک فتنہ وآزمائش کے لئے ہیں، تم کفر میں نہ پڑو۔

اور آگے چل کر فرمایا:

﴿وما كفر سليمان ولكن الشياطين كفروا يعلمون الناس السحر﴾.

سلیمان (علیہ السلام) نے کفر کی کوئی بات نہیں کی، بلکہ ان شیطانوں نے ہی کفر کیا اور وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں: جادو کی کوئی حقیقت نہیں، یہ محض نظر بندی اور نگاہوں کا فریب ہوتا ہے۔(۲) حالانکہ اکثر ائمۂ کرام اور اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ جادو ایک حقیقت ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہی نہ ہوتی، تو اللہ تعالی اس سے پناہ مانگنے کی تعلیم وتلقین نہ فرماتے۔ حالانکہ تیسویں پارے کی سورۂ فلق میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿قل أعوذ برب الفلق من شر ما خلق ومن شر غاسق إذا

---

(۱) بدایۃ المستفید ترجمہ فتح المجید ۲/۴/۲۷۷۔

(۲) یہ رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور فرقۂ معتزلہ کی ہے (ابن کثیر ۷۹، ۱۷۸، اردو طبع مکتبہ تعمیر انسانیت، معاشرہ کی مہلک بیماریاں ترجمہ تطہیر المجتمعات مولفہ احمد بن حجر آف قطر ص ۱۳۴)۔

وقب ومن شر النفثٰت فی العقد ومن شر حاسد إذا حسد﴾

اس سورہ میں ''ومن شر النفثٰت فی العقد'' کا معنی ہی یہ ہے کہ (میں پناہ مانگتا ہوں) گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے۔(۱)

اگر یہ کوئی موثر چیز نہ ہوتی، محض فریب نظر ہی ہوتا، تو پھر اس سے پناہ مانگنے کا کوئی معنی ہی نہیں رہتا، اور سورۂ بقرہ میں جس فعل کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ وہ بے حقیقت و بے اثر کیسے ہوسکتا ہے؟ اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۶۹ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ولا یفلح الساحر حیث أتی﴾

جادوگر جہاں بھی جائے فلاح نہیں پائے گا۔

اور جادو کی حقیقت اور اس کے اثر سے انکار کیسے کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ ان قرآنی تصریحات کے علاوہ خود رسول رحمت ﷺ پر بھی ایک مرتبہ جادو کا اثر ہوگیا تھا۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''ان النبی ﷺ سحر حتی أنہ یفعل الشیء وما یفعلہ."(۲)

نبی ﷺ پر جادو کا اثر ہوگیا، یہاں تک کہ بعض اوقات آپ ﷺ یہ خیال فرماتے کہ کوئی کام کررہے ہیں، حالانکہ ایسا نہ ہوتا۔

اور اسی حدیث میں مذکور ہے کہ دو فرشتے آئے، اور انہوں نے آپ ﷺ کو خبردار کیا، کہ لبید بن اعصم نے جادو کیا ہے۔ کنگھی میں دھاگے کی گرہیں لگائی ہیں۔ اور اسے خوشہ کھجور کے خول میں بند کرکے ذروان نامی کنویں میں ڈال دیا ہے۔

(بخاری شریف کتاب الطب)(۳)

---

(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگرنیوں کی بھی نزول قرآن کے زمانہ میں کثرت تھی مگر آج صورت حال کچھ بدل چکی ہے۔ جیسا کہ ہم پچھلی سطور میں ذکر کرآئے ہیں۔

(۲) بخاری، حدیث (۵۷۶۳، ۵۷۶۵)۔

(۳) نبی اکرم ﷺ کو یہودیوں کے حلیف قبیلہ بنی زریق سے تعلق رکھنے والے منافق لبید بن اعصم نے جادو کیا تھا اور فرشتوں نے جب جگہ (بئر ذروان) بتائی تو وہاں سے کنگھی اور گرہوں والا دھاگہ لایا گیا اور اسے کھولا گیا تو نبی ﷺ صحت یاب ہوگئے (تفصیل کیلئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر سورۂ فلق)۔

کیا اس کے بعد بھی جادو کی تاثیر یا وجود میں کوئی شک باقی رہ جاتا ہے؟

جادو کی مذمت وسزا

جادو کے تعویذ گنڈے کرنا کفر، اور کرنے والا کافر ہے۔ ایسے شخص کی آخرت بالکل برباد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ولقد علموا لمن اشتراه ماله فی الآخرة من خلاق ولبئس ما شروا به أنفسهم لو كانوا يعلمون﴾۔

اور انہیں (یہود کو) خوب معلوم تھا کہ جو کوئی (ایمان دے کر) جادو کا خریدار بنا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اگر وہ سمجھتے ہوتے تو کتنا برا یہ بدلہ ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔

سلف صالحین کی کثیر تعداد اور ائمہ کرام میں سے امام مالک، امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہم اللہ نے جادوگر کو کافر قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں کچھ تفصیل ہے۔ اور پھر وہ بھی جادوگر کو کافر ہی قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کفر ہی قرار دیا ہے۔(۱)

اور رسول رحمت ﷺ نے بھی اس کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ چنانچہ بخاری ومسلم اور ابوداؤد ونسائی شریف میں ارشاد نبوی ہے۔

"اجتنبوا السبع الموبقات." (۲)

سات ہلاکت انگیز اور بلا خیز چیزوں سے بچو۔

---

(۱) ہدایۃ المستفید ۲/۷۶۰،۷۷۴، بتصرف، سورۂ نساء کی آیت ۵۱،۵۲، میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر لعنت فرمائی ہے، اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ :یؤمنون بالجبت والطاغوت۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے "جبت" جادو کو، اور "طاغوت" شیطان کو کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ابن حاتم وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ (فتح المجید شرح کتاب التوحید ص ۲۳۹ طبع ریاض، سعودیہ۔)

(۲) بخاری (۲۷۶۶-۵۷۶۴)، مسلم مع نووی ۱/۲/۸۳، صحیح ابی داؤد (۲۴۹۸)، صحیح نسائی (۳۴۳۲)، صحیح الجامع (۱۴۴)۔

اور استفسار پر آپ ﷺ نے ان سات کو ایک ایک کر کے شمار فرمایا، تو سب سے پہلے ''الشرک باللہ'' اور پھر ''السحر'' یعنی جادو کرنے کا نام لیا، اس سے معلوم ہوا کہ کبیرہ اور مہلک گناہوں میں سے شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ جادو کرنا ہے، وہ چاہے تعویذوں کی شکل میں ہو، چاہے دھاگے میں گرہوں اور پھونکوں کی صورت میں۔ مصنف عبدالرزاق کی ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:-

"من تعلم شيئا من السحر قليلا كان أو كثيرا كان آخر عهده من الله." (۱)

جس شخص نے تھوڑا یا زیادہ جادو سیکھا، اس کا معاملہ اللہ تعالی سے ختم ہوا۔

اور ایک حدیث میں ارشاد رسالت مآب ہے۔

"ليس منا..... من سحر أو سُحر له." (۲)

جس شخص نے جادو کیا یا کروایا وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔

اور جادوگر کے جرم کی مناسبت سے ہی اس کی آخرت میں سزا ہوگی۔ اور دنیا میں بھی اس کی سزا قتل ہے۔

جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے مرفوعا مروی ہے:

"حد الساحر ضربة بالسيف." (۳)

جادوگر کی سزا یہ ہے کہ اسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

---

(۱) یہ حدیث مرسل ہے۔ (فتح المجید ص ۲۳۸، طبع مکتبہ الریاض، السعودیہ)۔ بحوالہ مصنف عبدالرزاق ۱۰/۱۸۴، حدیث (۱۸۷۵۳)۔

(۲) جزء من حدیث رواہ البزار بسند جید، والطبرانی بسند حسن، انظر الترغیب ۵/۲۴۵، حدیث ۴۳۸۴، مسند بزار ص ۱۶۹، والطبرانی فی الکبیر (ق ۳/۷۳/۱) بحوالہ الصحیحہ، حدیث ۲۱۹۵، صحیح الجامع (۵۴۳۵)، مجمع الزوائد ۵/۱۱۷۔

(۳) رواہ الترمذی وقال: والصحیح أنہ موقوف، کذا فی فتح المجید ص ۲۴۲ طبع الریاض۔ ضعیف الترمذی (۲۴۴) دار قطنی (۱۱۲) الحدود طبرانی (۱۶۶۶) الحاکم ۴/۳۶۰۔ اس حدیث کو شیخ البانی نے ضعیف کہا ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الضعیفہ (۱۴۴۶) فتح الباری ۱۰/۲۲۶ مصنف عبدالرزاق ۱۰/۱۸۴، حدیث (۱۸۷۵۳)۔

اور صحیح بخاری شریف میں مذکور ہے: "كتب عمر بن الخطاب أن اقتلوا كل ساحر و ساحرة." (۱)

حضرت عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) نے (مختلف علاقوں کے علماء کو) لکھا کہ ہر جادوگر مرد و زن کو قتل کر دو۔

اور نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دختر نیک اختر ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے موطأ امام مالک میں ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی ایک کنیز کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، جس نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر جادو کا وار کیا تھا۔ چنانچہ اس کنیز کو قتل کر دیا گیا۔ (۲)

اس طرح تین صحابۂ رسول (حضرت عمر، جندب، حفصہ رضی اللہ عنہم) سے ساحر کا قتل ثابت ہے۔ اور حدیث جندب کی رو سے امام مالک، امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ نے جادوگر کی سزا قتل قرار دی ہے۔ جبکہ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت حفصہ، حضرت جندب بن عبداللہ، حضرت جندب بن کعب، حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہم اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ساحر کی سزا قتل مروی ہے۔ (۳)

البتہ یہ بات پیش نظر رہے کہ جادوگر کی سزائے قتل ہر کس و ناکس کے ہاتھوں نہیں ہوگی، بلکہ اس سزا کا نفاذ صرف حاکم و قاضی کروائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

---

(۱) فتح المجید ص۲۴۳ پر لکھا ہے کہ یہ اثر بخاری شریف میں مذکور ہے۔ اور کتاب التوحید میں جو مصنف نے اس روایت میں تین ساحروں کے قتل کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بات بخاری شریف میں نہیں ہے۔

(۲) ہذا الأثر رواہ مالک فی الموطأ، انظر فتح المجید ص۲۴۴، مصنف عبدالرزاق (۱۸۷۵۲) بحوالہ کتاب محقق، تحقیق محمد عفیفی ص۱۲۰، انظر کتاب التوحید محقق ص۱۲۰، تحقیق عفیفی، موطا امام مالک مع شرح الزرقانی، طبع دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۰۱، ۲۰۲، حدیث (۱۶۸۹)۔

(۳) انظر فتح المجید ص۴۴، ۲۴۳، طبع الریاض، السعودیہ، و تفسیر ابن کثیر اردو ج ۱ ص۱۷۹، طبع مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور۔

اقسام سحر

امام رازی رحمہ اللہ نے جادو کی آٹھ قسمیں یا شکلیں ذکر کی ہیں۔ ان سب کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ میں بالتفصیل نقل کیا، اور آخر میں لکھا ہے، کہ جادو کی یہ اقسام صرف لغوی یا لفظی اعتبار سے ہیں۔ (۱)

لغوی یا لفظی اقسام سحر کے علاوہ بعض امور ایسے بھی ہیں جو نتائج وعواقب اور اپنے اثرات کے اعتبار سے بھی جادو سے ملتے جلتے ہیں، اور نبی اکرم ﷺ نے انہیں بھی جادو ہی قرار دیا ہے۔ مثلاً:-

مسند احمد، ابوداؤد، نسائی وابن حبان میں ارشاد نبوی ہے:

"إن العيافة والطرق والطيرة من الجبت." (۲)

پرندوں کو اڑانے، زمین پر (۳) خطوط کھینچنے، اور کسی کو دیکھنے سے فال بد لینا سب جادو کی اقسام ہیں۔

اور ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان میں ارشاد رسالت مآب ہے:

---

(۱) عربی زبان میں سحر یا جادو ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بہت لطیف اور باریک ہو، اور ظاہر میں اس کے اسباب انسان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ جائیں۔ اس اعتبار سے نبی کریم ﷺ نے فصاحت و بلاغت والے بیان کو جادو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم، ابوداؤد وترمذی، موطا امام مالک اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے: ''إن من البيان لسحراً''۔ فصاحت وبلاغت میں جادو کا اثر ہوتا ہے (ابن کثیر ۱/ ۱۷۸)۔ حضرت صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے سچ فرمایا ہے کیونکہ بعض اوقات مدعا علیہ اصل حقدار کی نسبت فصیح وبلیغ یا چرب زبان ہونے کی وجہ سے سامعین کو مسحور اور قائل کر کے دوسرے کا حق چھین لیتا ہے۔

البتہ وہ فصاحت وبلاغت جس سے حق وانصاف کی وضاحت ہوتی ہو، باطل کی بیخ کنی کی جائے اور اس میں بے جا طوالت بھی نہ ہو، تو یہ قابل تحسین وستائش ہے۔ (بدایۃ المستفید ۲/ ۷-۸۰۶)۔

(۲) مسند احمد ۳/ ۴۷۷، سنن ابی داؤد (۳۹۰۷) ابن حبان (۱۴۲۶) ضعیف الجامع (۳۹۰۴) اس حدیث کی سند میں ایک راوی حیان بن العلاء ہے جس کی توثیق ابن حبان کے سوا کسی دوسرے نے نہیں کی۔ ابن العلاء کے علاوہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ تخریج ریاض الصالحین ص ۶۳۷ حدیث (۱۶۶۸)۔

(۳) زمین پر خطوط کھینچ کر فال بد لینا ''الطرق'' کا ترجمہ ہے جب کہ اسی کے ذیل میں علامہ عبدالرحمٰن بن حسن لکھتے ہیں کہ عوف نے الطرق کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، جب کہ ابو السعادات النہایۃ میں لکھتے ہیں، عورتوں کا کنکریاں پھینک کر فال نکالنا الطرق کہلاتا ہے۔ (بدایۃ المستفید ۲/ ۹۸،۷۹۷)۔

"من اقتبس شعبةً من النجوم فقد اقتبس شعبة من السحر، زاد ماز اد."

جس نے علم نجوم کچھ بھی حاصل کیا، تو اس نے گویا جادو سیکھ لیا۔ اور جس قدر زیادہ سیکھتا جائے گا اتنا ہی اس کی وجہ سے گناہ میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔(۱)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ علم نجوم کو بھی رسول رحمت ﷺ نے جادو کی ایک قسم قرار دیا ہے۔

اور نسائی شریف میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''من عقد عقدة ثم نفث فيه فقد سحر، ومن تعلق شيئا وكل إليه" (۲)

''جو شخص (تعویذ گنڈہ کے وقت کسی چیز کو) گرہ دیتے ہوئے اس میں پھونک مارے اس نے جادو کیا (اور جو شخص جادو کرے اس نے شرک کیا) اور جو کوئی اپنے جسم پر تعویذ دھاگہ لٹکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

اس روایت کو البانی نے ضعیف میں الجامع میں ذکر کیا ہے، اور یہ روایت ضعیف ہے۔ اس حدیث میں تعویذ کرتے وقت کسی دھاگے وغیرہ کو گرہ دیتے ہوئے جو پھونک ماری جاتی ہے، جس کے لئے نبی ﷺ نے لفظ نفث استعمال فرمایا ہے، اسی لفظ کا ترجمہ وتشریح بیان کرتے ہوئے امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ نفث اس پھونک کو کہتے ہیں جس میں آب دہن کی آمیزش بھی ہو۔ یہ خاص جادوگر کا عمل ہے۔ جب وہ کسی پر جادو سے حملہ کرنا چاہتا ہے، تو وہ ارواح خبیثہ (جنات) اور شیاطین سے

---

(۱) رواہ ابوداؤد واسنادہ صحیح کذافی کتاب التوحید مع فتح المجید ص ۲۴۸ طبع الریاض وقال العلامہ عبدالرحمٰن بن حسن و کذا صححہ النووی، والذہبی ورواہ احمد وابن ماجہ، صحیح ابی داؤد (۳۳۰۵) مسند احمد ۱/۳۱۱، ابن ماجہ (۳۷۲۶)، الصحیحہ (۷۹۳) صحیح الجامع (۶۰۷۴)۔

(۲) سنن نسائی ۷/۱۱۲ مع حاشیہ السیوطی والسندی، ضعیف الجامع (۵۷۱۴) یہ حدیث ضعیف ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

بھی مدد لیتا ہے۔اور اس دھاگے کو گرہ دیتے وقت اس میں ایسی پھونک مارتا ہے جس میں لعاب دہن کی آمیزش ہوتی ہے،اور اس پھونک سے زہریلا مادہ خارج ہوتا ہے۔ اس پھونک میں خبیث روحیں اور شیطان اس جادوگر کی مدد کرتے ہیں۔اور اس کے ساتھ ہی اس گرہ میں پھونک مارتے ہیں۔ چنانچہ جس پر جادو کرنا مقصود ہو اس پر اثر ہو جاتا ہے۔(۱)

اور اس حدیث میں لٹکانے کے بارے میں علامہ عبدالرحمٰن بن حسن لکھتے ہیں:

''جس شخص کا قلبی تعلق کسی غیر اللہ سے ہو جائے ،وہ اس کو معتمد علیہ اور قابل بھروسہ قرار دے لے،اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کرلے،تو اللہ تعالی بھی اسے اسی کے سپرد کردیتا ہے۔اس کے برعکس جو شخص اللہ تعالی پر بھروسہ کرتا ہے،وہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔اس کی حفاظت اپنے ذمے لے لیتا ہے۔اور اسے ہر شر سے محفوظ رکھتا ہے۔

اور سورۂ زمر آیت ۳۶ میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿ أليس الله بكاف عبده ﴾ (۲)

کیا اللہ تعالی اپنے بندے کیلئے کافی نہیں؟

نسائی شریف میں اس حدیث کو جوامع الکلم میں شمار کیا گیا ہے۔اور ایسے ہی مسلم شریف میں ایک حدیث ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے تو چغل خوری کو بھی جادو اثر قرار دیا ہے۔ارشاد نبوی ہے:

"ألا هل أنبئكم ما العضه؟ هى النميمة القالة بين الناس." (۳)

---

(۱) یہاں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی کے اذن سے اثر ہو جاتا ہے،مگر اس اذن سے مراد اذن شرعی نہیں، بلکہ یہ وہ اذن ہے جسے اہل علم کی اصطلاح میں ''اذن کونی وقدری'' کہا جاتا ہے۔(فتح المجید ص ۲۴۹)۔

(۲) کتاب التوحید مع فتح المجید ص ۲۴۸ طبع الریاض۔

(۳) فتح المجید: ۲۵۰، مسلم حدیث (۲۶۰۶) مسلم مع نووی ۱۵۹/۶/۸۔

کیا میں تمہیں ''عضہ'' کے بارے میں نہ بتاؤں؟ پھر خود ہی فرمایا: وہ چغلی کھانا ہے، یعنی دو شخصوں میں ایسی بات کرنا، جس سے وہ آپس میں لڑائی جھگڑے پر اتر آئیں۔

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ چغل خور اور جھوٹا آدمی ایک گھڑی میں جو فساد برپا کر دیتا ہے۔ جادوگر ایک سال میں بھی اتنا فساد برپا نہیں کر سکتا۔

اور ابوالخطاب نے اپنی کتاب ''عیون المسائل'' میں چغلی کو جادو کی ایک قسم قرار دیا ہے، اور کتاب الفروع میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: چغلی کو جادو اس لئے کہا گیا ہے کہ چغل خور بھی اپنی باتوں اور فعل سے مکر و حیلہ کر کے دوسرے کو اسی طرح اذیت و تکلیف پہنچانا چاہتا ہے جس طرح کہ جادوگر، اور بعض اوقات چغلی کا اثر جادو سے بھی زیادہ سنگین ہوتا ہے۔(۱)

●●●

(۱) فتح المجید ص۲۵۰ یا ہدایۃ المستفید اردو ترجمہ فتح المجید ۲/۵۔۸۰۴۔

علم نجوم وکہانت ورمل شریعت کی نظر میں

بعض لوگ روشن خیالی اور وسعت معلومات کا بھرم قائم رکھنے کے لئے بیٹھے بٹھائے کھٹاک سے فتویٰ داغ دیتے ہیں، کہ علم سیکھنا جائز ہے۔ چاہے کوئی بھی ہو، حالانکہ یہ نظریہ ایسے لوگوں کا ہی ہوسکتا ہے، جو غلط اور درست کے کسی شرعی معیار کو تسلیم نہ کرتے ہوں، ورنہ اس مطلق فتوے کو اس شرعی شرط کے ساتھ مقید کرنا ہوگا، کہ ہر علم سیکھنا جائز ہے۔ اگر اس میں شریعت کی مخالفت نہ پائی جاتی ہو، جب کہ بعض علوم ایسے بھی ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت کی واضح نصوص شاہد ہیں، کہ ان کا سیکھنا ناجائز وحرام ہے، اور کئی ایسے ہیں کہ جن کا سیکھنا آدمی کو کفر کی وادیوں میں پہنچادیتا ہے، اور وہ شخص سزائے قتل کا مجرم قرار پاتا ہے، جیسا کہ علم سحر یا جادو کے بارے میں ہم عرض کر چکے ہیں۔

اور اس سے ملتا جلتا اور قدرے کمتر درجے کا علم نجوم آتا ہے۔ برصغیر کے ممالک میں یہ بھی کافی عروج پر ہے، بلکہ نجومیوں اور جوتشیوں نے باقاعدہ دوکانیں سجا رکھی ہیں۔ اور انہوں نے اپنی دوکانوں کے اردگرد اور پھر دور دراز تک سڑکوں کے کناروں پر قدآدم بورڈ لگوا رکھے ہوتے ہیں، جن پر جلی حروف سے ملحدانہ ومشرکانہ شہ سرخیاں دی ہوتی ہیں، مثلاً: ''جو چاہو سو پوچھو''۔ آپ صرف انہی چار لفظوں پر غور کریں، اور سوچیں، کیا ایسے لوگوں، اور ان کے پاس پوچھنے کے لئے جانے والوں کو خدا کی بھی کوئی ضرورت رہ جاتی ہے؟ کیونکہ یہ تو خاصہ خدا ہے کہ تقدیر خیر وشر اور علم غیب صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مگر یہ لوگ ''جو چاہو سو پوچھو'' کے نعرے لگاتے پھر رہے ہیں۔ اور ہمارے بھائی ان کے ان پرکشش نعروں پر بلا سوچے سمجھے یقین کر لیتے ہیں۔ اور ایمان کا دامن جھاڑ کر ان سے رخصت ہوتے ہیں۔

اہل بدعت کا یہ گروہ مختلف ناموں سے مسلمانوں کے ایمان اور جیبوں پر ڈاکے ڈالنے میں مصروف ہے۔ان میں سے کسی کو علم نجوم کا دعوی ہے،تو کسی کو علم رمل میں،اور کوئی فن کہانت کا دھنی ہے۔اور کاہن کہلوا تا ہے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چند باتیں ملا کر مسروقہ چیز اور جائے سرقہ کی نشاندہی کر دے،اسے ''عراف'' یعنی نجومی کہا جاتا ہے(۱)اور یہی لوگ ہمارے ہاں ''سیانے'' کہلاتے ہیں۔شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عراف کا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا ہے کہ اٹکل پچو سے کام لے کر غیب دانی و کشف کا دعویٰ کرنے والے کاہن ،نجومی اور علم رمل جاننے والے کو عراف کہا جاتا ہے۔(۲)

ان لوگوں اور ان کے پاس جانے اور ان کی باتوں پر یقین کرنے والوں کے بارے میں صحیح مسلم شریف میں ارشاد رسالت مآب ہے:

"مـن أتـىٰ عرّافاً فسأله فصدّقه بما يقول لم تقبل له صلاة أربعين يوماً."(۳)

جس شخص نے کسی عراف (نجومی، کاہن، رمال یا سیانے) کے پاس جا کر اس کی تصدیق بھی کی،اس کی چالیس روز تک کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

اور ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ میں ارشاد نبوی ہے:

"مـن أتـىٰ كـاهـنـاً فصدّقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد (صلى الله عليه وسلم)."(۴)

---

(۱)ہدایۃ المستفید ۲/ ۸۱۸۔

(۲)ہدایۃ المستفید ۲/ ۱۱۹۔

(۳)مختصر مسلم،حدیث (۱۴۹۶) صحیح الجامع (۵۹۴۰) مسلم مع نووی ۷/۱۴/ ۲۲۷۔

(۴)رواہ الأربعۃ واحمد والبیہقی ورواہ الحاکم ایضا وقال ''صحیح علی شرطہما، انظر فتح المجید ص۵۳،۲۵۴، مسند احمد ۲/ ۴۰۸، صحیح ابی داؤد (۳۳۰۵)، صحیح الترمذی (۱۱۶) ابن ماجہ (۶۳۹) صحیح الجامع (۵۹۴۲)

جو شخص کسی کاہن یا نجومی کے پاس گیا، اور اس کی بات پر یقین بھی کیا، اس نے شریعت مصطفےٰ ﷺ (قرآن وسنت) کا انکار کیا۔

اور مسند بزار میں بسند جید ارشاد نبوی ہے۔

"لیس منا من .... تکهن اور تُکُهن له ."(۱)

جو کوئی کاہن بنے، یا کاہن کے پاس جا کر کچھ پوچھے، وہ ہم میں سے نہیں۔

اور علم نجوم کو نبی اکرم ﷺ نے جادو کی قسم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"من اقتبس شعبة من النجوم فقد اقتبس شعبة من السحر زاد ما زاد."(۲)

جس شخص نے علم نجوم کا کچھ حصہ حاصل کیا، تو گویا اس نے اتنا جادو سیکھ لیا، اور جس قدر سیکھتا جائے گا، اتنا ہی اس کے گناہ میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

امام ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف لطیف ''الزواجر'' میں کہانت، عرافت، پرندہ اڑا کر فال لینے، زمین پر خطوط کھینچ کر، یا کنکریوں کے ذریعے فال نکالنے، تنجیم، عیافہ، کاہن کے پاس جانے، عراف، فال نکالنے والے، نجومی، پرندہ اڑانے والے، اور عیافہ والے کے پاس جانے کو کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا ہے۔

اور کاہن کی تعریف یہ لکھی ہے: کہ جو شخص غیب کی خبریں دینے کا دعوی کرے، اور کہے کہ مجھے جن بتاتا ہے۔ اور مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پیش گوئی کرے، اور ان تمام امور میں سے بعض باتیں صحیح اور اکثر غلط

---

(۱) فتح المجید ص ۲۵۴ حاشیہ نمبر ۹۶ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ستاروں کے مشاہدہ سے مہینوں کی آمد، برجوں کا تعین، پنجگانہ نمازوں کے اوقات اور چاند وسورج گرہن معلوم کرنا۔ جس کا تمام تر دارو مدار حساب کتاب پر ہے اس کے سیکھنے سکھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تطہیر المجتمعات اردو) ص ۱۳۷ حاشیہ، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتح باب التنجیم ص ۲۷۴ تا ۲۷۸ طبع مکتبہ الریاض، الزواجر للہیثمی ۲/۱۱۰۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں حاشیہ نمبر ۱۰۴۔

ہوں۔(۱)

جادوشدہ یا آسیب زدہ کا علاج

جادو کی انواع واقسام اور اسکی مذمت وسزا کے بارے میں قرآن وسنت، ائمہ اربعہ اور کبار علماء امت کے ارشادات آپ کے سامنے رکھے جا چکے ہیں۔جن سے یہ معلوم ہوگیا کہ جادو اگر چہ شرک وکفر ہے، مگر اس کا اثر ہو جاتا ہے، اب بات صرف یہ رہ گئی کہ اگر کسی پر جادو کا اثر ہو چکا ہو، تو ایسے جادوشدہ یا آسیب زدہ آدمی کا علاج کیسے کیا جائے؟

جادوشدہ یا آسیب زدہ شخص کے علاج یا نشرہ (۲) کی صحیح شکل یہ ہے کہ قرآنی آیات اور نبی اکرم ﷺ سے صحیح وثابت ، اور مسنون دعاؤں اس کا علاج کیا جائے۔ یہ شکل جائز ہے۔ کیونکہ تابعین کرام کے سرخیل فقیہ اور ان میں سب سے بڑے اور ثقہ محدث حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بخاری شریف میں مروی ہے کہ میں نے

(۱) الزواجر للہیثمی ۲/۱۰۱۔۱۰۹، عیافت وعیافہ سے مراد پرندہ اڑا کر فال نکالنا ہے۔ جبکہ باقی کو تعارف گزر چکا ہے۔

(۲) علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسی شخص سے جادو دور کرنے کے عمل کو نشرہ کہا جاتا ہے۔ اورانہوں نے آگے یہ بھی فرمادیا ہے کہ یہ کام وہی کرسکتا ہے جو خود بھی جادو جانتا ہو۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب جامع المسانید میں حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ: جادو کو صرف جادوگر ہی دور کرسکتا ہے، اور علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ان کے اس قول کو اس صورت پر محمول کیا ہے، کہ ساحر ومسحور کوئی ایسا فعل کرتے ہیں جس سے شیطان کا قرب حاصل ہو، چنانچہ شیطان اپنا اثر دور کردیتا ہے۔

صاحب فتح المجید نے ابوالسعادات سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نشرہ علاج اور دم جھاڑ کی ایک قسم ہے، جو آسیب زدہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ نشرہ شیطانی عمل سے ترتیب دیا گیا ہو، جیسا کہ جاہلیت کے لوگوں میں پایا جاتا تھا، جو کہ قطعا ناجائز ہے کیونکہ صحاح ستہ کی کتاب ابوداؤد اور اسی طرح مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسے نشرے کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "هى من عمل الشيطان." "کہ یہ شیطانی فعل ہے۔ اور فضل بن زیاد نے "کتاب المشاکل" میں عن عبدالرزاق عن معقل بن معقل بن منبہ عن جابر نقل کیا ہے۔ ابن مفلح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ مسند احمد ۳/۲۹۴، صحیح ابی داؤد (۳۲۷۷)، مصنف ابن ابی شیبہ ۷/۳۸۷۔

معروف تابعی اور رئیس الفقہاء حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے پوچھا:

"رجل به طبٌ أو يوخذ عن امرأته أيحل عنه أو ينشر؟"

اگر کسی شخص پر جادو کا ایسا ٹوٹکا ہو جس کے اثر سے وہ اپنی بیوی کے پاس نہ آ سکتا ہو (یعنی کیا اس کی جھاڑ پھونک کرالیا جائے؟) تو اس کا حل کیا جائے یا نشرہ کرلیں۔

اس پر حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے فرمایا: "لا بأس به إنما يريدون به الإصلاح فأما ما ينفع فلم ينه عنه." (۱)

اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں اصلاح مقصود ہے۔ اور جو چیز فائدہ مند ہو اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔

اس موضوع پر علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے بہت مختصر انداز میں کیا خوب بات کہی ہے، فرماتے ہیں: کسی مسحور یا جادو شدہ شخص سے جادو کو دور کرنا نشرہ کہلاتا ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: "حل بسحر مثله، و هو الذى من عمل الشيطان."

کہ شیطان کو جادو ہی سے دور کیا جائے، مگر یہ شیطانی فعل ہے۔

اور نا جائز ہے۔

اور دوسری قسم: "النشرة بالرقية والتعوذات والأدعية والدعوات المباحة فهذا جائز." (۲)

مسنون جھاڑ پھونک، تعوذات (یعنی أعوذ باللہ اور چاروں قل وغیرہ) حلال ومباح دواؤں اور دعاؤں وغیرہ سے علاج کرنا بالکل جائز ہے۔ (۳)

---

(۱) بخاری ۱۰/۲۴۳ باب ہل یستخرج السحر۔

(۲) کتاب التوحید، تحقیق محمد شفیعی ص ۱۳۱، ۱۳۲، طبع مکتبہ دار السلام، ریاض۔

(۳) بعض اہل علم وفضل نے تو جادو کے علاج کے لئے بعض قرآنی آیات کی تعیین بھی ذکر فرمائی ہے، مثلاً ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے لیث بن ابی سلیم سے روایت بیان کی ہے، لیث فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کیلئے مجھے یہ تیر بہدف نسخہ ملا ہے کہ سورۂ یونس کی آیت ۸۱ اور ۸۲، سورۂ اعراف کی آیات ۱۱۸ تا ۱۲۱، اور سورۂ طٰہٰ کی آیت ۶۹ پڑھ کر

نجومیوں، کاہنوں اور رمل و فال والوں کی کسی بات کا درست نکلنا محض اتفاق ہے

برصغیر کے ممالک میں نجومیوں، جوتشیوں، کاہنوں اور رمل فال والوں کی دوکانداریاں کافی زوروں پر ہیں۔ اور ہمارے سادہ لوح عوام میں انہیں کافی پذیرائی حاصل ہے۔ حالانکہ نبی اکرم ﷺ نے ان علوم کا سیکھنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اور ان کے پاس جانے، سوال کرنے اور پھر ان کی تصدیق کرنے والوں کو قرآن و سنت کے منکر قرار دیا ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال آ سکتا ہے کہ ان نجومیوں کی جو بعض باتیں درست ثابت ہوتی ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کسی بھی شخص سے اپنی نجی زندگی کے بارے میں متعدد سوال کریں گے، تو وہ اندازے کے ساتھ جو کچھ کہے گا، ان میں عین ممکن ہے کہ ایک آدھ بات درست بھی آئے، تو کیا اس سے ہم یہ سمجھ لیں کہ جی یہ تو کوئی پہنچا ہوا بزرگ اور ولی اللہ ہے۔ یہ تو غیب کی خبریں دیتا ہے۔ ہرگز نہیں، اتفاق سے کوئی بات اصل واقعہ کے موافق آ گئی ہے۔ مثلاً آٹھ دس ساتھی مل کر کسی نجومی کے پاس گئے، اور مختلف سوال پوچھے۔ کسی نے پوچھا کہ ہم نے کورٹ میں جو کیس دائر کیا ہوا ہے اس میں کامیابی ہو گی یا نہیں، کسی نے پوچھا کہ میں جہاں چاہتا ہوں وہاں میری شادی ہو گی یا نہیں؟ ایک نے سوال کر دیا

بقیہ پچھلے صفحہ کا: پانی والے برتن میں پھونک ماریں اور وہ پانی مریض کے سر پر ڈال دیں۔ ان شاء اللہ فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ بیوی سے روکے ہوئے آدمی کا علاج ابن بطال نے وہب بن منبہ کی کتاب سے یوں نقل کیا ہے: بیری کے سات سبز اور تازہ پتے لے کر انہیں دو پتھروں میں پیس کر پانی میں ڈال دیں اور اس پانی پر آیۃ الکرسی اور چاروں قل پڑھ کر دم کر دیں۔ اور پھر بیمار کو تین گھونٹ پلا دیں اور باقی پانی سے وہ غسل کرے۔ یہ نسخہ اس آدمی کیلئے تیر بہدف ثابت ہوگا۔ جسے جادو کے ذریعے بیوی کی مجامعت سے روک دیا گیا ہو۔ تفصیل کیلئے دیکھیں فتح المجید طبع الریاض ص ۲۵۹ تا ۲۶۱ یا بدایۃ المستفید ۲/ص ۸۲۸ تا ۸۳۳، الزواجر ۲/۵، ۱۰۴، تفسیر قرطبی ۲/۴۹، ۵۰۔ تفسیر سورۂ بقرہ: آیت ۱۰۲۔

کہ مجھے فلاں تاریخ کو انٹرویو کے لئے جانا ہے نوکری ملے گی یا نہیں؟ ان آٹھ دس آدمیوں کے الگ الگ سوال پر اس مکروفریب کے دھنی نے مختلف ہیئتیں بدلیں، اور اٹکل پچو سے جھانا پ شناپ کہہ دیا، کچھ وقت گذرنے پر معلوم ہوا کہ دو ایک باتیں صحیح نکلی ہیں۔ اور باقی سب غلط۔ یہاں پہنچ کر ضعیف الاعتقادی اپنا رول ادا کرتی ہے، اور ان لوگوں کو مجبور کر دیتی ہے، کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے سوال میں نقص نکالیں، جو ان حضرت کے جواب صحیح نہ ہونے کا باعث ہوا ہے۔

اور جس کسی کے حالات اس کے بتائے ہوئے کے موافق نکل آئے، وہ اپنے باقی ساتھیوں کو بھی رام کر لیتا ہے، اور اس بزرگ کی غلطی کو درستی کے درجے سے بھی بلند کر دیتا ہے۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں، کہ ان کی کوئی بات سچی نکل آنا بھی ان کی عیاری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ مثلاً بعض پیر اور نجومی و کاہن جب کسی کے گھر میں اتریں، تو یقیناً اہل محلہ کے استفسارات کا جواب دے کر ہی جاتے ہیں۔ یہ صاحب جس گھر میں نازل ہوئے تھے، اس گھر والے نے علم غیب کی خدائی صفت پہلے سے ہی ان میں تسلیم کر رکھی تھی، پوچھا! حضرت ہمارے تو نصیب ہی سنور گئے ہیں، آپ مناسب وقت پر تشریف لائے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے اولاد کی امید ہے۔ اور آپ کی نظریں تو بڑی دور تک دیکھ لیتی ہیں۔ کچھ فرمانا مناسب سمجھیں تو زہے نصیب۔ حضرت صاحب بولے، بھئی دل میلا نہ کرو۔ اس مرتبہ تو اللہ تعالیٰ تمہیں اولاد نرینہ سے نوازر ہے ہیں۔ اور اپنے ان ایام قیام کے دوران ہی مناسب موقع پا کر پڑوسیوں میں سے کسی کے کان میں کہہ دیا، کہ دیکھو بات باہر نہ نکلے۔ ویسے تیرے پڑوسیوں کے یہاں لڑکی ہوگی۔

اندازہ فرمائیں، ولادت پر صرف یہ دو ہی احتمال تو غالب ہوتے ہیں، لڑکا ہوا تو گھر والوں کا یقین اور پختہ ہو گیا، اور پڑوسیوں کو کہا جا چکا ہے کہ بات باہر نہ نکلے لہذا وہ خاموش ہیں کہ نہیں معلوم اس میں کیا راز ہو۔ اور اندھی عقیدت انہیں اس بات

کی جسارت بھی نہیں کرنے دیتی کہ وہ اس راز کو فاش کر سکیں، اور اگر لڑکی ہوئی تو پڑوسیوں کی عقیدت نے جوش مارا کہ حضرت صاحب سچ ہی فرما گئے تھے کہ لڑکی ہوگی۔ وہ شاید آپ لوگوں کی دل شکنی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس طرح بھرم بھی قائم رہا، اور واہ واہ بھی ہوگئی، جب کہ اس بزرگ نے جو چال چلی تھی۔ اس میں سوائے مکروفریب کے کچھ بھی تو نہیں تھا، یہاں اس بات کی طرف اشارہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نجومیوں، کاہنوں، اور رمل وفال والوں کی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو اپنے آپ کو دست شناس یا پامسٹ کہلاتے ہیں۔ یہ علم دست شناسی یا پامسٹری بھی تنجیم وکہانت ہی ہے، کیونکہ یہ لوگ بھی مستقبل میں پیش آمدہ واقعات کی اطلاع دیتے اور پیش گوئی کرتے ہیں، اور قولاً نہیں تو کم از کم عملاً علم غیب دانی کے خاصہ الٰہی پر دست درازی کا جرم کرتے ہیں۔

لہذا ایسے لوگوں پر سزا ووعید کی وہی احادیث رسول (ﷺ) صادق آتی ہیں، جو کاہن ونجومی کے بارے میں ہیں۔

وہ جنوں سے مدد لیتے ہیں

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ ان پیر نما بہروپیوں، نجومیوں، جوتشیوں اور کاہنوں کی بعض باتیں درست ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ دراصل اتفاق ہوتا ہے جو کبھی کبھی ان کی بات واقعہ پر فٹ ہوجاتی ہے۔ اور ہم نے اس سلسلہ میں دو ایک مثالیں بھی دی ہیں۔

اور یہ بات بھی معروف ہے اور ایسے لوگوں کے منہ سے اعتراف سننے میں آتا ہے کہ عمل تسخیر کے ذریعے انہوں نے کسی نہ کسی جن کو مسخر کیا ہوتا ہے جسے یہ اپنی اصطلاح میں ''مؤکل'' کہتے ہیں، اور یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ شیاطین وموکل فرشتوں کی بعض باتیں چوری چھپے سنتے ہیں۔ اور آکر کاہن کو بتا دیتے ہیں۔ اور وہ ان باتوں کو

عوام میں بیان کر کے اپنی بزرگی کے پل باندھتے پھرتے ہیں۔ ایسے لوگ نبی ﷺ کی بعثت تک تو بکثرت موجود تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آسمان کی کڑی نگرانی کردی گئی، اور پہلی سی صورت حال نہ رہی۔

بعثت مصطفےٰ ﷺ کے بعد سے صورت حال یہ ہے کہ شیاطین بعض علاقوں کی خبریں دوسرے علاقے کے کاہنوں کو بتادیتے ہیں۔ اور وہ لوگوں میں فخریہ بیان کرتے پھرتے ہیں۔ جس سے جاہل لوگ ان کے کشف و کرامات کے قائل ہوجاتے ہیں۔ اور اکثر لوگ تو اس دھوکے میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ یہ تو کوئی اولیاء اللہ ہیں، جو غیب کی خبریں بھی جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کچھ شیطانوں کا کیا دھرا ہوتا ہے، اور اس بات کی وضاحت خود قرآن کریم کی سورہ انعام آیت ۱۲۹ میں موجود ہے:-

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ویوم یحشرهم جمیعاً ، یمعشر الجن قد استكثرتم من الإنس وقال أولياء هم من الإنس ربنا استمتع بعضنا ببعض وبلغنا أجلنا الذی أجلت لنا قال النار مثواكم خالدين فيها إلا ما شاء الله إن ربك حكيم عليم﴾

اور جس دن اللہ تعالیٰ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا۔ (اور فرمائے گا) اے جنو! تم نے انسانوں سے بہت فائدے حاصل کئے۔ انسانوں میں سے جو لوگ ان جنوں کے دوست ہوں گے۔ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتے رہے۔ اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے ہیں۔ جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا......اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے، ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے، مگر جو اللہ چاہے، بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت میں جن وانس یا ان کاہنوں، نجومیوں اور ان کے مؤکلوں کی

ساری سرگزشت موجود ہے، اوران کا انجام بھی مذکور ہے۔اور کتاب وسنت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ ہرانسان کے ساتھ کوئی نہ کوئی شیطان ضرور رہتا ہے۔ اور بعض اوقات کسی خبیث النفس انسان کی خواہش پر اس کا شیطان کسی دوسرے انسان کے شیطان سے اس کے گھریلو،نجی اور خصوصی حالات معلوم کر کے اسے آ بتا تا ہے،اور وہ جب ان باتوں کو سادہ لوح عوام میں بتا تا ہے،تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص تو کوئی صاحب کشف وکرامت ،ولی ،بزرگ یا پیر ہے۔ حالانکہ وہ شخص فریبی اور شعبدہ باز ہوتا ہے۔ اور عوام کو بہ آسانی اپنے پیچھے لگالیتا ہے۔ چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن بن حسن رحمہ اللہ اپنی معروف کتاب فتح المجید میں امام قرطبی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کاہنوں اور منجموں یا نجومیوں کے سلسلہ میں جو بازاروں میں سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے اور فریب دے کر ان کی جیبیں صاف کرتے ہیں۔صاحب اقتدار لوگوں کا فرض ہے کہ ان کی سخت گرفت کریں،اوران کے پاس آنے والے لوگوں کو بھی سمجھائیں اور منع کریں۔ان کاہنوں کی چند ایک باتوں کے اتفاقاً صحیح ہو جانے سے ان کے جال میں نہیں پھنسنا چاہیئے ،اور نہ اس فریب میں آنا چاہیئے ،کہ ان کے پاس لوگوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔اور نہ ہی اس بات سے دھوکہ کھانا چاہیئے ،کہ ان کے پاس تو پڑھے لکھے لوگ بھی آتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس آنے والے لوگ اہل علم نہیں، بلکہ جاہل ہی ہوتے ہیں۔اگر ان کے پاس علم کی دولت ہوتی تو وہ خلاف شریعت امور کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔اور نہ ہی دن رات مشرکانہ تعویذ گنڈوں کے چکر میں مصروف رہتے۔(۱)

ایک سچ کے ساتھ سو جھوٹ ملاتے ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں کاہن اور نجومی بکثرت موجود تھے،اور

---

(۱)ہدایۃ المستفید ۲/۱۲، ۱۱۰،۸۱۰۔

جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ ان کی کوئی کوئی بات درست کیوں نکل آتی ہے؟ یہی سوال اس عہد مسعود میں بھی پیش آیا تھا، اور نبی اکرم ﷺ کی زبان صدق ترجمان سے اس کا کافی وشافی جواب بھی صادر ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم شریف میں ہے:-

"إن ناسا سألوا النبي ﷺ عن الكاهن (أو الكهان) فقال: ليسوا بشيء، فقالوا يا رسول الله إنهم يحدثون أحياناً بشئ (أو بالشيء) فيكون حقاً، قال رسول الله ﷺ تلك الكلمة من الوحي، يحفظها الجني فيقرها، أي يلقيها في أذن وليه فيخلط معها مائة كذبة."

کہ کچھ لوگوں نے نبی ﷺ سے کاہن یا کاہنوں کے بارے میں پوچھا، تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم) نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول یہ لوگ بعض دفعہ کوئی بات کہتے ہیں تو وہ درست نکل آتی ہے (آخر اس کی کیا وجہ ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وحی الٰہی میں سے جن کسی کلمہ کو سن لیتا ہے، اور (اسے آکر اپنے دوست انسان (یعنی کاہن) کے کان میں ڈال دیتا ہے۔ پس وہ کاہن اس ایک لفظ کے ساتھ سو جھوٹ ملا لیتا (اور لوگوں کو سناتا) ہے۔(۱)

وحی الٰہی میں سے کوئی جن کسی کلمہ کو کیسے سن لیتا ہے؟ اس امر کی مزید وضاحت بخاری شریف کی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ارشاد رسالت مآب ہے:

"إن الملئكة تنزل في العنان و هو السحاب. فتذكر الأمر قضي في السماء فيسترق الشيطان السمع فيسمعه فيوجهه إلى الكهان فيكذبون معها مائة كذبة من عند أنفسهم." (۲)

"(اللہ تعالیٰ کے اوامر یا وحی الٰہی سن کر) فرشتے جب بادلوں میں اترتے ہیں تب وہ اس امر الٰہی کا باہم تذکرہ کرتے ہیں جو آسمان میں طے پایا ہو۔ شیطان

(۱) بخاری و مسلم کما نقلہ ابن حجر الہیثمی فی الزواجر ۲/۱۱۰، بخاری (۶۲۱۳) مسلم مع نووی ۱۴/ ۲۲۵)۔
(۲) نفس المرجع۔ بخاری (۳۲۱۰) والہیثمی فی الزواجر ۲/ ۱۱۰۔

چوری چھپے کچھ سننے کے لئے کان لگاتا ہے۔ اور کسی امر کے بارے میں کچھ سن لیتا ہے۔ وہ اس بات کو کاہنوں تک پہنچا دیتا ہے۔ پھر وہ کاہن لوگ اس بات کے ساتھ اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کرتے ہیں''۔

یہ دونوں ارشاداتِ رسول ﷺ ہیں۔ اور کتب احادیث میں سے پوری ملت مسلمہ کے نزدیک یکے بعد دیگرے سب سے صحیح و مستند ترین کتابوں بخاری شریف و مسلم شریف میں منقول ہیں، جن سے معلوم ہو رہا ہے کہ علم غیب کے خدائی دعوے کرنے والے لوگوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟ ان شیاطین انس و جن کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اگر ان کی کوئی بات درست نکل بھی آئے تو اس میں بھی ایک سچ اور سو جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور وہ درست حصہ بھی وحی شیطان ہوتا ہے۔

اب فرمایئے جس بہروپئے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ یہ فرمائیں "لیسوا بشیء" کہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ اور ہمارے احباب کہیں کہ نہیں جی وہ تو بڑے پتے کی اور ٹھیک ٹھیک باتیں اس طرح بتاتے ہیں کہ ہتھیلی پر سرسوں جما دیتے ہیں۔ وہ غیب کی خبریں جانتے اور بڑے پہنچے ہوئے ہیں۔ کیا یہ نظریہ فرمانِ رسالت اور مقام نبوت سے کھلی بغاوت اور سرکشی و سرتابی نہیں؟

ایسے ہی نجومیوں کی بعض درست نکلنے والی باتوں کی حیثیت بھی وہی ہے جو کاہنوں کی ہے۔ وہ بھی ایک بات درست کہیں تو سو جھوٹ بولتے ہیں اور ان کی درست بات کا مطلب بھی ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ وہ بر بنائے علم درست کہتے ہیں۔ بلکہ ان کی کوئی بات اتفاقاً درست ہو جاتی ہے، جس میں اس کا اپنا کوئی کمال نہیں ہوتا۔ پس جو شخص ان لوگوں کو سچا سمجھتا ہے وہ کڑی آزمائش اور فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔(۱) اور بقول کسے ؎

اگر دنیا میں رہنا ہے تو کچھ پہچان پیدا کر
لباسِ خضر میں یاں رہزن و شیطاں پھرتے ہیں

●●●

(۱) ہدایۃ المستفید ۲/۸۷۰۔

بدعات کا اجمالی تعارف

(شریعت سازی وایجاد بندہ)

آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ۱۰ھ میں ماہ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو نبی رحمت ﷺ حجۃ الوداع کی ادائیگی کے سلسلے میں میدان عرفات میں تشریف فرما تھے، کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت ۳ نازل فرمائی، جس میں ارشاد فرمایا:

﴿الیوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً﴾

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمت تمام کردی ہے اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔

امام قرطبی کی ''الجامع لاحکام القرآن'' اور امام ابن کثیرؒ کی ''تفسیر القرآن العظیم'' میں مذکور ہے، کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی اکرم ﷺ صرف اکیاسی (۸۱) دن بقید حیات رہے، اور پھر رحلت فرمائی۔ مذکورہ آیت کے ان الفاظ کا مفہوم بڑا واضح ہے، کہ اسی دن سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل فرما دیا ہوا ہے۔ شریعت اسلامیہ کے احکام میں کسی قسم کی کوئی کمی یا خامی نہیں رہی۔ اس نے اس طرح اپنی رحمت کا اتمام کر دیا ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واتم التسلیمات کے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔ اور آج جس طرح دین اسلام کو ترک کر کے کسی دوسرے دین کو اختیار کرنا کفر و ارتداد ہے۔ اسی طرح دین اسلام کی تعلیمات کو قولاً یا فعلاً ناقص و نامکمل کہنا بھی قرآن کریم کی اس آیت کی صریح خلاف ورزی و نافرمانی ہے۔

تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان الٰہی ہو چکنے کے بعد اب اگر کوئی شخص کسی ایسے کام کو اپناتا ہے، اور دوسروں کو بھی اس کے اپنانے کی ترغیب دیتا ہے جو قرآن وسنت سے ثابت نہ ہو تو ایسا شخص ظاہر ہے کہ ''شریعت ساز'' کہلائے گا۔ اور

ایسا کام ''ایجاد بندہ'' شمار ہوگا۔ کیونکہ جب اللہ تعالی دین اسلام کی تکمیل فرما چکا ہے تو آج کوئی نئی چیز دین میں داخل کرنا نہ صرف دخل در معقولات بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس بدظنی کے اظہار کے مترادف ہے کہ اللہ تعالی کا دین ابھی مکمل نہیں ہوا، بلکہ اس میں تو ابھی بھی فلاں فلاں امور یا اعمال کے اندراج کی کمی باقی ہے۔ یا پھر یہ کہ نبی ﷺ نے نعوذ باللہ ہمیں پورا دین نہیں پہنچایا، اور تبلیغ رسالت میں نعوذ باللہ کوتاہی برتی ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے ''کتاب الاعتصام'' میں امام مالک رحمہ اللہ کا قول یوں نقل کیا ہے۔

"من أحدث في هذه الأمة شيئاً لم يكن عليه سلفها فقد زعم أن رسول الله ﷺ خان الدين لأن الله يقول: اليوم أكملت لكم دينكم فما لم يكن يومئذٍ ديناً لا يكون اليوم ديناً" (۱)

جس شخص نے اس امت میں کوئی (ایسی) چیز ایجاد کی جس پر اس (امت) کے سلف نہیں تھے، اس نے یہ گمان کیا کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ نے دین (کی تبلیغ) میں خیانت کی، کیونکہ اللہ تعالی فرماتے ہیں ''میں نے آج تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔ پس جو چیز اس دن دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتی۔

اس طرح گویا اس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی تکذیب کا ارتکاب کیا ہے، جو جرم عظیم ہے۔

جرم شریعت سازی اور دینی ایجادات کے سلسلہ میں ہماری یہ بات کوئی مفروضہ ہے نہ کسی شاعر کے تخیل کی بلند پروازی کا نتیجہ۔ بلکہ یہ ایک امر واقع ہے کہ

---

(۱) تحقیق البدع والنہی عنہا محمد بن وضاح القرطبی ص ۴۰ طبع دار الافتاء، تحقیق محمد احمد دہمان الاعتصام شاطبی ۱/۴۹ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر تحقیق وتعریف العلامہ محمد رشید رضا۔

ایسے لوگ بھی بکثرت موجود ہیں جنہیں ہم شریعت ساز کہہ رہے ہیں۔ اور ایسے افعال کی فہرست بھی خاصی طویل ہے جنہیں ایجاد بندہ کہا جا سکتا ہے۔ اور شریعت سازی کی یہ دینی ایجادات بعض حدود وقیود کو چھوڑ کر اپنی شکل وصورت اور طریقہ وہیئت کذائی کے اعتبار سے ایسے خوبصورت اسلامی رنگ میں پیش کی جاتی ہیں کہ شرعی امور اور ان ایجادات میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ناخواندہ خواتین وحضرات اور واجبی سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس دام ہمرنگ زمین میں بآسانی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں سنت وثواب کے حوالہ سے جب ان امور کے بارے میں بتایا جاتا ہے تو وہ پھانسے میں آ جاتے ہیں۔ کیونکہ انہیں خود ساختہ اعمال پر شرعی اعمال کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ مگر درحقیقت ان اختراعات کو اسلام، شریعت، عبادات مسنونہ اور اعمال صالحہ سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ محض ایجادنو اور صریح دھوکہ ہی ہوتے ہیں۔ جنہیں آپ ذرا مہذب انداز سے ''حسین دھوکہ'' کہہ سکتے ہیں۔

اور ایسے افعال کو ہی شرعی وفقہی اصطلاح میں ''بدعات'' کہا جاتا ہے۔ ایسے امور کی مذمت بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

"من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد." (۱)

جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نیا عمل ایجاد کیا جو درحقیقت اس دین میں سے نہیں تو وہ عمل مردود ہے۔

اور مسلم شریف کے الفاظ ہیں:

"من عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو رد." (۲)

کہ جس شخص نے کوئی ایسا عمل اختیار کیا جس کا ہم نے حکم نہیں دیا تو وہ مردود ونامقبول ہے۔

---

(۱) بخاری مع الفتح ۵/۲۲۱، مسلم ۱۷۱۸، مسند احمد ۶/۲۷۔

(۲) مختصر مسلم للمنذری، تحقیق البانی، حدیث (۱۲۳۷)۔

نبی اکرم ﷺ جب بھی کوئی خطبہ ارشاد فرماتے تو ایسی ایجادات دینیہ کی سخت مذمت فرمایا کرتے تھے۔اور خلفاء راشدین ، عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ، تابعین ، تبع تابعین ،ائمہ دین رحمہم اللہ اور علماء امت آج تک خطبات جمعہ اور وعظ و تبلیغ کی مجلسوں میں اس خطبۂ مسنونہ کو دہراتے آرہے ہیں ۔ جو صحیح مسلم ،سنن اربعہ،مسند احمد ،بیہقی ، دارمی اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے جس میں ارشاد نبوی کے یہ الفاظ بھی ہیں "وشر الأمور محدثاتها" اور بدترین افعال،نئی نئی ایجادات ہیں۔ "وكل محدثة بدعة" اور ہر ایسی چیز بدعت،"و كل بدعة ضلالة" اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور سنن نسائی اور ابن خزیمہ کے یہ الفاظ ہیں:

"وكل ضلالة فى النار."(۱)

اور ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

جب کہ سنت رسول ﷺ کو اپنانے اور بدعات سے بچنے کے بارے میں ابوداؤد وترمذی،ابن ماجہ ومسند احمد اور صحیح ابن حبان وسنن دارمی میں ارشاد نبوی ہے:

"من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ و إياكم ومحدثات الأمور فإن كل بدعة ضلالة."(۲)

تم میں سے جو شخص (تادیر) زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا ۔(ایسے میں) تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ لازم ہے، اسے دانتوں سے مضبوطی سے پکڑے رہو۔اور خبر دار دین میں پیدا کئے جانے والے نئے امور سے بچ کر رہنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

---

(۱) مشکاۃ بتحقیق الالبانی ۱/۵۱، وقال : سندھا صحیح ،ومن انکر فقد وہم ، وانظر ایضا: تخریج صلوۃ الرسول ، مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی تخریج حافظ عبدالرؤف ص ۴۴ تا ۴۶ ۔تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیہ نمبر ۶۶۔

(۲) ریاض الصالحین بتحقیق الارناؤوط ص ۸۷ ۔تفصیل کیلئے حاشیہ نمبر ۶۷ ملاحظہ فرمائیں۔

یہ الفاظ آپ ﷺ نے اس وقت ارشاد فرمائے جس کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں:

"وعظنا رسول الله ﷺ موعظة بليغة وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون، فقلنا! يا رسول الله، كأنها موعظة مودع فأوصنا."

(کہ) ہمیں نبی ﷺ نے ایسا بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے ہمارے دل دہل گئے اور آنکھیں برس اٹھیں۔ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول (ﷺ) یوں لگتا ہے جیسے یہ کسی الوداع کرنے والے کا وعظ ہو، آپ ہمیں وصیت فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وإن تأمر عليكم عبد."

میں تمہیں تقوی اختیار کرنے اور امیر کی سمع و طاعت کی وصیت کرتا ہوں چاہے تم پر کوئی غلام ہی امیر کیوں نہ بنا دیا جائے۔

اور آگے پھر مذکورہ وصیت فرمائی جس میں بدعات سے بچنے کا حکم فرمایا ہے۔ ہم احادیث رسول ﷺ پڑھتے سنتے بھی رہتے ہیں مگر معلوم نہیں کیا وجہ ہے؟ کہ ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، اور نبوی پیمانوں کو چھوڑ کر اپنے ہی پیمانوں سے جسے چاہتے ہیں، کارثواب قرار دے کر اپنا لیتے ہیں۔

اپنے دنیاوی امور میں تو کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہم ہزار بار سوچتے ہیں۔ دس روپے کی کوئی چیز خریدنا چاہیں تو سارا بازار چھان مارتے ہیں، اور جہاں سے سستی اور اچھی کوالٹی کی چیز ملے، وہاں سے لیتے ہیں۔ تو کیا ہمارا دین اتنا ہی بیدام اور سستا سودا ہے کہ اس کے امور میں ہم اصلی و نقلی کے بارے میں سوچنا، قرآن و سنت کی دلیل طلب کرنا، یا بالفاظ دیگر ان کی کوالٹی کا جاننا اور پوچھنا بھی گوارا نہیں

کرتے۔ اللہ تعالیٰ فکر دین کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

سال نو مبارک

نئے اسلامی سال کا آغاز ہو تو عرب و عجم، پورب و پچھم، یورپ و امریکہ اور ایشیا و افریقہ۔ اس عالم رنگ بو میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہوں، انہیں حقیقی معنوں میں ہجری سال نو پر ہی خوشی و مسرت ہوتی ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کا تمام تر سرمایہ انہی قمری تاریخوں اور ہجری تاریخ سے وابستہ ہے۔ ارکان اسلام، حج و روزہ کا حساب اسی اسلامی کیلنڈر سے کیا جاتا ہے۔ اور عید و قربانی جیسے شعائر اسلام کا تعلق بھی اسی اسلامی سال کے ساتھ ہے۔ مگر یہ ایک امر واقع ہے کہ آج کا مسلمان اپنے ماضی کی شاندار روایات کو نظر انداز کرتا بلکہ بھولتا جا رہا ہے۔ اور اپنے نمایاں اسلامی تشخص کو قائم رکھنے میں ناکام ہو رہا ہے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مگر واضح جھلک ہمارے اس رویے میں موجود ہے کہ آج ہمارے سرکاری و غیر سرکاری دفاتر اور نجی و پبلک اداروں میں انگلش کیلنڈر کا استعمال اس قدر عام ہے کہ لوگ اپنی اصلی تاریخ سے ناآشنا ہو رہے ہیں۔ آپ کبھی سروے کر کے دیکھیں تو شاید دس فیصد مسلمان بھی ایسے نہ ملیں جنہیں روز رواں کی ہجری تاریخ کا پتہ تو درکنار ہجری سال کے بارہ مہینوں کے نام ہی آتے ہوں، یہ کتنا بڑا المیہ ہے، اور اس سے بڑھ کر ہمارے اجتماعی کردار کا افسوسناک پہلو یہ ہے، کہ انگلش کیلنڈر کے پہلے مہینے کا آغاز ہو تو ہم ''ہیپی نیو ایئر'' کہتے ہوئے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ گریٹنگ کارڈز تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تقریبات کا انعقاد ہوتا ہے۔ عرب اخوان بھی "كل عام وأنتم بخير"، یا "كل سنة وأنت طيب" کی کئی دن تک رٹ لگائے رکھتے ہیں۔ اور رأس السنة کے عنوان سے خالص انگلش طرز کی محفلیں جمتی ہیں۔ اور ان غیر اخلاقی و غیر اسلامی محفلوں کی تشہیر کے لئے بڑے ہوٹلوں کی طرف سے روزنامہ اخبارات میں عریانی بردوش اشتہارات دیئے جاتے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس جب ہمارا اپنا اسلامی سال شروع ہوتا ہے تو ''سال نومبارک'' یا ''ہیپی نیوایئر'' کہنا تو کجا، یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ہمارا اپنا سال شروع ہو چکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس دن کی سرکاری چھٹی تاریخ کے ایک المناک سانحہ و حادثہ ''شہادت حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' کی وجہ سے صرف اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ محرم شروع ہو گیا ہے۔

اگر بالفرض اس اجتماعی فقدان شعور کو نظر انداز ہی کر دیا جائے تو پھر غور طلب پہلو یہ آتا ہے۔ کہ امت مسلمہ کو اس قسم کی محفلیں منعقد کرنے، شراب و شباب سے کھیلنے اور طاؤس و رباب میں مست ہونے کا بھلا کیا حق پہنچتا ہے؟ جب کہ ہمارا قبلۂ اول بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ اور وہ آئے دن مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کرنے اور اسے گرانے کی سازش کرتے رہتے ہیں۔ بڑی غیر مسلم حکومتوں کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے مسئلہ فلسطین ایک عقدۂ لاینحل بن چکا ہے۔ اور ہزاروں فلسطینی خاندان کھلے آسمان کی چھت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ بعض کی کیمپوں میں بسر ہو رہی ہے اور کچھ در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور اور حالات کے رحم و کرم پر نظریں لگائے بیٹھے ہیں۔ ہماری یہ بے ہنگم چیخ چنگھاڑ، یا خوشیاں کس طرح برمحل ہو سکتی ہیں، جب کہ ہمارے ایک برادر ملک افغانستان میں روسی کمیونسٹ حکومت بے سروسامان افغان سرفروشوں کے ساتھ آگ اور خون کی ہولی کھیل رہی ہے۔ اور مٹھی بھر مجاہدین دنیا کی اس سپر پاور کی غیرت کو للکار رہے، اور انہیں ناکوں چنے چبوار ہے ہیں۔ اور ان لوگوں کو سوتے دنوں اور جاگتی راتوں میں یہ رنگ رلیاں منانا کس طرح زیب دیتا ہے جن کے اپنے برادر اسلامی ملکوں فلسطین و افغانستان، اور ایران و عراق وغیرہ میں لاکھوں بچے شفقت پدری کو ترس رہے ہیں۔ لاکھوں بیوائیں سسکیوں اور آہوں سے دوچار اور نالہ و شیون سے ہم کنار ہیں۔

اگر اس سب کچھ کے باوجود بھی ہم خوشیاں منانے میں حق بجانب ہیں، تو

پھر کم از کم ان خوشیوں کو بد اخلاقی اور فحاشی کے دائرے سے نکال کر اپنے اسلامی تشخص کو بحال رکھتے ہوئے عین اسلامی تہواروں کے انداز میں منائیں، تاکہ روز محشر کہیں مشابہت کفار کے جرم میں نہ دھر لئے جائیں۔

اور پھر اسلامی سال نو کا آغاز تو بڑے ہی مہذب ومقدس انداز سے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ بڑی فضیلت وعظمت والا ہے۔ کیونکہ نبیٔ اکرم ﷺ نے ماہ محرم کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کرتے ہوئے اسے ''شہر اللہ'' یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے۔(۱)

اور خود اللہ تعالی نے اس ماہ کو حرمت والا مہینہ کہا ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ آیت ۳۶ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿إن عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهراً فى كتاب الله يوم خلق السموات والأرض منها أربعة حرم﴾

کہ جس دن سے اللہ تعالی نے یہ زمین وآسمان بنائے ہیں تبھی سے اللہ کی کتاب میں مہینوں کی کل تعداد بارہ ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

اور نبی ﷺ کی تعیین کے مطابق اسلامی سال کا یہ پہلا مہینہ محرم انہی چار حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ دوسرے تین مہینے رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ہیں۔(۲)

اسلامی سال نو کے ہلال محرم کا طلوع ہونا اپنے ساتھ کئی پیغام لاتا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالی نے تمہاری عمر کا ایک اور سال مکمل کر دیا ہے، یا بالفاظ دیگر تمہاری کل عمر میں سے ایک سال اور کم ہو گیا ہے۔ اس لئے ہمیں شاداں وفرحاں ہونے کے ساتھ فکر مند بھی ہونا چاہئے، کہ ہماری عمر کا بیلنس کم ہو رہا ہے۔ اور سال نو

(۱) مختصر صحیح مسلم للمنذری بتحقیق البانی ۶۱۰، ابن ماجہ ۱۷۴۲، مشکاۃ بتحقیق البانی ۲۰۳۹۔
(۲) تفسیر ابن کثیر ۳۹۴/۳ طبع دار الاندلس۔

کے آغاز کے موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے یہ دعائیں مانگنا چاہئے۔ کہ اے اللہ! اس نئے سال کو ہمارے لئے انفرادی و اجتماعی مسرتوں اور قومی و ملی خوشیوں کا پیامبر بنادے۔ اے اللہ! ہمارے الجھے ہوئے پیچیدہ ملکی و عالمی مسائل کو سلجھادے۔ اے اللہ! ہمیں صحت و عافیت اور جانی و مالی خوشی عطا فرما، اے اللہ! اس نئے سال میں ہمیں سال ماضی کی نسبت کارِ خیر اور نیکی وتقوی کی زیدہ توفیق سے نواز۔ اے اللہ! ہمارے جو بھائی فلسطین، افغانستان، بلغاریہ، اریٹریا، فلپائن، چین، روس اور کسی بھی جگہ پر سروں پر کفن باندھے جان بکف ہو کر عقیدۂ توحید و ختم نبوت، شعائرِ اسلام اور مشاعر مقدسہ کے تحفظ کے لئے برسرپیکار ہیں۔ انہیں فتح ونصرت سے سرفراز کر، اور ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

سال نو کے آغاز پر محاسبۂ نفس اور روزے

اسلامی سال نو کے آغاز پر ذکر الٰہی کی کثرت اور دعاؤں کے ساتھ ساتھ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی ہمت وفکر کے مطابق اپنے سال ماضی کا بھرپور جائزہ لے کہ اس نے ارکان اسلام اور اللہ و رسول کے احکام میں کہاں کہاں کوتاہی کی ہے، اور کن کن نیک کاموں میں حصہ لیا ہے۔ اس طرح اپنے ماضی کے آئینہ میں جھانک کر مستقبل کے لئے بہترین پروگرام مرتب کرے، اور تجدید عہد کرے کہ آج سے ہی سابقہ تمام کوتاہیوں کا یکے بعد دیگرے ازالہ کرتا جاؤں گا، اور اعمال خیر میں پیش از پیش حصہ لوں گا۔

اللہ والے تو ہر رات کو سونے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہیں، کہ آج ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اور عام دنیاداری اصول بھی ہے کہ ہر تاجر اور کاروباری آدمی اپنی آمدوخرچ اور پرافٹ کے روزانہ وماہانہ حساب کے ساتھ ساتھ سالانہ حساب کر کے کلوز اَپ کرتا ہے۔ اس مالی حساب وکتاب کی طرح ہی ہمیں اپنے نفس کا

حساب بھی کرنا چاہیئے، کہ اس نے نیکیاں کر کے کیا کمایا۔ اور برائیوں میں پڑ کر کیا گنوایا ہے؟ اور جس طرح تجارتی و مالی امور میں ہر نئے سال کا بجٹ تیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہی سال نو کے آغاز پر ہمیں اپنا روحانی و عملی بجٹ تیار کرنا چاہئیے۔ اور ماہ محرم کے ساتھ ہی ہم چونکہ اپنی عمر عزیز کے نئے سال کا آغاز کرتے ہیں، لہذا ہمیں اس نئے سال کا پر جوش اور بھرپور استقبال کرنا چاہیئے۔ اور اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ سال نو کا افتتاح روزے رکھ کر کیا جائے جو شکرانِ نعمت بھی ہوں گے، اور مسنون طریقہ بھی یہی ہے۔

اور خاص طور پر ماہ محرم کے روزوں کے بارے میں صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا:

"أي الصيام أفضل بعد رمضان؟"

رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل روزے کون سے ہیں۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"شهر الله الذي تدعونه المحرم."(۱)

اللہ کے اس مہینے کے روزے جسے تم محرم کہتے ہو۔

اگر زیادہ نہ ہوسکیں تو کم از کم ایام محرم کے سرتاج دن "یوم عاشورہ" کا روزہ تو ضرور ہی رکھنا چاہئیے۔ کیونکہ اس کی فضیلت کے بارے میں صحیح مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

"احتسب عند الله أن يكفر السنة."(۲)

میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ یوم عاشورہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔

---

(۱) مسلم مع نووی ۴/ ۸/ ۵۵، صحیح ابی داؤد (۲۱۲۲) صحیح الترمذی (۳۶۰) صحیح النسائی (۵۲۲) ابن ماجہ (۱۷۴۲) صحیح الجامع (۱۱۱۶)۔

(۲) مسلم مع نووی ۴/ ۸/ ۴۹، ۵۰، صحیح الترمذی (۶۰۰) ابن ماجہ (۱۷۳۸)

اور بخاری و مسلم، ابو داؤد و نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو پوچھا:

"ما هذا اليوم الذي تصومونه؟"

تم لوگ اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو انہوں نے بتایا کہ یہی وہ مبارک دن ہے جس میں اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو ان کے دشمن (فرعون اور ان کے لشکر) سے نجات دلائی تھی، اس پر بطور شکرانہ حضرت موسی علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا۔ لہذا ہم بھی روزہ رکھتے ہیں۔

تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"أنا أحق بموسى."(۱)

حضرت موسی علیہ السلام پر (بحیثیت نبی) میرا حق تم سے زیادہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ لیکن یہودیوں کے روزہ کی مشابہت دور کرنے لئے یوم عاشورہ کے روز سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد میں ایک روزہ رکھنا مسنون ہے۔ کیونکہ صحیح مسلم، ابو داؤد اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے۔

"لئن بقيت إلى قابل لأصومن اليوم التاسع." (۲)

اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو میں نو محرم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا۔

مسلم شریف میں "لئن بقيت" کی بجائے "لئن عشت" کے الفاظ ہیں۔ اور مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔ البتہ مسلم شریف والی حدیث میں ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد گرامی ہے:

---

(۱) مشکاۃ بتحقیق الألبانی ۲۰۶۷، التجرید الصریح ۱/۱۳۶، وابن ماجہ (۱۷۳۴)، ابوداؤد ۲۴۴۴، بخاری (۲۰۰۴) مسلم مع نووی ۴/۸/۹۔ صحیح ابی داؤد (۲۱۲۵)۔

(۲) صحیح مسلم ۱/۷۹۸ بتحقیق وترقیم محمد فؤاد عبدالباقی طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، مسند احمد واللفظ لہ۔ مشکاۃ بتحقیق الألبانی (۲۰۴۱) صحیح ابی داؤد (۲۱۳۶)۔

"فلم يأت العام المقبل حتى توفي رسول الله ﷺ." (۱)

مگر اگلا سال آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ وفات پا گئے۔

بہر حال آپ ﷺ نے خواہش فرمائی تھی، لہذا یہ امر مسنون ہے۔ جبکہ مصنف عبدالرزاق اور بیہقی میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بایں الفاظ موجود ہے:-

"صوموا التاسع والعاشر و خالفوا اليهود". (۲)

نو اور دس (محرم) کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔

ان احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ دس محرم کے ساتھ نو محرم (۳) کا روزہ رکھنا مسنون ہے، اور صرف دس محرم کے روزے کا ثواب ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

یہاں دو باتیں نہایت قابل توجہ ہیں۔

پہلی یہ کہ اللہ تعالی نے سورۂ توبہ کی آیت ۳۶ میں فرمایا ہے کہ جب سے اس نے زمین و آسمان بنائے ہیں۔ تبھی سے اس کی کتاب میں مہینوں کی کل تعداد بارہ ہے۔ اور ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اور نبی ﷺ کی تعیین کے مطابق متفقہ طور پر محرم بھی ان چار مہینوں میں سے ایک ہے۔ اور صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں مذکور ہے کہ یوم عاشورہ کو اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو اس وقت کے ظالم حکمراں فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی، جس کے شکرانے کے طور پر انہوں نے روزہ رکھا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ماہ محرم یا یوم عاشورہ نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین

---

(۱) صحیح مسلم مع شرحہ للنووی جزء ۸/۱۲، طبع دار احیاء التراث العربی، بیروت، وابوداؤد (۲۴۴۵)

(۲) مصنف عبدالرزاق ۷۸۳۹، البیہقی ۴/ ۲۸۷۔

(۳) مسند احمد اور بیہقی میں بسند ضعیف مروی ہے، کہ یوم عاشورا کا روزہ رکھو، اور یہود (کے طریقہ) کی مخالفت کرو، اور وہ اس طرح کہ "صوموا قبله يوما۔ الخ" اس (دس محرم) سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک روزہ رکھ لیا کرو۔ (الفتح الربانی ۱۰/ ۱۸۵) یعنی یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف الجامع (۳۵۰۸)۔

رضی اللہ عنہ کی شہادت سے متعارف نہیں ہوئے۔ بلکہ ماہ محرم تخلیق کائنات کے دن سے اور یوم عاشوراء حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ہی حرمت والے اور معروف ہیں۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ یوم عاشوراء کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا، یہود رکھتے رہے۔ نبی ﷺ نے اس روزے کو نہ صرف برقرار رکھا۔ بلکہ خود بھی اس دن کا روزہ رکھ کرا سے مسنون ہونے کا درجہ دیا۔ اور اپنی امت کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا ہے۔

اب اگر اسی دن روزہ رکھنے کی بجائے سبیلیں لگائی جائیں، دودھ، شربت، ٹھنڈا پانی خود بھی کھلے عام پیا جائے۔ اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلاتے ہوئے مفت پلایا جائے، تو اس فعل کی کون سی عقلی توجیہ ہوسکتی ہے، کیا یہ صحیح بخاری و مسلم میں یوم عاشورہ کے روزے کی ثابت شدہ سنت رسول ﷺ کی صریح نافرمانی اور کھلی خلاف ورزی نہیں؟

●●●

یادگار ہجرت نبوی یا مغرب کی نقالی

یوم بعثت اور خصوصاً سورۃ الشعراء کی آیت ﴿وأنذر عشیرتك الأقربین﴾ (۱) اور سورہ حجر کی آیت ﴿فاصدع بماتؤمر﴾ (۲) سے لے کر نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو توحید ورسالت کی دعوت جاری رکھی، اور جب زمانۂ نبوت کے تیرہ سال مکمل ہو گئے تو نبی ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہا۔ اور مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔

ہجرت نبوی اور متعلقہ مسائل، راہ ہجرت میں پیش آنے والے معجزات، آپ ﷺ کا وصول قباء، تعمیر مسجد قباء، اسلامی مواخاۃ یا انصار ومہاجرین صحابہ میں رشتۂ اخوت کا قیام، غیر مسلم اقوام کے ساتھ نبی ﷺ کے معاہدے اور دفاعی مقابلہ کیلئے فنون حرب کی تعلیم، اور ہجری کیلنڈر کی تاریخ وغیرہ امور کی قدرے تفصیل کی ضرورت نہیں۔

البتہ یکم جنوری کو چونکہ عیسوی سال نو کا آغاز ہوتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہم صرف اتنی سی بات کا اعادہ کئے دیتے ہیں کہ یہ عیسوی کیلنڈر کا سال نو ہے۔ نہ کہ اسلامی یا ہجری تقویم کا، اس لئے جنوری کے آغاز میں مسلمانوں کا گریٹنگ کارڈز تقسیم کرنا، ایک دوسرے کو ہیپی نیو ایئر یا سال نو مبارک کہنا اور جنوری کے آغاز میں رنگا رنگ پروگرام ترتیب دینا، اپنے اسلامی تشخص کو مجروح کرنے کے مترادف ہے، اور سراسر تہذیب مغرب کی نقالی ہے۔ اور دانستہ یا نادانستہ ان امور پر عمل پیرا ہونا، اس بات کی بین دلیل ہے کہ مسلم معاشرے کے ایسے افراد جن میں اسلامی شعور کا فقدان ہو چکا ہے۔ انہیں اپنے یا پرائے کا فرق یاد ہی نہیں رہا۔

---

(۱) سورۃ الشعراء، الآیۃ: ۲۱۴۔

(۲) سورۃ الحجر، الآیۃ: ۹۴۔

یہ کس قدر افسوسناک بات ہے کہ یکم جنوری سے کئی ہفتے قبل ہی اخبارات و رسائل میں نیم عریاں تصویروں سے مزین اشتہارات شائع ہونے شروع ہو جاتے ہیں، جن میں درہم و دینار کے غلام اور دولت کے پرستار، لچر و گھٹیا اور اخلاق باختہ و حیا سوز میوزک و ڈانسنگ پروگراموں کی باقاعدہ تشہیر کرواتے ہیں۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہمارا تاریخی اثاثہ کیا ہے؟ اسلامک کلچر یا ہماری تہذیب و ثقافت کیا ہے؟ انہیں کچھ بھی یاد نہیں۔ مغرب پرستوں کی نقالی میں ہم لوگ اس طرح بلکٹ چلے جا رہے ہیں کہ جن لوگوں کو اسلامی تہذیب کے علمبردار اور مسلم ثقافت کے دعویدار ہونے کا زعم ہے۔ ان میں بھی بعض ایسے حضرات ہیں کہ روشن خیالی کے زعم میں فرنگی تہذیب کی رَو میں بہتے ہوئے اسے نہ صرف اپنائے جا رہے ہیں، بلکہ اس کے جواز میں دلائل پیدا کرنے کی ناکام کوشش بھی کئے جاتے ہیں۔

وہ کون کون سے امور یا افعال ہیں جو در اصل تو غیر مسلم تہذیب کے شاخسانے ہیں، مگر مسلمان بھی ان پر پروانہ وار عمل پیرا ہوئے جا رہے ہیں۔ ان امور کی فہرست قدرے طویل ہے۔ لیکن ہمیں صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ ہمارا اسلامی سال اور ہجری کیلنڈر یکم جنوری سے نہیں، بلکہ یکم محرم سے شروع ہوتا ہے۔ ہمیں اپنا قبلہ صحیح کرنا چاہئے اور اگر ضروری ہی گریٹنگ کارڈ تقسیم کرنے ہیں، ہیپی نیو ایئر یا سال نو مبارک کہنا ہے، تو یہ مشغلہ یکم جنوری کی بجائے یکم محرم سے شروع کرنا چاہئے۔ اور تمام اسلامی ملکوں میں حکومتی سطح سے لے کر نجی کاروباری اداروں تک کو چاہئے کہ وہ ہجری کیلنڈر کو رواج دیں۔ حتیٰ کہ غیر مسلم ممالک میں کاروبار کرنے والی مسلم تجار کی کمپنیوں اور فرموں کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی اسلامک آئیڈنٹی کو متعارف کرانے کے لئے **اسلامک کیلنڈر** چھاپیں۔ اور وہی اپنے دفتر میں استعمال کریں۔ کیونکہ یہ بھی احیائے ثقافت اور اس کی ترویج و اشاعت کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ اور

اس سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ عریانی کو کافی حد تک لگام دی جا سکے گی ۔ کیونکہ بعض پرائیویٹ اداروں کے ایڈورٹائزنگ کیلنڈر اتنی فحش اور عریاں تصویروں پر مبنی ہو تے ہیں کہ جنہیں دیکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اس سلسلہ میں حکومت متحدہ عرب امارات کا یہ اقدام انتہائی لائق تحسین و ستائش ہے، کہ اس نے اپنے سابقہ رویہ کو ترک کر کے سرکاری کیلنڈر کا آغاز ہجری تقویم کے حساب سے یکم محرم سے کیا ہے۔ سعودیہ اور بعض دیگر مسلم مما لک میں پہلے ہی یہ مروج ہے۔ اللہ تعالی بقیہ مسلم حکومتوں اور مسلم کاروباری حضرات کو بھی اسلامی تاریخ کو ایک نیا سنہری موڑ دینے والے اس واقعہ ہجرت نبوی کی یاد تازہ کرانے میں اپنا رول ادا کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

●●●

مقام صحابیت وشان صحابہ رضی اللہ عنہم
اور سب وشتم پر وعید شدید

جس ہجرت نے تاریخ اسلام کا دھارا موڑ کر رکھ دیا۔ اس موقعہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا کیا قربانیاں دیں؟ ان کی تفصیلات بڑی ہی ایمان افروز ہیں۔ مگر کس کس کا کیا کیا واقعہ ذکر کریں؟ ان انسانی فرشتوں نے جب ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا، پھر اپنی دولت و جائیداد اور احباب و اولاد تو کیا، اپنی جانیں بھی نبی ﷺ کے قدموں پر نچھاور کر دیں، وہ آپ ﷺ کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار ہو جاتے تھے۔ وہ اپنی انہی قربانیوں، یاد الٰہی میں شب بیداریوں اور اتباع و حب رسول ﷺ کی بدولت ہی بلند درجات پر فائز ہوئے۔

ہم مجموعی طور پر ''مقام صحابیت اور شان صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے بارے میں کچھ آیات اور احادیث رسول ﷺ پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہر وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کا دیدار کیا، اور ایمان پر ہی اس کا خاتمہ بھی ہوا۔ ایسے سعادتمند انسان کو ''صحابی'' کہا جاتا ہے۔ یہ شرف صحابیت اتنا بلند مقام ہے کہ قرآن وسنت میں اس کی بہت ہی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

سورۂ توبہ آیت ۱۰۰ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنّتٍ تجری تحتها الأنهار خالدين فيها أبداً ذلك الفوز العظيم﴾

مہاجرین وانصار (صحابہؓ) میں سے سب سے پہلے (اسلام کی طرف) سبقت کرنے والے، اور وہ لوگ جو خلوص کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں،

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا، اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے، اور (اللہ تعالیٰ نے) ان کیلئے ایسی جنتیں تیار کی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔

اور سورۂ فتح کا کثیر حصہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے، پہلی اور دوسری آیت میں نبی ﷺ کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿إنا فتحنا لك فتحاً مبيناً ليغفرلك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر و يتم نعمته عليك ويهديك صراطا مستقيما﴾۔

ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی، تاکہ اللہ (تعالیٰ) آپ کے پہلے اور پچھلے تمام گناہوں کو بخش دے۔ اور آپ پر اپنی نعمت کو مکمل کر دے اور صراط مستقیم کی ہدایت سے نوازے۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی ﷺ پر اس آیت کا نزول ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''آج رات مجھ پر وہ آیت نازل ہوئی ہے، جو میرے لئے روئے زمین کی تمام دولت سے بھی زیادہ محبوب و عزیز ہے''۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت ﴿ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك﴾ سنائی، تو آپ ﷺ کو انہوں نے مبارک بادیاں دیں۔ اور ساتھ ہی پوچھا کہ یہ تو آپ ﷺ کے لئے ہے۔ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ۵ نازل کر کے فرمایا:

﴿ليدخل المؤمنين والمؤمنات جنت تجرى من تحتها الأنهار خالدين فيها ويكفر عنهم سيآتهم وكان ذلك عندالله فوزاً عظيماً﴾(۱)

---

(۱) بخاری مع الفتح (۴۱۷۲) ۷/۵۱۶، مسلم ۶/۱۲/۱۴۳۔ مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی ۴/۶۹، سورۂ فتح کی آیت ۳ نبی ﷺ کے بارے میں اور آیت ۴ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔

تا کہ اللہ تعالیٰ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے گناہوں کو ختم کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم کامیابی ہے۔

اور جب ذیقعد ۶ھ میں مقام حدیبیہ پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ قریش مکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے، تو ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ آنے والے چودہ سو (۱۴۰۰) صحابہؓ سے بیعت لی۔ اس بیعت میں شرکت کرنے والے صحابہؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ فتح کی آیت ۱۸ میں فرمایا:

﴿لقد رضى الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة ۔ الآية﴾

اللہ تعالیٰ ان ایمان والے (صحابہؓ) سے راضی ہوگیا جو (ببول کے) درخت کے نیچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔(۱)

اور اسی بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہؓ کے بارے میں صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور مسند احمد میں ارشاد نبوی ہے:

"لا يدخل النار أحدٌ بايع تحت الشجرة." (۲)

ان صحابہ (رضی اللہ عنہم) میں سے کوئی ایک شخص بھی نار جہنم میں (ہرگز) داخل نہ ہوگا، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔

اور سورۂ فتح کی آخری آیت میں صحابۂ کرامؓ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

﴿محمد رسول الله والذين معه أشداء على الكفار رحماء

(۱) آیت ۱۸ مکمل اور ۱۹، ۲۰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر جمیل ہے۔
(۲) الفتح الربانی، ۲۱/۱۰۸، مسلم مع نووی ۸/۱۶/۵۸، صحیح ابی داؤد (۳۸۸۹) صحیح الترمذی (۳۰۳۳)، الصحیحہ (۲۱۶۰)۔

بيـنهـم تـراهـم ركـعـا سجدا يبتغون فضـلا من الله و رضوانـا ، سيماهم فی وجوههم من أثر السجود ذلك مثلهم فی التوراة ومثلهم فی الإنـجيـل كـزرع أخـرج شـطأه فآزره فاستغلظ فـاستوى على سـوقـه يـعـجـب الـزراع ليـغيـظ بهـم الكفار وعد الله الذين اٰمنوا وعملوا الصّلحٰت منهم مغفرة و أجراً عظيماً﴾

(اللہ کے رسول محمد (ﷺ) اور آپ (ﷺ) کے صحابہؓ کفار کے لئے سخت اور آپس میں بڑے نرم ومہربان ہیں۔ آپ انہیں رکوع وسجود کی حالت میں دیکھتے ہیں، جس کے ذریعے وہ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔ (سجدوں کی) نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں۔ ان کے یہ اوصاف تورات وانجیل میں مذکور ہیں۔ ان کی مثال اس کھیتی کی طرح ہے۔ جس نے پہلے انگوری نکالی، پھر مضبوط ہوئی اور اپنی بالیوں پر سیدھی کھڑی ہوگئی جو کسانوں کو تو بھلی لگتی ہے، مگر کفار اس کی وجہ سے جلتے ہیں، اللہ تعالی نے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

اگر صرف انہی آیات پر غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اتنے بلند مرتبہ کے سعادتمند اولیاء اللہ، صحابہ رسول ﷺ کے ساتھ بغض وکینہ رکھنا، انہیں برا بھلا کہنا اور لعن طعن کرنا، کم از کم کسی مسلمان سے تو نہیں ہو سکتا، جب کہ مزید برآں صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث قدسی میں ارشاد الٰہی ہے:

"من عادى لی وليا فقد آذنته بالحرب" (۱)

(عن ابی ہریرۃ مرفوعا) جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اس کیلئے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔

اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا ولی کون ہو سکتا ہے؟

---

(۱) بخاری، حدیث (۶۵۰۲) الرقاق۔ باب التواضع۔

صحیح بخاری ومسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے:

"لا تسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیده لو أنفق أحدکم مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم و لا نصیفه."(۱)

میرے صحابہؓ کو گالیاں مت دو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم میں سے اگر کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی راہ خدا میں خرچ کرے تو صحابہؓ کے ایک مٹھی دانے صدقہ کرنے بلکہ اس سے آدھے ثواب کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔

اور طبرانی میں ارشاد نبوی ہے:

"من سب أصحابی، فعلیه لعنة الله و الملئکة و الناس أجمعین."(۲)

جس (شخص) نے میرے صحابہؓ کو گالیاں دیں، اس پر اللہ تعالی، فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

ایک اور حدیث میں ہے۔

"من سب أصحابی فقد سبنی و من سبنی فقد سب الله."

(۳، ۴)

---

(۱) رواہ الشیخان والاربعۃ واحمد فی مسندہ، الفتح الربانی ۲۲/۰۷۔۱۶۹، مشکاۃ ۳/۱۶۹۴، بخاری (۳۶۷۳) فضائل الصحابۃ ۷/۲۵، مسلم مع نووی ۸/۱۶/۹۲ صحیح الترمذی (۳۰۳۴)، صحیح ابی داؤد (۳۸۹۳)۔

(۲) صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للالبانی طبع الکتب الاسلامی (۱۶۸۵)۔

(۳) عن انسؓ مرفوعاً کما فی تطہیر الجتمعات ص ۲۷۴، طبع قطر، رواہ البنا، بحوالہ ''الصارم المسلول'' ص ۵۷۷۔

(۴) ترمذی شریف ومسند احمد کی ضعیف حدیث میں ہے۔

"الله الله فی أصحابی لا تتخذوهم غرضا من بعدی، فمن أحبهم فبحبی أحبهم. ومن أبغضهم فببغضی أبغضهم" ''اللہ سے ڈرو اور میرے بعد صحابہؓ کو (لعن طعن کا) نشانہ مت بناؤ۔ (اور فرمایا) جس نے ان کے ساتھ محبت رکھی، اس نے میرے ساتھ محبت رکھی۔ اور جس نے ان کے ساتھ بغض رکھا، اس نے میرے ساتھ بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ بغض رکھا''۔ تو گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بغض یا محبت، نبی ﷺ کے ساتھ بغض ومحبت کی علامت ہے۔ اور ارشاد فرمایا:

جس نے میرے صحابہؓ کو گالیاں دیں۔ اس نے مجھے گالیاں دیں۔ اور جس نے مجھے گالیاں دیں۔ اس نے اللہ تعالیٰ کو گالیاں دیں۔

مذکورۃ الصدر آیات قرآنیہ اور ان احادیث نبویہ کے پیش نظر اہل علم نے صحابۂ کرامؓ کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کفر قرار دیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''الصارم المسلول'' میں نقل کیا ہے کہ: فقہائے کوفہ نے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو گالی دینے والے کو قتل کرنے اور رافضہ کو کافر قرار دینے کا قطعی فتویٰ دیا ہے۔ محمد بن یوسف فریابی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو گالی دینے والے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے فرمایا: وہ کافر ہے، اس کا جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ نہ ہاتھ لگایا جائے گا۔ بلکہ اسے کسی لکڑی کے ذریعہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا جائے گا۔ قاضی ابویعلیٰ نے کہا ہے: فقہاء کے نزدیک جو شخص حلال سمجھ کر صحابہ کو گالی دے وہ کافر ہے۔ اور جو حلال تو نہ سمجھے مگر گالی دے، وہ فاسق ہے، اور اپنا فیصلہ دیتے ہوئے امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا یا نبی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام غلطی سے وحی و رسالت نبی ﷺ کو دے گئے تھے۔ اور صحابہؓ کو گالی دے وہ کافر ہے۔ اور اسے کافر کہنے میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کو ناقص قرار دے، یا باطنی تاویلات کا زعم رکھے، جیسا کہ قرامطہ، باطنیہ، اور تناسخیہ کا خیال ہے، تو وہ بھی کافر ہے، جو شخص صحابہ پر بخل، بزدلی، کم علمی اور عدم زہد کا الزام لگائے، وہ کافر تو قرار نہیں دیا جائے گا، مگر وہ سزاوار تعزیر ہے۔ مطلق لعن طعن کرنے والوں میں سے جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد دس پندرہ صحابہ کے سوا باقی سب مرتد یا

بقیہ پچھلے صفحہ کا: "من آذاهم فقد آذاني و من آذاني فقد آذى الله ومن آذى الله أوشك أن يأخذ"۔ جس نے (میرے صحابہ کو) اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی، اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی۔ اور جس نے اللہ کو اذیت پہنچائی، تو اللہ اسے ضرور پکڑے گا۔ (الفتح الربانی ۲۲/۱۶۹، والترمذی)۔ مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

فاسق ہو گئے تھے تو وہ بھی کافر ہے، اور ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ الغرض گالی دینے والوں میں سے کچھ صاف کافر ہیں اور بعض کے کفر میں تردد کیا گیا ہے۔ اور بعض پر کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ (۱)

مقام صحابہ رضی اللہ عنہم

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے کیا یہی شرف کم ہے کہ انہوں نے حالت ایمان و اسلام میں نبی آخر الزماں ﷺ کے رخ انور کو دیکھنے کی سعادت حاصل کی؟ وہ چہرۂ انور، رخ زیبا کہ جس کا ایمان کی حالت میں دیکھ لینا اخروی فوز و فلاح اور نار جہنم سے نجات کا ضامن ہے۔ بلکہ اس چہرۂ مبارک کی زیارت کا اثر تو یہاں تک ہے کہ جو شخص کسی صحابی کا چہرہ دیکھ لے (جس نے نبی ﷺ کا چہرۂ انور بحالت ایمان دیکھ لیا ہو) اس کی بھی آگ سے نجات ہوگی۔ جیسا کہ ترمذی شریف میں ارشاد نبوی ہے:

"لا تمس النار مسلماً رآني أو رأى من رآني." (۲)

اس مسلمان کو جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا، یا اسے دیکھا جس نے مجھے دیکھا۔

اور بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

''لوگوں پر وہ زمانہ بھی آئے گا۔ جب مسلمانوں کی ایک جماعت (کسی قوم پر) حملہ آور ہوگی۔ وہ کہیں گے کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے نبی ﷺ کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے ہاں، تو انہیں صرف اتنی سی بات پر فتح ہو جائے گی، پھر وہ دور آئے گا کہ غازی جماعت سے پوچھا جائے گا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کسی صحابی رسول ﷺ کو دیکھا ہو؟ وہ کہیں گے ہاں، تو انہیں بھی فتح حاصل ہو جائے گی۔ اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ غازیوں سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے کسی تابعی (جس نے کسی صحابی کو) کو دیکھا ہو؟ جب وہ کہیں گے

(۱) الصارم المسلول بحوالہ تطہیر الجمعات ص ۴۷۵،۴۷ مختصراً۔

(۲) بحوالہ مشکاۃ ۳/ ۹۶-۱۶۹۵، ونقل الألباني تحسینہ ضعیف الترمذی (۸۰۷) ضعیف الجامع (۶۲۹۱)۔

ہاں! توانہیں بھی فتح مل جائے گی،(۱) اور مسلم شریف میں تو یہاں تک ہے کہ:

''چوتھی جماعت سے پوچھا جائے گا۔ کیا تم میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جس نے تبع تابعین (جنہوں نے تابعین کو دیکھا ہو؟) میں سے کسی کو دیکھا ہو؟ تو اس جماعت میں ایسا ایک آدمی مل جائے گا، اور انہیں اسی آدمی کی وجہ سے فتح حاصل ہو گی۔'' (۲)

اور قدسی نفوس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

"خير أمتي قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم."

میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانہ کے لوگ (یعنی صحابۂ کرامؓ) ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (یعنی تابعین) ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (یعنی تبع تابعین) ہیں۔ (۳)

نسائی و مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اسی مفہوم کی ایک حدیث ہے جس کے ابتدائی کلمات میں ارشاد نبوی ہے:

''أكرموا أصحابي فإنهم خياركم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم يظهر الكذب." (۴)

میرے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کا احترام کرو، اکرام کیا کرو۔ کیونکہ وہ تم سب سے بہتر لوگ ہیں۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد والے (تابعین) ہیں۔ **اور پھر وہ** لوگ جو ان کے بعد والے (تبع تابعین) ہیں۔ ان کے بعد پھر جھوٹ عام ہو جائے **گا۔**

●●●

---

(۱) مشکاۃ شریف ۳/۱۶۹۴، بخاری، حدیث ۳۶۴۹، مسلم مع نووی ۸/۱۶/۸۳، ۸۴، صحیح الجامع **۸۰۰۵**۔

(۲) مشکوۃ شریف ۳/۱۶۹۵، مسلم مع نووی ۸/۱۶/۸۴۔

(۳) متفق علیہ، مشکاۃ ۳/۱۶۹۵۔ بخاری (۳۶۵۰) مسلم مع نووی ۸/۱۶/۸۴ تا ۸۸، **الموارد (۲۲۸۵) صحیح ابی** داؤد (۳۸۹۲)، صحیح الترمذی (۹۔۱۸۱۰) الصحیحۃ (۱۸۴۱) صحیح نسائی ۳۵۶۷۔

(۴) مشکوۃ أیضا، وصححہ الألبانی، مسند احمد ۱/۲۶، صحیح الترمذی (۱۷۵۸)، الفتن، ابن ماجہ **(۲۳۶۳)، الموارد** حدیث (۲۲۸۴)، الحاکم فی العلم ۱/۱۱۴۔

مقام ومرتبۂ شہادت

اسلامی سال نو اپنے ساتھ جو یادیں لاتا ہے۔ انہی میں سے تاریخ اسلام کا ایک انتہائی اندوہناک واقعہ شہادت حسین رضی اللہ عنہ بھی ہے۔ اسی مناسبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں شہادت کے مقام و مرتبہ کی وضاحت قرآن و سنت کی روشنی میں کردی جائے۔ چنانچہ قرآن کریم کے ایک دو نہیں بکثرت مقامات پر جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت وعظمت اور مقام ومرتبۂ شہادت کی رفعت ومنزلت بیان ہوئی ہے، آپ مترجم قرآن پاک اٹھائیں اور زیادہ نہیں تو کم از کم سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۴، ۱۹۰، ۲۱۸، سورۂ آل عمران کی آیات ۱۵۷، ۱۶۹، تا ۱۷۷، سورۂ نساء کی آیات ۷۴ تا ۹۵ سورہ انفال کی آیت ۷۴، سورۂ توبہ کی آیات ۲۰، ۴۱، ۱۱۱، اور سورۂ حج کی آیت ۵۸ کی تلاوت کریں اور ان کا ترجمہ دیکھیں۔

کہیں فرمایا ہے: فی سبیل اللہ شہادت پانے والوں کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں اس زندگی کا شعور نہیں، کہیں انہیں رحمت الٰہی کے امیدوار فرمایا۔ اور کہیں رحمت و بخشش کو ان کا مقدر بتایا ہے، اور کہیں فرمایا ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے رزق دیا جائے گا، وہ اللہ کے فضل واحسان اور نعمت وکرم پر خوش ہوں گے۔ انہیں کوئی غم یا خوف نہیں ہوگا۔ ان کے لئے اجر عظیم اور بلند درجات ہیں۔ انہیں ہمیشہ کے لئے رضائے الٰہی اور دائمی جنت کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔

ان قرآنی آیات کے علاوہ بے شمار احادیث میں بھی جہاد ومجاہدین اور شہادت وشہداء کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"یا رسول الله أی العمل أفضل؟"

اے اللہ کے رسول سب سے افضل عمل کونسا ہے؟

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''الإيمان بالله والجهاد في سبيله۔"(۱)

اللہ پر غیر متزلزل ایمان لانا، اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"إن في الجنة مائة درجة أعدها الله للمجاهدين في سبيل الله۔" (۲)

جنت میں ایک سو درجات رفیعہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھے ہیں۔

اور مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ارشاد رسالت مآب ہے:

"يغفر الله للشهيد كل شيء إلا الدين۔" (۳)

اللہ تعالیٰ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ غزوۂ بدر کے دوران شہادت پانے والے ایک صحابی حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ نے حضرت نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ میرا بیٹا حارثہ غزوۂ بدر میں شہید ہوا تھا۔ اس کا انجام کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے اسے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

"إن ابنك أصاب الفردوس."(۴)

تیرا بیٹا جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام کو پا گیا ہے۔ (عن انسؓ)

اور بخاری شریف میں ایک طویل حدیث میں ہے آپ ﷺ فرماتے ہیں:

---

(۱) بخاری (۲۵۱۸) ۱۷۶/۵، مسلم مع نووی ۷۳/۲/۱۔

(۲) بخاری مع الفتح (۲۷۹۰) ۱۴/۶۔

(۳) مسلم مع نووی ۳۰/۱۳/۷۔

(۴) بخاری مع الفتح (۳۹۸۲) ۳۵۵/۷، بخاری (۲۸۰۹) ۳۱/۶۔

کہ مجھے دو آدمی اپنے ساتھ لے کر اوپر چڑھ گئے اور ایک ایسے گھر میں داخل کر دیا کہ "لم أر قط أحسن منها." میں نے اس سے بڑھ کر خوبصورت کوئی گھر کبھی دیکھا ہی نہیں۔

اور انہوں نے مجھے بتایا:

"أما هذه الدار فدار الشهدآء." (۱) (عن سمرةؓ)

کہ یہ گھر شہداء کے لئے تیار کیا گیا ہے۔

شہداء کو اللہ تعالیٰ جنت میں بلند مقام اور قرب خاص سے نوازے گا، اور پوچھے گا: کیا تمہیں کسی اور نعمت کی تمنا ہے؟ وہ کہیں گے کہ اے اللہ ہمیں جو نعمتیں میسر ہیں، ان سے بڑھ کر اور کیا طلب کریں؟ ہاں اگر ممکن ہو تو ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے، تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں شہید ہوں (۲) (بخاری و مسلم عن انسؓ)

شہداء کے سوا ایسی تمنا کوئی دوسرا نہیں کرے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ ان کی یہ تمنا صرف اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے بوقت شہادت جو حلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اکرام و شرف پایا ہوگا اس کے پیش نظر وہ دوبارہ شہادت کی خواہش کریں گے۔ اور بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

"ما من مكلوم يكلم في سبيل الله إلا جاء يوم القيامة وكلمه يدمى، اللون لون الدم والريح ريح المسك." (۳) (متفق علیہ عن ابی ہریرۃ)

جہاد فی سبیل اللہ میں زخمی ہونے والا قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائیگا کہ اس کے زخموں سے ایک ایسا رنگین مادہ بہہ رہا ہوگا جس کا رنگ خون کا اور خوشبو کستوری کی ہوگی۔

---

(۱) بخاری (۲۷۹۱) ۶/۱۴۔

(۲) بخاری (۲۸۱۷) ۶/۳۹، مسلم مع نووی ۷/۱۳/۲۴۔

(۳) بخاری (۲۸۰۳) ۶/۲۴، مسلم مع نووی ۷/۱۳/۲۰، ۲۱۔

یہ تو شہید کا مقام ومرتبہ ہے جب کہ موت شہید کی ہو یا عام مرگ۔ موت بہر حال موت ہی ہے۔ جو پسماندگان اور عزیز و اقارب کے لئے صدمہ اور دکھ کا باعث بنتی ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ یہ زندگی خوشی وغم، شادی ومرگ سے عبارت ہے۔ موت وحیات کا نظام کائنات کا ایک جزو ہے، اور ہر ذی روح کی موت کا وقت مقرر ہے۔ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ برگزیدان خدا، پیغمبر ہوں، ان کے صحابہ یا دیگر اولیاء اللہ ہوں، موت کا جام ہر کسی کیلئے مقرر ہے۔ دشمنان دین ہوں، اپنے آپ کو "انا ربکم الاعلی" کہلوانے والے صاحب جبروت وسطوت ہوں۔ شاہ ہوں یا گدا، امیر ہوں یا فقیر، موت بہر حال سب کا مقدر ہے، کیونکہ سورۂ آل عمران آیت ۱۸۵، سورۂ انبیاء آیت ۳۵، اور سورۂ عنکبوت آیت ۵۷ میں ارشاد الٰہی ہے:-

﴿كل نفس ذآئقة الموت﴾

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

اسی قانون الٰہی کے تحت جب کسی کو موت آ جائے تو ایسے موقعہ پر فطرتی امر ہے کہ پسماندگان کو صدمہ اور دکھ تو پہنچے گا، مگر اس کے اظہار کی کہاں تک اور کس طرح گنجائش ہے؟ اس سلسلہ میں بھی شریعت اسلامیہ میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۱۵۶ میں اللہ تعالی نے ایسے موقع پر صبر وہمت سے کام لینے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وبشر الصبرين الذين إذا أصابتهم مصيبة قالوا إنا لله وإنا إليه راجعون ۔ أولٰئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة وأولئك هم المهتدون﴾۔ (۱)

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیں، جو مصیبت کے وقت یہ کہتے ہیں کہ ہم سب اللہ کے لئے ہیں، اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، یہی وہ لوگ

---

(۱) سورۃ البقرۃ، الآیۃ ۱۵۷۔

ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت ہے۔ اور یہی لوگ (آخرت میں) کامیابی پانے والے ہیں۔

مصیبت آ جائے، دل دکھوں سے بھر جائے، اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک پڑے، تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے رونا اور آنسو بہانا بھی جائز ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری ومسلم میں ایسے کئی مواقع پر خود نبی رحمت ﷺ کا آنسو بہانا ثابت ہے۔ جیسا کہ بخاری ومسلم شریف میں آپ ﷺ کا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر۔(۱)

بخاری ومسلم (۲) اور نسائی میں اپنی بیٹی کے ایک لخت جگر (امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا) پر، اور بخاری ومسلم اور ابوداؤد میں خود اپنے لخت جگر حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پر آنسو بہانا ثابت ہے۔(۳)

بشرطیکہ رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ زبان نہ چلائی جائے، مرنے والے کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آنے والے مصائب کا ذکر نہ چھیڑا جائے۔ کیونکہ بخاری ومسلم میں ارشاد نبوی ہے:

"إن الله لا يعذب بدمع العين ولا بحزن القلب ولكن يعذب بهذا أو يرحم (وأشار إلى لسانه)"(۴)

اللہ تعالیٰ آنکھوں سے آنسو بہانے اور دل کے حزن وغم پر عذاب نہیں کرے گا۔ البتہ اس کے عذاب دینے یا رحم فرمانے کا تعلق اس سے ہے۔ اور یہ کہتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔

نوحہ خوانی اور سوگ و ماتم

اسلام میں مقام ومرتبہ شہادت، اور شہادت یا طبعی موت مرنے والوں کے

(۱) بخاری (۱۳۰۴)، مسلم مع نووی ۱/۶/ ۲۲۶۔

(۲) بخاری (۱۲۸۴) ۳/۱۸۰، مسلم مع نووی ۳/۶/۲۲۴، صحیح ابی داؤد (۲۶۸۰)۔

(۳) للتفصیل: ریاض الصالحین بتحقیق الأرناؤوط ص ۳۸۸۔ ۳۸۹، بخاری (۱۳۰۳) ۳/۲۰۶، مسلم مع نووی ۸/۱۵/ ۷۵، صحیح ابی داؤد (۲۶۸۱)۔

(۴) بخاری مع الفتح (۱۳۰۴) ۳/۲۰۹، مسلم مع نووی ۳/۶/ ۲۲۶، صحیح ابی داؤد (۲۶۸۱)۔

پسماندگان کے صبر و ہمت، اور ایسے مواقع پر آنسو بہانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور آنسو بہانے کے ساتھ اس شرط کا بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اس کے ساتھ زبان سے بین ونوحہ خوانی، واویلا اور واہی تباہی جائز نہیں۔ کیونکہ نوحہ خوانی آگے جانے والے کے ساتھ خیر خواہی نہیں، بلکہ نادانستہ دشمنی کے مترادف ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری ومسلم اور ترمذی ونسائی میں ارشاد نبوی ہے:

"الميت يعذب في قبره بما نيح عليه."(١)

میت کو اپنے پسماندگان کی نوحہ خوانی کے سبب قبر میں عذاب ہوتا ہے۔

اس حدیث شریف کا مفہوم بظاہر سورۂ انعام کی آیت ۱۶۴، سورۂ اسراء آیت ۱۵، سورۂ فاطر آیت ۱۸، سورۂ زمر آیت ۷، اور سورۂ نجم کی آیت ۳۸ کے معارض ہے۔ جس میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾

اور کسی کے گناہ کا بوجھ کوئی دوسرا نہیں اٹھائیگا۔

اور اہل علم نے اس تعارض کو دور کرنے کے لئے کئی آراء ذکر کی ہیں۔ جن میں سے یہ بھی ہے کہ آگے جانے والا اگر پسماندگان کو بین ونوحہ کرنے کی وصیت کر کے جائے: اور وہ اس پر عمل کر گزریں، تو اسے ان کے نوحہ کی وجہ سے عذاب دیا جائیگا۔ اور بعض نے اس حدیث میں مذکور لفظ "عذاب" کا مفہوم "احساس الم" بیان کیا ہے۔ جب کہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ بھی ہو، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ (صحیح احادیث میں) رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، کہ پسماندگان کے بین کرنے سے میت کو عذاب ہوتا ہے، فسمعنا وأطعنا، پس ہم نے آپ ﷺ کا ارشاد سنا اور اطاعت کی۔ اس کے علاوہ ہم کچھ نہیں کہتے۔ (٢) بعض لوگ اور خصوصاً خواتین غم کے موقعوں پر صبر کا

---

(١) بحوالہ ریاض الصالحین ص ٦٣٣، بخاری (١٢٩٢) ٣/١٩١، مسلم مع نووی ٣/٦/٢٢٩، صحیح الترمذی (٨٠٠)، صحیح نسائی (١٧٤٩)، ابن ماجہ (١٥٩٣)

(٢) للتفصیل: الفتح الربانی ٧/٢٩۔١٢٦۔

دامن چھوڑ دیتی ہیں، اور جائز رونے اور آنسو بہانے کے ساتھ ساتھ ہی نوحہ خوانی بھی شروع کر دیتی ہیں، کہ رونے کے ساتھ ساتھ مرنے والے کی صفات اور اس کی موت کی وجہ سے پیش آمدہ مصائب کی گنتی شروع ہو جاتی ہے۔ اور ایک راگ کے ساتھ بین کئے جاتے ہیں۔ اس نوحہ خوانی سے نبی ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔

چنانچہ بخاری و مسلم، ابو داؤد و نسائی میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"أخذ علينا رسول الله ﷺ عند البيعة أن لا ننوح." (۱)

ہم سے بیعت لیتے وقت نبی ﷺ نے یہ عہد لیا تھا کہ ہم نوحہ خوانی نہیں کریں گی۔

اور صحیح مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

"اثنتان في الناس هما بهم كفر، الطعن في النسب والنياحة على الميت."(۲)

لوگوں میں دو باتیں ایسی ہیں جن کا ارتکاب کفر ہے۔ کسی کے نسب میں طعن کرنا اور میت پر نوحہ خوانی کرنا۔

اور جو لوگ کسی کی مرگ پر جوشِ غم میں ہوش کھو دیتے ہیں اور بین و نوحہ خوانی کے ساتھ ساتھ سر کے بالوں کو بکھیرنا اور نوچنا، رخساروں کو پیٹنا، سینہ کوبی و ماتم کرنا، اور کپڑے پھاڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم اور ترمذی و نسائی میں ارشاد نبوی ہے:

"ليس منا من ضرب الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية."(۳)

---

(۱) ریاض الصالحین ص۶۳۴، بخاری (۱۳۰۶) مسلم مع نووی ۳/۶/۲۲۷، صحیح ابی داؤد (۲۶۸۲)، صحیح النسائی (۳۸۹۶)۔

(۲) ریاض الصالحین ص۶۳۶۔ مختصر مسلم للمنذری (۵۵) الإیمان، مختصر مسلم للمنذری تحقیق الألبانی)

(۳) بخاری ۳/۱۳۳، مسلم ۱۰۳ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ریاض الصالحین ص۶۳۳۔ بخاری (۱۲۹۴) صحیح نسائی (۱۷۵۴) صحیح (۷۹۷)، ابن ماجہ (۱۵۸۴)۔

جو اپنے رخساروں کو پیٹے، کپڑے پھاڑے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح نوحہ خوانی کرے۔ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بخاری و مسلم اور ابوداؤد و نسائی میں حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أن رسول اللہ ﷺ بریٌ من الصالقة والحالقة والشاقة"۔ (۱)

بے شک رسول اللہ ﷺ نے بین کرنے، سر کے بال بکھیرنے اور مونڈنے اور کپڑے پھاڑنے والی عورتوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ اور ابوداؤد میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ عہد لیا تھا۔

"أن لانخمش وجهاً ولاندعو ويلاً ولانشق جيباً ولا ننشر شعراً."(۲)

(کہ) مصیبت میں نہ ہم منہ نوچیں گی، نہ واویلا کریں گی، نہ کپڑے پھاڑیں گی، اور نہ بال بکھیریں گی۔

عورتیں چونکہ مردوں کی نسبت کمزور طبع ہوتی ہیں اور ان میں ایسے امور کا صدور ممکن ہونے کی بنا پر آپ ﷺ نے ان سے یہ عہد لئے، اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی عورت فرمان نبوی کی نافرمانی کرے تو ایسی عورت کے بارے میں صحیح مسلم، ابن ماجہ، مسند احمد، اور بیہقی میں ارشاد نبوی ہے:

"النائحة إذا لم تتب قبل موتها تقام يوم القيامة وعليها سربالٌ من ودرع من جرب." (۳)

(۱) بخاری ۳/۳۱۔۱۳۲۔ تعلیقاً مسلم فی کتاب الایمان: ۱۰۴، عن ابی بردۃ، ریاض الصالحین۔ صحیح ابی داؤد (۲۶۸۴)، صحیح النسائی (۱۷۵۷)، ابن ماجہ (۱۵۸۶)۔

(۲) ریاض الصالحین ص ۶۳۵۔ صحیح ابی داؤد (۲۶۸۵)۔

(۳) ریاض الصالحین ص ۶۳۵، مسلم مع نووی ۳/۶/۲۳۵، ۲۳۶، ابن ماجہ (۱۵۸۱۔۸۲)، الصحیحۃ (۱۹۵۲)، مسند احمد ۵/۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴ بحوالہ الصحیحۃ ۴/۲۹۵۔

نوحہ خوانی کرنے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مرگئی تو قیامت کے دن وہ اس حالت میں اٹھائی جائے گی، کہ آتش گیر مادے (چقماق) کی قمیص پہنے ہوگی۔ اور اسے خارش کی درع پہنائی جائے گی۔ (۱) اور مسند احمد میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ثم يعلى عليها درع من لهب النار." (۲)

(کہ) پھر اس آتش گیر مادے کے اوپر آگ کے شعلے کی درع ہوگی۔

شریعت اسلامیہ ہر معاملہ میں چونکہ اعتدال پسند ہے۔ اس میں نہ خوشی کے مواقع پر حد اعتدال پھلانگنا جائز ہے، اور نہ ہی مرگ کا سوگ منانے پر لگائی گئی حدود اور پابندیاں توڑنا روا ہے، ایسے موقع پر عورت کی طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے اسلام نے اس کے لئے شوہر کے سوا ہر عزیز کی مرگ کا صرف تین دن سوگ منانا جائز رکھا ہے۔ البتہ اگر کسی کے شوہر کی مرگ ہو جائے، تو اس عورت کو چار ماہ اور دس دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔ ان ایام میں وہ زیب و زینت نہ کرے۔ نہ زیورات اور ریشمی کپڑے پہنے، اور نہ ہی خوشبو، مہندی اور سرمہ وغیرہ لگائے۔ کیونکہ صحیح بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے:

"لا تحد المـــــرأة فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً. ولاتلبس ثوباً مصبوغا إلا ثوب عصب، ولاتكتحل ولاتمس طيبا إلا إذا طهرت نبذة من قسط أو أظفار." (۳)

کوئی عورت تین دن سے زیادہ سوگ نہ منائے، سوائے شوہر کی وفات کے،

---

(۱) صرف بین و نوحہ خوانی ہی ناجائز نہیں، بلکہ اس کا (خوشی سے) سننا بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ابوداؤد، مسند احمد، بیہقی، بزار اور طبرانی میں حضرت ابو سعید الخدریؓ سے مروی ہے۔ "لعن رسول الله ...... والمستمعة" (الفتح الربانی ۷/۱۳۔۱۱۲) یعنی "نبی ﷺ نے نوحہ خوانی کرنے اور سننے والی پر لعنت فرمائی ہے۔" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے، تخریج صلاۃ الرسول رقم ۶۳۰۔

(۲) مسند احمد ۵/۴۲۔۳۴۳/۳۴۴ بحوالہ الصحیحۃ ۴/۵۹۵، ابن ماجہ (۱۵۸۲) میں یہ ضعیف ہے۔

(۳) بخاری و مسلم، مسند احمد بحوالہ الفتح الربانی ۷/۱۵۰، بخاری (۴۲۔۵۳۴۳) ۹/۴۰۱۔۴۰۲، مسلم مع نووی (۵/۱۰/۱۱۸) صحیح ابی داؤد (۱۸۔۱۹۔۲۰) صحیح نسائی (۳۳۰۸، ۳۳۱۰) ابن ماجہ (۲۰۸۷)۔

اس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ منا سکتی ہے۔ وہ رنگین کپڑے نہ پہنے سوائے یمنی چادر کے، وہ نہ سرمہ لگائے اور نہ ہی خوشبو استعمال کرے۔ سوائے اس دن کے جس دن وہ غسل حیض سے فارغ ہو، تو عود وغیرہ کے بخور (یعنی دھوئیں) کا استعمال کر سکتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کے بقول یہ بھی کوئی خوشبو کی غرض سے نہیں، بلکہ محض خون جاری رہنے سے پیدا ہونے والی بو کو زائل کرنے کی غرض سے جائز ہے۔ (۱)

ابوداؤد اور نسائی میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"ولا تختضب." اور وہ مہندی و خضاب بھی نہ لگائے۔ اور نسائی میں ارشاد نبوی کے یہ الفاظ بھی مذکور ہیں:

"ولا تمتشط." اور وہ کنگھی بھی نہ کرے۔

یہ احکام صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہیں اور وہ بھی عام عزیزوں کی نسبت صرف تین دن اور شوہر کے لئے چار ماہ دس دن تک۔ اور مردوں کے لئے ان امور میں سے کوئی ایک بھی ایک دن کیلئے جائز نہیں ہے۔ سوائے دل کے غم اور آنکھوں کے آنسوؤں کے۔

اس ارشاد نبوی کے پیش نظر بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو چودہ سو سال پہلے کی موت شہادت پر سوگ منا رہے ہیں۔ وہ تعلیمات اسلام کے سراسر منافی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ جس کا کسی بھی طرح کوئی جواز نہیں۔

●●●

---

(۱) مسلم مع نووی ۵/۱۰/۱۱۹۔

عاشورۂ محرم کے بارے میں

موضوع احادیث وروایات

کچھ لوگوں نے محرم کے دسویں دن کی فضیلت کے سلسلے میں بہت زیادہ مبالغہ اور غلو کیا ہے۔ اور بہت ساری روایات اس بارے میں گھڑی اور اپنی طرف سے بیان کی ہیں۔ ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''مومن کے ماہ وسال'' سے چند احادیث ذکر کرتے ہیں، تاکہ غلط اور صحیح کا امتیاز کرنا آسان ہوجائے:

۱- مسند فردوس دیلمی کے حوالے سے حضرت علی (رضی اللہ عنہ) سے ایک روایت بیان کی جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تمام انسانوں کے سردار حضرت آدم علیہ السلام ہیں، عربوں کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں، رومیوں کے سردار حضرت صہیب رومی، ایرانیوں کے سردار حضرت سلمان فارسی، حبشیوں کے سردار حضرت بلال رض پہاڑوں کے سردار طور سینا ہیں۔ درختوں کا سردار سدرۃ المنتہیٰ، مہینوں کا سردار ماہ محرم، دنوں کا سردار جمعہ، تمام کلاموں کا سردار قرآن کریم، قرآن کریم کا خلاصہ سورۂ بقرہ، اور سورۂ بقرہ کا مغز آیۃ الکرسی ہے، آیۃ الکرسی میں پانچ خصوصی کلمے ہیں اور ہر کلمہ میں پچاس برکتیں ہیں۔

یہ روایت موضوع، گھڑی ہوئی اور بے سند ہے۔ کیونکہ دوسری روایات صحیحہ سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ پیارے رسول حضرت محمد ﷺ ساری کائنات انسانی کے سردار ہیں۔ اور رمضان سارے مہینوں کا سردار ہے۔

۲- بعض لوگ کہتے ہیں کہ دسویں محرم کے دن سرمہ لگانے سے سال بھر آنکھیں نہیں آتیں۔ دسویں محرم کو نہانے سے سال بھر بیماری نہیں آتی۔ دسویں محرم کو اپنے بچوں پر فراخی کرنے والے کو اللہ تعالی سال بھر وسعت وفراخی دیتا ہے۔ اس دن

کی نماز افضل و برتر ہے۔ دسویں محرم کو حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی اسی دن کوہ جودی پر ٹھہری، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود سے نجات ملی۔ اسی دن حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے وقت آسمان سے دنبہ آیا اور فدیہ بنا۔ اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کو دوبارہ ملے۔

یہ ساری روایات موضوع، من گھڑت، بے سروپا اور خود ساختہ ہیں۔

۳- حضرت مجدالدین لغوی مولف ''القاموس'' نے حاکم کے حوالے سے لکھا ہے کہ دسویں محرم کو روزے کے سوا دیگر تمام کام مثلاً دسویں تاریخ کی فضیلت کا عقیدہ رکھنا، اس دن جی کھول کر خرچ کرنا، خضاب، تیل یا سرمہ لگانا اور خصوصی کھانا، یا کھچڑا پکانا غیر ثابت ہیں اور اس سلسلے میں مروی تمام احادیث موضوع، خود ساختہ اور بہتان طرازی کے مترادف ہیں۔

۴- ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر کے اس طرح بیان کی جاتی ہے:

(۱)- جس نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عبادت لکھ دی، جس میں نماز روزے بھی شامل ہیں۔

(۲)- جس نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اسے اللہ نے دس ہزار فرشتوں کی عبادت کا ثواب دیا۔

(۳)- جس دن دسویں محرم کا روزہ رکھا اسے اللہ نے ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا ثواب دیا۔

(۴)- جس نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ دس ہزار شہیدوں کا ثواب دیتا ہے۔

(۵)- جس نے دسویں محرم کا روزہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ سات آسمانوں

جتنا ثواب دیتا ہے۔

(۶)- جس نے دسویں محرم کو کسی بھوکے کو کھانا کھلایا، گویا اس نے پوری امت محمدیہ کے فقیروں کو کھانا کھلایا۔

(۷)- جس نے دسویں محرم کو کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا، تو اس کے ہر بال کے عوض ہاتھ پھیرنے والے کو جنت میں بلند مراتب دیئے جائیں گے۔

(۸)- دسویں محرم کو ہی اللہ تعالیٰ نے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کیا۔

(۹)- دسویں محرم کو ہی اللہ نے جبریل، فرشتوں، حضرت آدم اور حضرت ابراہیم (علیہم السلام) کو پیدا کیا۔

(۱۰) دسویں محرم کو ہی اللہ نے لوح وقلم پیدا کیئے۔

(۱۱)- دسویں محرم کو ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، اور آگ ان پر ٹھنڈی ہو گئی۔

(۱۲)- دسویں محرم کے دن ہی حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کے رستے میں قربان کیا گیا۔ اور اس نے دنبے کی شکل میں ان کا فدیہ دیا۔

(۱۳)- اسی تاریخ کو فرعون کو اللہ نے دریائے نیل میں غرق کیا۔

(۱۴)- اسی تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند درجات دیئے۔

(۱۵)- اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔

(۱۶)- دسویں محرم کو ہی حضرت آدم علیہ السلام کی بھول چوک معاف کی گئی۔

(۱۷)- دسویں محرم کو ہی اللہ تعالیٰ عرش معلیٰ پر بیٹھا۔

(۱۸)- دسویں محرم کو ہی قیامت آئے گی،

یہ تمام مذکورہ باتیں موضوع، خود ساختہ، بے سند اور افترا پردازی کے

مترادف ہیں۔ علامہ ابن الجوزی نے بھی ان کو موضوعات میں لکھا ہے۔

۵- اسی طرح کچھ احادیث اس طرح بیان کی جاتی ہیں کہ محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ رکھو، کیونکہ:

(۱)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی۔

(۲)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند درجات عطا فرمائے۔

(۳)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آتش نمرود سے نجات دی۔

(۴)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی پر سے اتارا۔

(۵)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی۔

(۶)- یہی وہ دن ہے جس میں اللہ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کی بجائے دنبے کا فدیہ دیا تھا۔

(۷)- اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل سے چھٹکارا دلایا تھا۔

(۸)- اسی دن اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی قوت بینائی واپس کی تھی۔

(۹)- اسی دن اللہ نے حضرت ایوب علیہ السلام سے مصیبتیں اور پریشانیاں دور کی تھیں۔

(۱۰)- اسی دن اللہ نے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا

تھا۔

(۱۱)- اسی دن اللہ نے دریا کو چیر کر بنی اسرائیل کیلئے راستہ بنایا تھا۔

(۱۲)- اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریائے نیل عبور کیا تھا۔

(۱۳)- اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو توبہ کرنے کی توفیق بھی ہوئی۔

(۱۴)- اسی دن حضرت محمد ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کئے گئے۔

(۱۵)- اور جو اس دن کا روزہ رکھے گا اس کے لئے چالیس سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔

یہ ساری احادیث موضوع، خودساختہ، گھڑی ہوئی اور ناقابل اعتبار ہیں۔

۲- کچھ احادیث اس طرح بیان کی جاتی ہیں کہ:

(۱)- سب سے پہلا دن دسویں محرم ہے جس اللہ نے دسویں محرم کا دن پیدا کیا۔

(۲)- سب سے پہلا دن دسویں محرم ہے جس میں اللہ نے آسمان سے بارش برسائی۔

(۳)- جس نے دسویں محرم کا روزہ رکھا۔ اس نے گویا سارے زمانے کا روزہ رکھا۔

(۴)- جس نے دسویں محرم کو شب بیداری کی تو اس نے گویا ساتوں آسمانوں کی مخلوق کے برابر اللہ کی عبادت کی۔

(۵)- اس دن تمام انبیاء اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا۔

(۶)- جس نے دسویں محرم کو چار رکعات اس ترتیب سے پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ ایک دفعہ، سورۂ اخلاص پچاس دفعہ پڑھی تو اللہ نے اس کے ماضی و مستقبل کے پچاس پچاس سال کے گناہ معاف کر دیئے۔ اور ملاءِ اعلیٰ میں اس

کے لئے ایک ہزار نوری منبر بنادیئے۔

(۷)- جس نے دسویں محرم کو ایک گھونٹ شربت پلایا، تو اس نے گویا اللہ کی ایک لمحے کیلئے بھی نافرمانی نہیں کی۔

(۸)- دسویں محرم کو جس نے اہل بیت کے مسکینوں کو پیٹ بھر کر کھلایا تو وہ پل صراط سے بجلی کی چمک کی طرح گذر جائے گا۔

(۹)- دسویں محرم کو جس نے کچھ خیرات کی تو گویا اس نے سال بھر اپنے در سے کسی سائل کو واپس نہیں کیا۔

(۱۰)- دسویں محرم کو جس نے غسل کیا تو وہ مرض موت کے سوا کبھی بیمار نہ ہوگا۔

(۱۱)- دسویں محرم کو جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو گویا اس نے دنیا جہان کے تمام یتیموں کے ساتھ بھلائی کی۔

(۱۲)-دسویں محرم کو جس نے بیمار کی تیمارداری کی تو گویا اس نے تمام اولاد آدم کی تیمارداری کی۔

یہ ساری روایات اور احادیث موضوع، خودساختہ اور بعض لوگوں کی اپنی طرف سے تراشی ہوئی ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نقل فرماتے ہیں: کہ ان میں بعض روایات کے سلسلے میں بعض .... صحیح اور ثقہ راویوں کا نام بھی ملتا ہے۔ شیخ صاحب کہتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ احادیث بنانے والوں نے احادیث گھڑ کر ان کو ثقہ راویوں کے نام سے منسوب کر دیا ہے۔ تاکہ کچھ لوگ غلط فہمی میں ان کی صحت پر یقین کر لیں۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، کہ دسویں محرم کے دن سوائے روزہ رکھنے کے اور کوئی کام مسنون نہیں، اور دسویں محرم کی فضیلت میں یہ سب روایات خودساختہ ہیں۔ (۱/۱۷۹)

(۱/۱۷۹) صراط مستقیم برمنگھم ج ۱۲، شمارہ ۴، ۵ مشترکہ، بابت ذوالقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ بمطابق مئی، جون ۱۹۸۹ء مومن کے ماہ و سال ص ۱۹ تا ۲۸۔

بدعات محرم
بریلوی مکتب فکر کی نظر میں

ماہ محرم میں اپنائی جانے والی بدعات، تعزیہ داری، مرثیہ خوانی اور کالا لباس پہننا وغیرہ، کے بارے میں بعض شیعہ حضرات اپنے اخبارات و رسائل اور مجالس کے ذریعے ناواقف سنیوں کو یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی مخالفت کرنا صرف وہابی علماء کا کام ہے۔ ورنہ علماء اہل سنت کے نزدیک تو یہ کام صحیح و درست بلکہ کار ثواب ہیں۔ یہ ان کی محض مغالطہ دہی ہے۔ اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ لہذا ہم یہاں سنی علماء اور ان میں سے بھی بریلوی مکتب فکر کے بانی اور سرخیل عالم شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی تصریحات ذکر کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ان کا مغالطہ اور اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔

تعزیہ

موصوف، شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی، اپنے فتاوی موسومہ ''عرفان شریعت'' حصہ اول، ص ۱۵ پر فرماتے ہیں:

''تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں۔ اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیئے''۔

اور ص ۱۶ پر لکھتے ہیں:

(مسئلہ) ''محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟''

(جواب) ''ناجائز ہے۔ وہ مناہی و منکرات سے پر ہوتے ہیں''۔

اور اپنے فتاویٰ موسومہ ''احکام شریعت'' حصہ اول ص ۸۹ پر لکھتے ہیں:

''محرم میں سیاہ سبز کپڑے علامت سوگ ہے، اور سوگ حرام ہے''۔ آگے رقمطراز ہیں:

(مسئلہ) ''کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں:

بعض اہلسنت والجماعت محرم کے عشرہ میں نہ تو روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں، بعد دفن روٹی پکائی جائے گی۔

۲- اس دن کپڑے نہیں اتارتے۔

۳- ''ماہ محرم میں کوئی شادی بیاہ نہیں کرتے''۔

(الجواب) ''تینوں باتیں سوگ ہیں، اور سوگ حرام ہے''۔

موصوف فاضل بریلوی کی ایک مستقل تصنیف ''رسالہ تعزیہ داری'' کے نام سے بار بار چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اس کے ص۴ پر لکھتے ہیں:

''غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا۔ ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا، یہ کچھ اور اس کے ساتھ وہ کچھ، کہ گویا خود ساختہ تصویریں بعینہ حضرات شہداء رضوان اللہ علیہم کے جنازے ہیں۔

کچھ اتارا باقی توڑا، اور دفن کر دیئے۔ یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم میں دو وبال جداگانہ ہے۔ اب تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت ہے اور ناجائز وحرام ہے''۔

اور رسالہ کے ص۱۵ پر حسب ذیل سوال و جواب مذکور ہے:

سوال: ''تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عرائض بامید حاجت براری لٹکانا اور بنیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا، کیسا گناہ ہے؟''

جواب: ''افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں۔ بدعت سیئہ وممنوع و ناجائز ہیں''۔

اور ص۱۱ پر لکھتے ہیں:

''تعزیہ پر چڑھایا ہوا کھانا، نہ کھانا چاہیئے، اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دیں، تو بھی اس کے کھانے سے احتراز کریں''۔

بیاہ شادی

بعض اہلسنت اور خصوصاً بریلوی حضرات، ماہ محرم میں شادی بیاہ نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کے لئے فاضل بریلوی کا فتویٰ پیش خدمت ہے۔ چنانچہ ''ملفوظات اعلیٰ حضرت'' حصہ اول ص ۴۶ پر یوں مرقوم ہے:

عرض: ''کیا محرم وصفر میں نکاح کرنا منع ہے؟''

ارشاد: ''نکاح کسی مہینہ میں منع نہیں۔ یہ غلط مشہور ہے''۔

شرکت

شیعہ تو شیعہ، آج کل تو سنی بھی تعزیے بناتے اور کلاوے پہنتے، شہادت نامے پڑھ پڑھ کر روتے اور رلاتے ہیں۔ اور شیعوں کی مجالس میں شریک ہوتے، ان کی شیرینی کھاتے اور ماتمی جلوس میں شرکت کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے فاضل بریلوی کے رسالہ ''أعالی الإفادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان الشھادۃ'' کے بعض مقامات تازیانۂ عبرت ہیں۔ چنانچہ ایک استفتاء کے جواب میں لکھتے ہیں:

سوال: مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں، اہل سنت و جماعت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: حرام ہے۔ حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

من کثّر سواد قوم فھو منھم۔(۲/۱)

''جو شخص کسی قوم کی تعداد بڑھانے کا سبب بنا وہ انہی میں سے ہے''

(۲/۱) کشف الخفاء ومزیل الإلباس ۲/۳۶۰ حدیث (۲۵۹۹)، المقاصد الحسنۃ، الفردوس ۴/۱۶۷، طبع دار الکتاب العربی، بیروت۔

وہ بدزبان، ناپاک لوگ، اکثر تبرّا بک جاتے ہیں اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اور متواتر سنا گیا ہے کہ سنیوں کو شربت دیتے ہیں۔ اس میں نجاست ملاتے ہیں، اور کچھ نہ ہو تو اپنے یہاں قلتین کا پانی ملاتے ہیں۔ اور کچھ نہ ہو تو وہ روایات موضوعہ وکلمات شنیعہ، ماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی، اور یہ دیکھیں گے، سنیں گے، اور منع نہ کر سکیں گے۔ ایسی جگہ جانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾

تو یاد کرنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ (الأنعام ٦٨)

واللہ تعالیٰ أعلم۔

اور مذکورہ بالا رسالہ میں ہی تعزیہ داری کے بارے میں استفتاء اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: عشرۂ محرم الحرام اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت و محل عبادت ٹھہرا ہوا تھا۔ ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ و فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا جائے۔ ریا و تفاخر علانیہ ہوتا ہے۔ پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں، بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے۔ روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں۔ رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے رستے میں گرتے ہیں، مال کی اضاعت ہو رہی ہے۔ مگر نام ہو گیا کہ فلاں صاحب کا لنگر لٹا رہے ہیں۔ اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے بجے، بجئے چلے۔ طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازی عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن ....الخ۔

اب کہ تعزیہ داری اس طریقۂ نامرضیہ کا نام ہے۔ قطعاً بدعت و ناجائز حرام

ہے۔(۱)

کتب شہادت جو آج کل رائج ہیں اکثر موضوعہ و روایات باطلہ پر مشتمل ہیں۔ یوں ہی مرثیہ ایسی چیز کا پڑھنا، سننا حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

نهی رسول اللهﷺ عن المراثی۔ (رواہ ابوداؤد(۲) والحاکم عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ۔ (اعالی الافادۃ)

رسول اللہ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا ہے۔

رشتہ داری کرنا

روافض (شیعہ) کے ساتھ رشتہ داری کرنے کے بارے میں ایک استفسار اور اس پر فاضل بریلوی کا جواب، ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ سوم ص ۱۱۱ پر یوں مذکور ہے:

عرض: روافض (شیعہ) میں شادی کرنا کیسا ہے؟ آج کل عجیب قصہ ہے کہ کوئی رافضی کسی کا ماموں ہے اور کسی کا سالا، کوئی چچا اور کوئی کچھ؟

ارشاد: ناجائز ہے۔ ایمان دلوں سے ہٹ گیا ہے۔ اللہ اور رسول کی محبت دلوں سے جاتی رہی ہے۔ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿وإما ينسينك الشيطان فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظالمين﴾ (الانعام:۶۸)

تجھے اگر شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

---

(۱) ایضاً بدرالأنوار فی آداب الآثار ص ۴۰۳۔ از مولانا احمد رضا خاں۔

(۱۸۱) یہ روایت ابوداؤد میں نہیں بلکہ ابن ماجہ (۱۵۹۲) میں ہے۔ اور ضعیف ہے۔ ضعیف الجامع (۶۰۶۷) ضعیف ابن ماجہ (۳۴۸)۔

"إياكم وإياهم لايضلونكم ولايفتنونكم."

ان سے دور بھاگو، اور انہیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں۔کہیں تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

خاص رافضیوں کے بارے میں ایک حدیث ہے۔

"يأتي قوم لهم نبذ يقال لهم الرافضة لايشهدون جمعة ولاجماعة، ويطعنون على السلف فلا تجالسوهم ولا تؤاكلوهم ولاتناكحوهم وإذا مرضوا فلا تعودوهم وإذا ماتوا فلا تشهدوهم." (الحديث)

ایک قوم آنے والی ہے۔ان کا ایک بدلقب ہوگا۔انہیں رافضی کہا جائیگا۔ نہ جمعہ میں آئیں گے نہ جماعت میں۔اور سلف کو برا کہیں گے۔تم ان کے پاس نہ بیٹھنا ،نہ ان کے ساتھ کھانا پینا، نہ شادی بیاہت کرنا، بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جانا،مرجائیں تو جنازے پر نہ جانا۔

آگے لکھتے ہیں:

آج کل کے روافض تو عموماً ضروریات دین کے منکر اور قطعاً مرتد ہیں ان کے مرد یا عورت کا کسی (سنی مرد یا عورت) سے نکاح ہوسکتا ہے،ہی نہیں۔(۱)

●●●

(۱) ملفوظات اعلی حضرت ۳/۱۱۱۔بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۵۰،۵۴۔

بدعات ماہ صفر
آخری چہار شنبہ (بدھ) کی حقیقت

ہمارے برصغیر کے لوگوں کا خرافی طبقہ کسی ماہ وسال کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرنے دیتا جس میں خوشی یا سوگ کا سامان پیدا نہ کرلے۔ اور خورد ونوش کی محفلیں نہ جمالے۔ اس بات کا اندازہ لگانا ہو تو جنتریوں کو دیکھ لیں کہ عرس ومیلہ سے کوئی تاریخ خالی نہیں ہوگی۔

ان لوگوں نے ماہ صفر (ہجری کیلنڈر کے دوسرے مہینے) کے بارے میں بھی، خصوصا اس ماہ کے آخری چہار شنبہ (بدھ) کے دن کیلئے عجیب وغریب افعال ایجاد کرر کھے ہیں۔ اور انہیں اجر وثواب سمجھ کر بجالاتے ہیں، اور بریلوی طبقہ بطور خاص ان افعال کا ارتکاب کرتا ہے۔ لہذا ان افعال کی تفصیل اور ان کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر ہم انہی کے بانی مبانی عالم شاہ احمد رضا خانؔ فاضل بریلوی کی کتابوں سے بلا تبصرہ نقل کررہے ہیں۔

شائد کے اتر جائے تیرے دل میں میری بات

چنانچہ فتاویٰ عرفان شریعت حصہ دوم ص ۴۲، ۴۳) از مولانا احمد رضا خاں) پر مسئلہ ۴۰، ۴۱ کے تحت ابوالمساکین ضیاء الدین متوطن ''پیلی بھیت'' کا استفتاء اور موصوف کا جواب یوں درج ہے:

''علماء دین متین، وارثان حضور سید المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام کا مسائل ذیل میں کیا ارشاد ہے:

ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کی نسبت جو یہ مشہور ہے کہ سید عالم ﷺ نے اس میں غسل صحت فرمایا۔ اس بنا پر تمام ہندوستانی مسلمان اس دن کو روز عید سمجھتے ہیں، اور

غسل واظہار فرح وسرور کرتے ہیں۔شرع مطہرہ میں اس کی کوئی اصل ہے، یانہیں؟

جواب: یہ محض بے اصل ہے۔

اسی طرح مولانا موصوف کی دوسری کتاب ''احکام شریعت حصہ دوم ص۱۹۳۔۱۹۴پر بھی ایک سوال و جواب مذکور ہے۔ جو کچھ اس طرح ہے:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس امر میں کہ ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ(بدھ) کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز رسول کریم ﷺ نے مرض سے صحت پائی تھی۔ بناء بریں اس روز کھانا وشیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں۔علی ہذا القیاس۔

مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس روز کو نحس و نامبارک جان کر پرانے برتن گلی میں ڈالتے ہیں، اور تعویذ و چھلہ چاندی اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ ﷺ مریضوں کو استعمال کراتے ہیں۔ وغیرہ، یہ جملہ امور بر بنائے صحت پانے رسول اللہ ﷺ عمل میں، لائے جاتے ہیں۔لہذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے یا نہیں؟ اور فاعل و عامل اس کا بر بنائے ثبوت یا عدم ثبوت ، مرتکب معصیت ہوگا، یا قابل ملامت وتادیب؟

الجواب: آخری چہار شنبہ(بدھ) کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحت پائی حضور سید عالم ﷺ کوئی ثبوت ، بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی ،اس کی ابتدا اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔اور ایک حدیث شریف مرفوع میں آیا ہے:

''آخر أربعاء من الشهر يوم نحس مستمر.''(۱)

اور مروی ہوا کہ ابتدائے ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اسی دن تھی۔اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتنوں کو توڑ دینا گناہ اور اضاعت مال ہے۔

---

(۱۸۳) تاریخ بغداد للخطیب (۱۴/۴۰۵) یہ روایت موضوع ہے۔ ملاحظہ ہو: الضعیفۃ ۴/۸۳ حدیث (۱۵۸۱) ضعیف الجامع (۳)۔

بہر حال یہ سب باتیں بالکل بے اصل اور بے معنی ہیں۔ (۱۸۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بھائیو! یہ ہے آخری چہار شنبہ، جس کی بابت مولانا احمد رضا خاں صاحب کا فتویٰ آپ نے پڑھ لیا ہے۔ جو کسی تشریح یا تبصرے کا محتاج نہیں۔

کیا بریلوی حضرات اس فتویٰ کا احترام کرتے ہوئے قوم کو رسومات و بدعات کی دلدل سے نکالنے کی مخلصانہ کوشش فرمائیں گے؟

بقول نذیر نیازبیگی ؎

ڈر و خدا سے ہوش کرو اور مکر و ریاء سے کام نہ لو
یا اسلام پہ چلنا سیکھو، یا اسلام کا نام نہ لو

●●●

---

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلویؒ از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۵۸، ۵۹، طبع مکتبہ نذیر یہ لاہور۔

ظہور قدسی یا نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے بعد ارض و سماء کے روحانی تعلق اور رشتۂ وحی کو منقطع ہوئے کم و بیش چھ سو سال گزر چکے تھے۔ پوری دنیا بالعموم اور ملک و قوم عرب بالخصوص کچھ اس طرح کے مذہبی واخلاقی، اور معاشرتی وسیاسی انحطاط سے دو چار تھی کہ پورا عالم انسانیت ہی گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھر چکا تھا۔ انسان کا ضمیر مرجھا چکا تھا، تاریکیوں نے ہر پہلو سے بنی آدم کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اور روشنی کی کوئی کرن دور دور تک نظر نہیں آتی تھی۔

خالق کائنات، مالک ارض و سماء کو اپنی اس مخلوق انسانی کے حال پر ترس آ گیا۔ رحمت الٰہی جوش میں آئی اور اس نے بھٹکی ہوئی انسانیت کی راہنمائی کے لئے اولاد ابراہیم خلیل اور نسل اسماعیل ذبیح علیہم السلام سے نبی آخر الزماں رحمۃ للعالمین ﷺ کو پیدا فرمایا۔

آپ ﷺ کی ولادت کے اس یوم سعید کے بارے میں مولانا علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں۔ چرخ نادرۂ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو گئیں، لیکن آج (یعنی ۹ ربیع الاول) کی تاریخ، وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لئے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنان قضاء وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ

وخورشید کی فروغ انگیزیاں، ابروباد کی تردستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجز طرازیٔ موسیٰ، جاں نوازیٔ مسیح (علیہم السلام) سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں قدر، شاہ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے''۔

آج کی صبح وہی صبح جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں، وہی دورفرخ فال ہے۔

ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ:

''آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ آتش کدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہوگیا''(۱)

لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم اور اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے۔ آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آزرکدۂ گمراہی سرد ھوکر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہرطرف پھیل گئیں۔ اخلاق انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔ (یعنی) یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہ حرم، حکمرانِ عرب، فرمانروائے عالم، شاہِ کونین، عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوئے۔(۲)

اور یہ تحقیق ہم آگے پیش کررہے ہیں کہ ہیئت دانوں، مورخوں اور سیرت نگاروں نے صحیح ترین تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ۱ عام الفیل (۳) بمطابق

---

(۱) یہ ارہاصات نبوت امام بیہقی اور طبقات (۱/۶۳) میں ابن سعد وغیرہ نے ذکر کئے ہیں، مگر علامہ محمد الغزالی نے ان تعبیرات کو غلط قرار دیا ہے۔ (فقہ السیرہ بتخریج الالبانی ص ۶۱ طبع مصر)

(۲) سیرت النبی ۱/۱۷۰، ۱۷۱۔

(۳) ترمذی شریف میں قیس بن مخرمہ کے الفاظ ہیں ''ولدت أنا ورسول الله ﷺ عام الفيل ''۔ اسی روایت میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قباث بن اشیم سے پوچھا: أنت أكبر أم رسول الله

۲۰/اپریل بروز پیر ہی کو قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی ولادت کے بعد سیدہ آمنہ نے آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کو پیغام مسرت بھیجا۔ وہ خوشی خوشی گھر آئے، اپنے عنفوان شباب میں داغ مفارقت دے جانے والے بیٹے کی نشانی کو گود میں لیا، اور خانہ کعبہ میں لے گئے۔ وہاں دعا مانگی اور واپس لائے۔ اور دادا ہی نے اپنے اس دریتیم کا نام محمد رکھا، اور ابن ہشام (۱/۱۶۰۔۱۵۹) میں لکھا ہے: ''کہ آپ ﷺ کے دادا نے آپ ﷺ کے ساتویں دن آپ ﷺ کا ختنہ کیا۔ اور ساتویں دن ہی آپ ﷺ کا نام بھی رکھا۔ (۱) اور یہ بات جو عام مشہور ہے کہ نبی ﷺ مختون پیدا ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں، بلکہ ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں۔ اور یہ کوئی خاصۂ رسول بھی نہیں، کیونکہ کتنے ہی اور لوگ بھی مختون پیدا ہو چکے ہیں۔ (۲)

ایسے ہی اور بھی بہت سے امور مثلاً حمل آمنہ، شب ولادت رسول اللہ ﷺ میں ارہاصات وخوارق کتب تاریخ میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن میں سے کچھ غلو کا نتیجہ ہیں۔ تو کچھ رواۃ کے تساہل قبول کا۔ کچھ روایات ضعیف ہیں، اور کئی موضوع ہیں، اسی لئے ہم نے ان میں سے کچھ نقل نہیں کیا۔ کیونکہ جب صحاح وحسان میں کفایت ہے تو ضعاف وموضوعات کی کیا حاجت؟

●●●

بقیہ پچھلے صفحہ کا: ﷺ؟ تم بڑے ہو یا رسول اللہ ﷺ؟ تو انہوں نے کمال ادب سے جواب دیا'' رسول اللہ أكبر مني و أنا أقدم منه في الميلاد ''مجھ سے بڑے تو رسول اللہ ﷺ ہی ہیں البتہ میں آپ ﷺ سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ (ترمذی مع تحفۃ الأحوذی ۱۰/ ۸۸۔۸۹، حدیث ۳۶۹۸ طبع مدینہ)۔ ضعیف الترمذی (۷۴۴)۔

(۱) تفصیل کے لئے: زادالمعاد ۱/ ۸۱۔۸۲ تحقیق الأرناؤوط طبع قطر۔

(۲) فقہ السیرۃ، غزالی ص ۶۱۔

عید میلاد کے نام پر کی جانے والی یہ خوشیاں ولادت پر ہیں یا وفات پر؟

عید میلاد النبی منانے یا نہ منانے کے مسئلے سے پہلے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کب ہوئی؟ اور آپ ﷺ نے وفات کس دن پائی؟ تا کہ کہیں غلطی سے آپ ﷺ کی وفات پر خوشیاں منانے کا نادانستہ جرم نہ کرتے رہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات تو تمام مورخین اور سیرت نگاروں میں متفق علیہ ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کا دن پیر ہے۔ اور اصحاب تاریخ وسیر پر ہی بس نہیں، خود نبی اکرم ﷺ کی ایک صحیح حدیث مسلم شریف میں موجود ہے۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے پیر کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"ذلك يوم ولدت فيه او أنزل على فيه." (مسلم، ابوقتادہ)

یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا۔ اور اسی دن میں مبعوث ہوا، یا مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (۱)

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"ولد النبي ﷺ يوم الإثنين. واستنبئ يوم الاثنين وتوفي يوم الاثنين وخرج مهاجرا من مكة إلى المدينة يوم الاثنين، قدم المدينة يوم الاثنين و رفع الحجر يوم الاثنين. (۲)

(۱) مسلم مع نووی ۸۱۴-۵۱۔

(۲) قال الهيثمى فى مجمع الزوائد رواه أحمد و الطبرانى فى الكبير وزاد فيه: فتح بدراً يوم الاثنين ونزلت سورة المائدة يوم الاثنين ﴿اليوم اكملت لكم دينكم﴾ وفيه ابن لهيعه وهو ضعيف (أى لأنه عنعن) وبقية رجاله ثقات من اهل الصحيح، انظر الفتح الربانى ۲۰/۱۸۹۔

نبی اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن نبوت کا اعلان کیا اور پیر کے دن وفات پائی، اور پیر کے دن مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور پیر کے دن مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے، اور پیر کے دن حجر اسود کو اٹھایا۔

رہا معاملہ تاریخ ولادت کا، تو اس کے بارے میں خود آپ ﷺ سے تو کوئی روایت نہیں ملتی، البتہ سیرت ابن اسحاق کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔

نبی اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے اور پیر کے دن نبوت کا اعلان کیا، اور پیر کے دن ہی وفات پائی۔ اور پیر کے دن نبی اکرم ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ جس سال کہ ہاتھی والے ابرہہ اور اس کے لشکر نے بیت اللہ شریف پر حملہ کیا۔ اور غضب الٰہی کا شکار ہوئے تھے۔(۱)

اور امام سہیلیؒ نے نقل کیا ہے: کہ ہاتھی ماہ محرم میں مکہ آیا تھا۔ اور آپ ﷺ اس واقعہ کے پچاس دن بعد پیدا ہوئے تھے۔ جب کہ امام سہیلیؒ اور محمد بن اسحاق کے بقول جمہور اہل علم کا مشہور مسلک یہی ہے۔(۲)

مفسر شہیر اور مورخ کبیر حافظ ابن کثیر نے اپنی کتاب ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے: جمہور اہل علم کا مسلک یہ ہے کہ آپ ﷺ ماہ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، لیکن یہ کہ آپ اس ماہ کے اول، آخر، وسط یا کس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ اس کے بارے میں مورخین اور سیرت نگاروں کے بکثرت اقوال نقل کئے ہیں۔ کسی نے دو ربیع الاول کہا ہے کسی نے آٹھ، کسی نے دس اور کسی نے بارہ، کسی نے سترہ اور کسی نے

---

(۱) وہ روایت یوں ہے "عن قیس بن مخرم ... قال ولدت أنا ورسول الله ﷺ عام الفیل فنحن ولدان ولدنا مولداً واحداً (ابن اسحاق بسند جید، کذا قاله البناء فی الفتح الربانی ۲۰ / ۱۹۰) قیس بن مخرم بیان کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ ﷺ ایک ہی سال عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اور ہم دونوں ہم عمر ہیں۔ تہذیب سیرۃ ابن ہشام۔ عبدالسلام ہارون ص ۳۶۔

(۲) الفتح الربانی للبنا ۲۰/۱۹۰، سیرۃ ابن ھشام اردو ۱/۱۸۲

اٹھارہ اور بعض نے بائیس ربیع الاول کہا ہے۔ اور ان سب میں سے راجح قول دو ہیں۔ ایک بارہ ربیع الاول کا اور دوسرا آٹھ ربیع الاول کا، اور صاحب ''بدایہ'' نے آٹھ کو ہی راجح قرار دیا ہے۔ جو امام حمیدیؒ نے ابن حزمؒ سے نقل کیا ہے۔ اور کئی دیگر ائمہ نے اسی کی تائید کی ہے۔(۱)

امام طبری اور ابن خلدون بارہ ربیع الاول کو اختیار کیا ہے۔(۲) اور امام ابن الجوزی نے ''الوفابأ حوال المصطفیٰ'' (۱/۱۵۴ طبع الریاض) میں دس ربیع الاول کو اولیت دی ہے۔ جب کہ ماضی قریب کے دو سیرت نگاروں میں سے علامہ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے اپنی کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں اور علامہ شبلی نے ''سیرت النبی'' میں ۹ ربیع الاول بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو از روئے تحقیق جدید صحیح ترین تاریخ ولادت قرار دیا ہے۔(۳) اسی تاریخ کو محمد طلعت عرب نے ''تاریخ دول العرب'' میں صحیح قرار دیا ہے۔(۴) اور مصر کے معروف ماہر فلکیات اور مشہور ہیئت داں محمود پاشا فلکی نے اپنی کتاب ''التقویم العربی قبل الإسلام وتاریخ میلاد الرسول وہجرتہ'' میں دلائل ریاضی کے رو سے متعدد زائچے بنا کر ثابت کیا ہے کہ عام الفیل ماہ ربیع الاول میں یوم الاثنین کی صحت کے پیش نظر اور فرزند رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے یوم وفات پر سورج گرہن لگنے کے حساب کو مدنظر رکھا جائے، تو آپ ﷺ کی صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول ہی آتی ہے۔ جبکہ شمسی عیسوی تقویم کے حساب سے

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۲/۲۶۲-۲۵۹۔

(۲) بحوالہ رحمۃ للعالمین ۱/۴۰ حاشیہ۔

(۳) شبلی ۱/۱۷۱، قاضی ۱/۴۰۔

(۴) بحوالہ قاضی ۱/۴۰، حاشیہ ۲/۳۶۷ أیضا۔ انظر، محمد، القدوۃ الکاملۃ'' ص ۷ طبع وزارۃ العدل والشئون الإسلامیہ دبی۔

آپ ﷺ کی ولادت کا وقت ۲۰/اپریل ۵۷۱ء بروز پیر کی صبح بنتا ہے۔(۱)

محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے۔اس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱- صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (آنحضرت ﷺ کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا، اور یہ سن ۱۰ ہجری تھا۔ اور اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا)

۲- ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ (۱۰ھ) کا گرہن ۷/جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

۳- اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ ﷺ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے، جس میں از روئے قواعد ہیئت ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲/اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

۴- تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ یعنی پیر کا دن تھا، اور تاریخ آٹھ سے لے کر بارہ تک میں منحصر ہے۔

۵- ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن صرف نویں تاریخ کو پڑتا ہے۔

ان وجوہ کی بناء پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰/اپریل ۵۷۱ء، اور ربیع الاول کی ۹/تاریخ تھی۔ اور ۱۲/ربیع الاول کی جو مشہور روایت ہے وہ حساب سے صحیح ثابت نہیں ہوتی۔(۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی پیدائش ۱۲/ربیع الاول کو نہیں بلکہ صحیح تاریخ ۹/ربیع الاول ہے۔ ہاں! آپ ﷺ کی وفات ضرور بارہ ربیع الاول کو ہوئی

---

(۱) حدائق الأنوار ۱/۲۹ طبع قطر عن التقویم العربی ص ۳۶ تا ۳۹۔

(۲) بحوالہ سیرت النبی ۱/۱۷۱،۱۷۲، طبع قرآن محل کراچی۔

تھی، جیسا کہ معروف کتب تاریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے، جس کی مفصل تحقیق تو ہم اس کے موقعہ پر پیش کریں گے۔ یہاں ہمیں صرف اتنا ہی عرض کرنا ہے، کہ ہمارے بھائی جس تاریخ کو خوشیاں مناتے ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کا یوم پیدائش نہیں، بلکہ یوم وفات ہے۔ اور چند سال پہلے بلکہ آج تک بارہ وفات کے نام سے مشہور ہے۔ تو وفات سرور کائنات (ﷺ) پر خوشیاں

"ایں چہ بوالعجبی است"

اللہ تعالیٰ اس پہلو پر توجہ دینے اور سوچنے کی توفیق بخشے۔

●●●

مروجہ میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت کتاب وسنت کی روشنی میں

پورے عالم کے مسلمانوں اور بالخصوص اسلامیان برصغیر کا ایک طبقہ اس بات کا عادی ہو چکا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے جشن منائے اور جلوس نکالے۔ اکل وشرب کی دعوتیں کرے اور قوالیاں سنے۔ جب کہ دوسرا طبقہ اس جشن کو شرعاً ناجائز قرار دیتا ہے۔

اس مختلف فیہ مسئلہ اور ایسے ہی دیگر اختلافی مسائل کے سلسلہ میں قرآن پاک نے ہمیں ایک بہترین اصول دیا ہے۔ کہ تنازعات کو اول تو سرے سے ہوا ہی نہ دی جائے، تاکہ امت کی اجتماعی قوت میں کمزوریاں پیدا نہ ہوں۔ جیسا کہ سورۂ انفال آیت ۴۶ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿أطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا إن الله مع الصابرين﴾۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اور اگر کبھی کسی معاملہ میں اختلاف ہو ہی جائے، تو اس کیس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عدالت میں لے جاؤ۔ اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہو اسے قبول کرلو۔ جیسا کہ سورہ نساء آیت ۵۹ میں فرمان الٰہی ہے:

﴿فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير و أحسن تأويلا﴾۔

پھر تمہارے درمیان اگر کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

اور جب اللہ اور اس کے رسول فیصلہ کر دیں تو اسے بلا چوں و چرا قبول کر لینا ہی ایمان کی سلامتی کا ضامن ہے، جیسا کہ سورۂ نساء آیت ۶۵ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما﴾.

(اے پیغمبر) تیرے پروردگار کی قسم وہ مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے جھگڑوں کا فیصلہ تجھ سے نہ کروائیں۔ اور پھر تیرے فیصلے سے ان کے دلوں میں کچھ اداسی نہ ہو۔ بلکہ (خوشی خوشی) مان کر منظور کر لیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے فیصلے کے خلاف دل میں ذرہ برابر بھی تنگی اور ناپسندیدگی کی جائے، تو ایمان کے منافی ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے: "لا يؤمن أحدكم حتى تكون هواه تبعا لما جئت به." (۱) تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی خواہش نفس میرے لائے ہوئے طریقے (دین) کے تابع نہ ہو۔

اور سورہ احزاب آیت ۳۶ میں فرمایا کہ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کوئی فیصلہ کر دیں، پھر کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اپنی مرضی سے کوئی اور راہ اپنائے بلکہ اسے فیصلے کو قبول کرنا ہی ہوگا۔

---

(۱) ابن کثیر: آیت ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة﴾ (الأحزاب، الآية ۳۶) تاریخ بغداد ۴/۳۶۹، فی ترجمۃ احمد بن محمد الاسفرائینی (۲۲۳۹) شرح السنہ بغوی ۱/۲۱۳ یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں ایک راوی نعیم بن حماد ہے۔ جو کہ ضعیف ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جامع العلوم والحکم ابن رجب ص ۲۳۸، ۲۳۹ حدیث (۴۱) شرح السنہ بغوی، تحقیق الارناؤوط ۱/۲۱۳ حدیث (۱۰۴)۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وماكان لمؤمن ولامؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبيناً﴾۔

اور کسی مسلمان مرد یا عورت کے لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کسی بات کا حکم کردیں تو پھر ان کو اس بات میں کوئی اختیار رہے، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمان نہ مانے (اور دوسروں کی رائے پر چلے) تو وہ کھلا گمراہ ہو چکا ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ کے اس عطا کردہ اصول (اپنے تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو) کے پیش نظر جب اس جشن میلاد جیسے اختلافی مسئلہ کا حل تلاش کرنے کے لئے کتاب الٰہی کو کھولیں۔ اس کے تیس پاروں یا ایک سو چودہ سورتوں کو اول تا آخر پڑھ جائیں۔ آپ کو کوئی ایک بھی آیت ایسی نہیں ملے گی جس سے مروجہ جشن منانا ثابت ہو۔ لہٰذا عدالت الٰہی کا فیصلہ میلاد منانے والوں کے حق میں نہ ہوا۔ اور جس کام کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔ اسے سرانجام دے کر اجر وثواب کی توقع رکھنا کارعبث ہے۔

اور جب ہم ارشاد الٰہی کے مطابق دوسرے ثالث یا عدالت مصطفیٰ ﷺ کا رخ کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت عطرہ کا مطالعہ یہ بات واضح کردیتا ہے کہ آپ ﷺ نے نہ خود اپنی ولادت کے دن جشن منایا، اور نہ ہی اس بات کا کسی کو حکم فرمایا ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے شاید غربت وافلاس کی وجہ سے ایسا نہ کیا ہوگا۔ بلکہ اگر آپ ﷺ کی مکی زندگی کو محدود معنوں میں قدرے تنگدستی کی زندگی بھی سمجھ لیا جائے، تو ہجرت مدینہ کے بعد دس سال کے دوران آپ ﷺ

---

(۱) اس سے معلوم ہوا کہ کسی آیت یا حدیث کے مقابلے میں کسی مجتہد کی رائے پر عمل نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ جونہی کوئی آیت یا حدیث ملے اسے سر آنکھوں پر رکھیں، اور مجتہد کی رائے صد احترام کے باوجود ترک کردیں کیونکہ اسی میں ایمان کی سلامتی اور گمراہی سے بچاؤ ہے۔

دولت اسلامیہ کے بانی وحاکم ہو گئے، عرب وعجم اور ممالک مشرق ومغرب کے تمام خزانے آپ ﷺ کے قدموں میں ڈھیر ہو گئے۔ مگر اس فارغ البالی کے باوجود بھی آپ ﷺ نے تادم آخر کسی سال بھی اس قسم کی عید اور جشن نہیں منایا تھا۔ اور جب خود صاحب میلاد نے ایسا نہیں کیا، اور نہ ہی کسی کو اس کا حکم فرمایا، تو ایسے کام کو سرانجام دینا کس طرح کی نیکی وثواب ہو سکتا ہے؟

اگر اس کام میں نیکی وثواب ہوتا، کوئی بھی دینی یا دنیوی فائدہ ہوتا، تو آپ ﷺ اپنے صحابہؓ کو ضرور اس کا حکم دے دیتے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی شان میں تو خود اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ آیت ۱۲۸ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لقد جاء کم رسول من أنفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم﴾۔

دیکھو تم لوگوں کے پاس ایک رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا نقصان میں پڑنا اس پر شاق گذرتا ہے۔ تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے، ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیق اور رحیم ہے۔

ایسے شفیق ورحیم نبیؐ اپنے صحابہ کو کسی نیکی سے کیسے محروم رکھ سکتے تھے، آپ ﷺ کی زندگی مبارک سے قولاً اور فعلاً دو ہی عیدوں کا پتہ چلتا ہے۔ جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں، اور تیسرے نام کی کسی عید کا تصور تک نہیں ملتا۔ البتہ آپ ﷺ کے بعض ارشادات میں یوم جمعہ کو عید بلکہ دونوں معروف عیدوں سے بھی افضل قرار دیا ہے۔

بہرحال موقع ہونے اور کوئی امر مانع بھی نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کا نہ خود جشن منانا، نہ اس کا حکم دینا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ کوئی کارخیر نہیں۔

●●●

جشن میلا د صحابہؓ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ کی نظر میں

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روشنی میں مروجہ جشن میلا د النبی کی شرعی حیثیت کے بارے میں عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ ہی نبیٔ اکرم ﷺ سے، نہ قولاً اور نہ ہی عملاً۔

سنن اربعہ میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"عن العرباض بن سارية رضي الله عنه قال: وعظنا رسول الله ﷺ، موعظة (بليغةً) وجلت منها القلوب وذرفت منها العيون فقلنا يا رسول الله ﷺ، كأنها موعظة مودع فأوصنا، قال: أوصيكم بتقوى الله عزو جل، والسمع والطاعة و إن تأمر عليكم عبدٌ حبشيٌ فإنه من يعش منكم بعدى فيسرىٰ اختلافا كثيرا. فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار." (۱)

انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایسا پر اثر وعظ فرمایا جس سے ہمارے دل خوف زدہ ہوگئے اور آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ یہ تو گویا الوداعی وعظ معلوم ہو رہا ہے، ہمیں وصیت فرمائیں، تو آپ ﷺ نے

---

(۱) قرطبی ۷/ ۱۳۹،۳۸، عن الترمذی وابن ماجہ قال ابوبکر جابر الجزائری فی رسالتہ "الإنصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والإجحاف": ص۳۲۔ رواہ اصحاب السنن وھو صحیح الإسناد، وانظر ایضاً الترغیب والترھیب للمنذری بتحقیق محمد محی الدین ۱/ ۵۸، حیث قال: رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ وابن حبان۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ٦٧ ص ۱۱۷۔

فرمایا: میں تمہیں تقویٰ (اللہ کے خوف) اور سمع و طاعت کی تاکید کرتا ہوں، اگر چہ تم پر کوئی حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔ پس جو شخص تم میں سے میرے بعد زندہ رہا وہ بہت بڑے اختلافات دیکھے گا (یعنی اختلافات سے دوچار ہوگا) پس تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ اس (سنت کو) مضبوطی کے ساتھ پکڑے رکھو، اور دین میں نئی نئی باتیں داخل کرنے سے بچو، اور ہر نئی بات (دین میں داخل کرنا) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، اور ہر گمراہی آگ میں (لے جانے والی) ہے۔

اور مسلم شریف میں ہے:

"ان النبی ﷺ کان یقول فی خطبته أما بعد: فان خیر الحدیث کتاب الله و خیر الهدی هدی محمد ﷺ، أما بعد، و شر الأمور محدثاتها و کل بدعة ضلالة."(۱)

بے شک رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے، بہترین حدیث اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اور بہترین طریقہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔ اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) ایجاد کئے گئے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسلم عن جابر ابن عبداللہ) وفی روایۃ النسائی:

"وکل محدثة بدعة و کل بدعة فی النار." (۲)

اور ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت آگ میں (لے جانے والی) ہے۔

نسائی کے علاوہ سنن اربعہ، مسند احمد، ابی یعلی اور طبری کی متقارب الفاظ والی ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"افترقت الیهود علی إحدیٰ وسبعین فرقة وافترقت النصاریٰ علی اثنین و سبعین فرقةو ستفترق هذه الأمة علی

(۱) مسلم مع نووی ۳/۶/۱۵۳۔

(۲) صحیح النسائی (۱۴۸۷)۔

ثلاث و سبعين فرقة كلها فى النار إلا واحدة قالوا من هى يا رسول الله؟ قال: من كان على مثل ما أنا عليه۔(و فى رواية اليوم) واصحابى." (۱)

یہود اکہتر فرقوں میں اور نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے ۔اور یہ (میری امت) تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔اوران میں سے ایک کے سوا باقی سب جہنمی ہوں گے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا،کہ وہ نجات پانے والا فرقہ کون سا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا: نجات وہ لوگ پائیں گے جن کا عمل مجھ جیسا اور میرے صحابہؓ جیسا ہوگا۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے کتاب وسنت کے بعد خلفاء راشدین اور عام صحابہؓ کے طریقے کو بھی معتبر اور ذریعۂ نجات قرار دیا ہے،اور جب ہم خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو بکثرت واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے ایک اشارۂ ابرو پر اپنا مال وجان قربان کرنے کے لئے بیتاب رہتے تھے۔آپ ﷺ کو دل وجان سے چاہتے تھے۔آپ ﷺ کے احکام وارشادات پر عمل پیرا ہونا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی سنت پر مر مٹتے تھے۔لیکن جب ہم اس مروجہ عید میلاد کو تلاش کرتے ہیں تو ان کی زندگیوں میں اس کا کہیں سراغ تک نہیں ملتا۔نہ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں، نہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں، نہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد میں، نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں۔اور نہ ہی ایک لاکھ چالیس ہزار سے زیادہ صحابۂ کرام رضوان

---

(۱)مشکاۃ تحقیق البانی ۱/۶۱۔ للتفصیل :المرعاۃ ۱/۲۶۹۔۲۷۹۔طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل۔صحیح ابی داؤد (۳۸۴۲) صحیح الترمذی (۲۱۲۸)، ابن ماجہ (۳۹۹۱۔۳۹۹۲)الموارد (۱۸۳۴)، الحاکم ۱/۱۲۸، مسند احمد ۲/۳۳۲، صحیح الجامع (۱۰۸۲،۱۰۸۳)، الصحیحۃ ،حدیث (۲۰۳۔۱۴۹۲) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔

اللہ علیہم میں سے کسی کے قول و عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے، اور جو عمل موقع و گنجائش اور عدم موانع کے باوجود محبان رسول اور فدایان مصطفیٰ ﷺ کی نظروں سے اوجھل رہا ہو وہ یقیناً شریعت اسلامیہ کا جز نہیں ہوسکتا۔ یا پھر ہمیں اس بدگمانی کا کھل کر اظہار کر دینا چاہئے کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کو نعوذ باللہ نبی کریم ﷺ سے محبت نہ تھی۔ یا کم از کم اتنی نہ تھی جتنی آج کے جشن منانے والوں کو ہے۔

بخاری و مسلم شریف میں ارشاد نبوی ہے:

"خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم."(۱)

تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر ان لوگوں کا جو اس کے بعد والے ہیں، اور پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد والے ہیں۔

یہاں آپ ﷺ نے قیامت تک آنے والے لوگوں میں سے اپنے اور اپنے صحابہؓ، پھر تابعینؒ اور اس کے بعد تبع تابعینؒ کے تین زمانوں کو قرون خیر قرار دیا ہے، اور اس عید میلادالنبیؐ کے بارے میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی سے کچھ منقول نہیں کہ ان تینوں صدیوں میں کسی نے یہ عید ثالث منائی ہو۔

اور بالآخر چار معروف فقہی مذاہب کے ائمہ مجتہدین حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کی اجتہادی مسائل اور کتب فقہ کا مطالعہ کریں، آپ کو کسی امام صاحب کے یہاں اس عید کا ذکر نہیں ملے گا۔ اور نہ دیگر فقہاء و محدثین میں سے کسی نے اس کا حکم دیا ہے۔ تو پھر صاحبو! جو چیز تینوں قرون مشہود لہا بالخیر بلکہ اسلام کے پہلے چھ سو پچیس برس تک موجود نہ تھی، اسے جائز و ثواب قرار دینا شریعت سازی اور سینہ زوری کے سوا کچھ نہیں۔

اور اس جشن میلاد کی حیثیت اس وقت اور بھی خطرناک ہو جاتی ہے جب اس میں راگ رنگ اور گانے بجانے کا عنصر شامل ہو جائے۔ چاہے اسے قوالی کہیں، یا

---

(۱) متفق علیہ، مشکاۃ ۳/۱۶۹۵ تحقیق الالبانی۔ بخاری (۳۶۵۰) ۵/۱۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۵۳۔

کوئی بھی نام دے لیں۔ اور جب جلوسوں میں مرد و زن کا اختلاط ہو تو وہاں کیا کیا قباحتیں جنم نہ لیں گی۔ اور پھر ذکر و دعا کے خانہ ساز انداز جن میں کسی کو بدعت کہا جا سکتا ہے، تو کئی شرک پر منتج ہوتے ہیں، جیسے دعا و ندائے غیر اللہ وغیرہ۔

اسی طرح ان جلسے جلوسوں میں نبی کریم ﷺ کی شان میں غلو کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آپؐ کو مقام الوہیت بلکہ اس سے بھی اوپر بڑھا دیا جاتا ہے، جیسا کہ ایک جاہلانہ شعر ہے ؎

اللہ کا پکڑا چھڑائے محمدؐ　　　محمدؐ کا پکڑا چھڑا کوئی نہیں سکتا

یہ اسی غلو کی ایک مثال ہے۔ اس طرح آپ ﷺ کو نور مجسم اور عالم غیب ثابت کرنا وغیرہ بھی ہیں، جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

●●●

قائلین عید میلاد النبی کے دلائل اور ان کا رد

ہم عید میلاد النبیؐ کی شرعی حیثیت کے بارے میں ذکر کر آئے ہیں، کہ اس کا عہد رسالت وخلافت اور دور صحابہ وتابعین سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، بلکہ ساتویں صدی ہجری (۶۲۵ ھ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بہنوئی اور موصل کے قریبی شہر اربل کے گورنر ملک مظفر ابوسعید کوکبری نے اسے رواج دیا۔ وہ محفل میلاد میں، بھانڈ، مراسی، راگ رنگ، اور ناچنے والوں کو جمع کرتا اور راگ سنتا، اور گانا باجا سن کر خود بھی ناچا کرتا تھا۔ (۱)

اور مولف ''الإبداع في مضار الابتداع'' نے لکھا ہے کہ عیسائیوں کے کرسمس کی دیکھا دیکھی میں مصری فاطمیوں نے جشن میلاد کو رواج دیا تھا۔ (۲) اور قرون اولی میں اس کا ثبوت نہ ہونے اور ساتویں صدی میں آ کر شروع ہونے کی وجہ سے ہی اہل علم نے اسے ''بدعت'' قرار دیا ہے۔ (۳)

اس میلاد کے جواز کا فتویٰ سب سے پہلے ملک مظفر کے عہد کے ایک مولوی شیخ ابوالخطاب ابن دحیہ نے ایک رسالے ''التنویر فی مولد البشیر النذیر'' میں دیا جس کی تالیف پر اسے ملک مظفر نے ایک ہزار دینار انعام دیا تھا۔ (۴) اور اس مولوی ''ابن دحیہ'' کو کبائر علماء حدیث نے کذاب، ناقابل اعتبار، غیر صحیح النسب، بے تکی اور اٹکل پچو باتیں کرنے والا قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیلات البدایۃ والنہایۃ

---

(۱) البدایہ والنہایہ ۱۳/۷/ ۱۳۶-۳۷ طبع المعارف بیروت۔ الإنصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والإجحاف، لابی بکر جابر الجزائری ص ۳۴، ۳۱ طبع جمعیہ إحیاء التراث، کویت۔

(۲) بحوالہ کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آل محمود ص ۵۰ طبع قطر۔

(۳) دیکھئے مقالہ شیخ ابن باز، مجلۃ الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ جلد ۵ شمارہ ۴ محرم ۱۹۷۳ء۔ فتاوی المنار، محمد رشید رضا علامہ مصر ج ۵ ص ۲۱۱۱ فتوی نمبر ۷۶۵۔

(۴) البدایۃ والنہایۃ ۱۳/۷/ ۱۳۷، الإنصاف ۳۴/ ۳۵۔

(۷/۱۳/۷/۱۳۷) اور لسان المیزان (۴/۲۹۷۔۲۹۶) میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

ایسے لاف گزاف مولوی کے فتویٰ کی جو حیثیت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے، اور پھر اس کے پیچھے مولویوں کی ایک بھیڑ لگ گئی۔ اور متاخرین میلادیوں نے اس کے جواز کے جو دلائل دیئے ہیں، ان کے ذکر اور ان پر بحث و تنقید کے لئے تو ایک طویل مقالہ درکار ہے۔ البتہ یہاں محض اشاروں میں مختصراً عرض کر رہے ہیں، مثلاً:

اعتراضات

۱- کہا جاتا ہے کہ اگر میلاد بدعت ہے، تو یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کی کئی مثالیں سابق میں پائی گئی ہیں۔ جیسا کہ نماز تراویح کی جماعت ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ سے تو صرف تین دن با جماعت ثابت ہے۔ پھر عہد فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پورا مہینہ جماعت کا اجراء کیا اور با جماعت نماز ادا کرتے لوگوں کو دیکھ کر فرمایا:

"نعمت البدعة هذه." (۱)

کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ اسی طرح ہی عید میلاد بھی ہے۔

جواب: نماز تراویح کو بدعت کہنا درست نہیں، کیونکہ یہ بدعت تب ہوتی جب اس کا نبی کریم ﷺ سے کوئی ثبوت ہی نہ ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ دیگر کتب حدیث کے علاوہ خاص صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں مذکور ہے، کہ تین دن نبی اکرم ﷺ نے با جماعت تراویح پڑھائیں۔ لیکن چوتھے دن تراویح کی جماعت کے لئے آپ ﷺ تشریف نہ لائے جس کا سبب یہ بتایا:

"خشيت أن تفرض عليكم فتعجزوا عنها." (۲)

مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ اور تم اس کی پابندی کے ساتھ ادائیگی سے عاجز آ جاؤ۔

---

(۱) بخاری (۲۰۱۰)۔

(۲) بخاری، حدیث (۲۰۱۲)۔

پھر جب نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اور تراویح کی فرضیت کا خدشہ زائل ہو گیا، تو فراست فاروق رضی اللہ عنہ نے الگ تراویح پڑھنے کی بجائے اتفاق و اتحاد کی برکت کے پیش نظر نبی ﷺ کی سنت کے مطابق با جماعت ادائیگی کا اجراء فرمایا۔

اور اپنے ارشاد میں بدعت کا جو لفظ استعمال فرمایا ہے وہ بھی اپنے متبادر و معروف معنوں میں نہیں ہے، بلکہ یہ ''مشاکلہ'' ہے جو کہ عربوں میں معروف تھا کہ ایسا لفظ استعمال کرنا جس سے اس کا اصل معنی نہیں بلکہ کوئی دوسرا معنی مراد ہوتا ہے۔ خود قرآن کریم میں اس مشاکلہ کی مثال موجود ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۸ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿صبغة الله ومن أحسن من الله صبغة﴾

یہاں صبغہ سے مراد رنگ یا پاؤڈر نہیں بلکہ اسلام مراد ہے۔

اسی طرح ہی قول فاروق میں بدعت سے مراد صرف یہ ہے کہ گذشتہ ایام میں نہ پائی جانے والی چیز کو وجود میں لانا، جبکہ یہ بھی نہیں کہ یہ بالکلیہ سابق میں موجود نہیں تھی، بلکہ اس کا اجراء سنت رسول ہونے کے پیش نظر ہی کیا گیا تھا۔

۲- اور کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم پر اعراب نہیں تھے وہ حجاج بن یوسف ثقفی نے لگوائے۔ پھر یہ عمل بھی بدعت ہوا۔

جواب: یہ محض مغالطہ اور غلط فہمی ہے ورنہ اعراب قرآن ''بدعت'' کے ضمن میں ہرگز نہیں آتا۔ بلکہ یہ ''مصالح مرسلہ'' کے باب سے ہے، کہ دینی امور میں سے کسی حرج کو رفع کرنے اور کسی ضروری امر کی حفاظت کے لئے کوئی اقدام کرنا۔

بات دراصل یہ تھی کہ عہد حجاج میں دولت اسلامیہ بہت زیادہ پھیل گئی تھی، اور عرب و عجم کا اختلاط اور باہم رشتہ داریاں ہو رہی تھیں جس کے نتیجہ میں لغت عربی میں ضعف آنے لگا اور ''لحن'' عام ہوتا گیا۔ حتی کہ خود حجاج ایک فصیح و بلیغ عرب

ہونے کے باوجود قرآن کریم کے بعض حروف میں لحن کر جاتا تھا۔ اور زیر والے حرف کو زبر سے یا زبر والے حرف کو زیر سے پڑھ جاتا تھا۔ اور یحیٰ بن یعمر نے اس پر نکیر بھی کی تھی۔ (۱) لہذا حفاظت تلفظ کے لئے اعراب ضروری تھا۔ کیونکہ جس چیز کے بغیر کوئی واجب ادا نہ کیا جا سکے۔ وہ بھی واجب ہوتی ہے۔ لہذا اعراب قرآن کو قطعاً میلاد کے لئے بطور استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان مصالح مرسلہ کی کئی دیگر مثالیں بھی موجود ہیں، مثلا: جمع و تدوین قرآن جو کہ عہد صدیقی و عثمانی میں عمل میں آئی وہ بدعت کے قبیل سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حفاظت قرآن مسلمانوں پر واجب ہے، اور یہ امور کمالیات و تحسینات کے باب سے ہیں۔

جمعہ کی پہلی اذان، مساجد کے مینارے، محرابیں، مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال بھی اسی قبیل مصالح (۲) سے ہے۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مانعین زکوۃ سے جنگ کرنا، حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مجلس کی تین طلاقوں ہی کو نافذ کر دینا، اور صدقات سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ بند کرنا، خراج دیوان اور جیلوں کو جاری کرنا، اور عامۃ المجاعۃ (بھوک و قحط سالی) میں چوری کی حد (ہاتھ کاٹنے) کو موقوف کرنا وغیرہ، سب اپنے اپنے وقت کی اہم ضرورتیں اور دینی اعتبار سے مفید اور دافع ضرر امور تھے۔ اسی طرح ہی ائمہ مجتہدین کی طرف سے بھی بعض قواعد وضع کئے گئے ہیں جو کہ مصالح مرسلہ ضروریہ میں سے ہیں۔ (۳)

۳۔ اور جشن میلاد کے دلدادگان یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ حصول نعمت پر ذکر و شکر واجب ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کی ولادت بھی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہذا شکران نعمت کے طور پر ہم یہ جشن مناتے اور خوشیاں کرتے ہیں۔

---

(۱) انظر البدایۃ والنہایۃ ۵/۹/۱۲۶۔

(۲) الإنصاف (لابی بکر الجزائری) ص ۲۰-۲۶ تفصیل کے لئے دیکھیں۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھیئے الاعتصام للشاطبی ۱/۱۱۵ وعلم اصول الفقہ للشیخ عبدالوہاب خلاف ص ۸۵، إرشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسول للشیخ عبدالحمید عبدالمحسن رکن مرکز دعوت وارشاد دبی ص ۱۵-۱۸، کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق للشیخ عبداللہ آل محمود آف قطر ص ۲۸-۳۲۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا وجود مسعود ایک نعمت عظمٰی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ شکرانِ نعمت واجب ہے۔ مگر یہ کہاں لکھا ہے کہ ذکر و شکر نعمت کے لئے جلوس نکالنا، جلسے کرنا، بھنگڑا ڈالنا، سبیلیں لگانا، قوالیاں سننا، ضروری ہے۔ اور کیا صحابہ و تابعین، ائمہ مجتہدین حتی کہ خود صاحب میلاد نے ایسے ہی اس نعمت کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اگر نہیں تو پھر ہمیں اس کا حق کس نے دیا؟ اور اگر اسی طرح شکر نعمت واجب ہے، تب تو پھر کاروبار زیست ٹھپ کرنا پڑیں گے، تا کہ ہر روز جلوس و جشن کا اہتمام کیا جا سکے۔ کیونکہ اللہ تعالی کی نعمتوں کا تو شمار ہی مشکل ہے۔

جیسا کہ سورۃ النحل آیت ۱۸، اور سورۃ ابراہیم آیت ۳۴ میں خود باری تعالی کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوها﴾۔

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہیں کر سکو گے۔

اگر ذکر و شکر نعمت کا صحیح طریقہ اختیار کیا جائے۔ سنن رسول ﷺ کو اپنایا جائے تو پھر یہ ہر مسلمان ہر روز کرتا ہے۔ نہ سال بھر میں صرف ایک دن، فلیتدبر۔

۴- یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ یوم عاشوراء کا روزہ رکھا کرتے تھے اور اس کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے اور چونکہ یہ دن مبارک تھا۔ اس دن کو یہودی بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ کیوں کہ اس دن اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کے لشکر سے نجات دلائی تھی، اور ہمیں بدرجہ اولی چاہیئے کہ نبی ﷺ کی ولادت کے بابرکت دن کا روزہ رکھیں۔

جواب: اندازہ فرمائیں کہ کتنی ٹیڑھی سوچ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے تو روزہ رکھا اور اس کا حکم فرمایا، مگر آج کے میلادیئے روزہ رکھنے کی بجائے دستر خوان سجاتے، سبیل لگاتے، قوالیاں سنتے اور بھنگڑے ڈالتے ہیں۔ العیاذ باللہ! آپ ﷺ نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا مگر آپ اپنے یوم ولادت کے بارے میں آپ ﷺ سے ایسی کوئی چیز

ثابت نہیں، تو ہمیں آپ ﷺ کی اتباع کرنی چاہیئے۔ نہ اپنی طرف سے ابتداع، نہ روزہ کی شکل میں اور نہ ہی لہو ولعب کے انداز میں۔

اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ تو قریش پہلے بھی رکھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ کسی سابقہ شریعت سے انہوں اس کا حکم لیا ہو۔ جیسے حرمت والے چار مہینوں کا احترام کرنا اور حج کرنا وغیرہ ہیں۔ اور عہد جاہلیت میں لوگوں کے روزہ رکھنے کا ثبوت صحیح بخاری ۴/۲۴۴ مع الفتح اور صحیح مسلم ۷/ ۵ مع النووی میں بھی موجود ہے۔ اور جس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو روزہ رکھتے دیکھا، تو پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ اور انہوں نے نجات موسیٰ کا واقعہ بتایا اور کہا کہ ہم اس کے شکرانے کے طور پر روزہ رکھتے ہیں۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں موسیٰ علیہ السلام پر تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ لہذا آپ ﷺ نے بھی روزہ رکھا اور اس کا حکم دیا۔ تو اس کے بارے میں قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔ کہ نبی ﷺ نے (یہود سے سن کر) اس روزے کی ابتدا نہیں کی بلکہ صحاح وسنن میں مذکور صحیح حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ عہد جاہلیت میں بھی قریش روزہ رکھا کرتے تھے۔

اور امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے قریش دین ابراہیم کے کسی حکم پر روزہ رکھتے ہوں۔ اور نبی ﷺ کا روزہ رکھنا موافقت دین ابراہیم کے سبب ہو! جیسا کہ حج کا معاملہ ہے۔ اور پھر جب یہود کو روزہ رکھتے دیکھا تو ان کی تالیف قلب کے لئے بھی روزہ رکھا، اور اس کا حکم فرمایا ہو۔

اور اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں کہ فریقین ایک ہی دن کا روزہ دو الگ الگ اسباب کی بنا پر رکھتے ہوں۔ (۱)

۵- بعض قائلین میلاد تو اس حد تک جسارت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے یوم

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری ۴/ ۲۴۸۔

ولادت پر ایک مینڈھا بطور عقیقہ ذبح کرتے تھے، تو ہم لوگ کیوں نہ عید میلاد منائیں؟

جواب: سب سے پہلے تو عقیقہ کا معنی سمجھ لیں۔ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہ عقیقہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کھانا جو بچے کی ولادت کی خوشی میں پکایا اور کھلایا جائے، وہ عقیقہ کہلاتا ہے۔ (۱) اور ان کا کہنا ہے کہ ہمارے اصحاب کے نزدیک سنت یہ ہے کہ بچے کی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کیا جائے۔ اور تب نہ ہو سکے تو چودہویں دن ہو یا پھر اکیسویں دن۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ (۲)

اور جو شخص بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، اس میں اختلاف ہے کہ وہ اپنی طرف سے عقیقہ کرے یا نہیں۔ بہر حال اگر جواز والوں کی بات ہی لے لی جائے تو عمر میں ایک مرتبہ عقیقہ کرنا ہوگا، اور پھر ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ چہ جائیکہ ہر سال عقیقہ کیا جائے، اور کسی قطعی طریق سے ہرگز ثابت نہیں، کہ نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ نے ایک مرتبہ بھی عقیقہ کیا ہو، کہاں ہر سال عقیقہ کا دعوی؟

اور جس روایت میں وارد ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد اپنی طرف سے عقیقہ کیا۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ مسند بزار کی روایت صحیح ثابت نہیں ہے۔ اور خود امام بزار کا کہنا ہے: کہ یہ روایت بیان کرنے میں عبداللہ متفرد ہے، اور وہ ضعیف ہے۔ آگے فرماتے ہیں: امام عبدالرزاق صاحب المصنف کا کہنا ہے کہ محدثین نے صرف اس روایت کے بیان کرنے کی وجہ سے عبداللہ بن محرر سے روایت لینا ہی ترک کر دیا۔ تو گویا اس روایت کے بیان کرنے کی وجہ سے عبداللہ بن محرر کی ثقاہت ہی ختم ہوگئی۔ لہذا اس قسم کا استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے؟ (۳)

(۱) المغنی ۹/ ۴۵۸۔ (۲) المغنی ۹/۴۶۱۔
(۳) راجع فتح الباری ۱۲/۱۲۔

۶۔ بعض مناظر لوگ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پیر کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، کیونکہ اس دن آپ ﷺ پیدا ہوئے تھے، اور پھر اسی سے عید میلاد کا جواز پیدا کرتے ہیں۔

جواب: یہ صحیح ہے کہ نبی ﷺ پیر کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ انہی احادیث میں جمعرات کے روزے کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ ابو داؤد، ترمذی، نسائی (وصحہ ابن حبان) میں ہے کہ نبی ﷺ پیر اور جمعرات کا کوشش کر کے روزہ رکھا کرتے تھے۔ (۱) جبکہ نسائی اور ابوداؤد (وصحح ابن خزیمہ) میں ہے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر آپ ﷺ نے بتایا کہ پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالی کے حضور پیش کئے جاتے ہیں۔ اور میں یہ بات پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ میں روزے سے ہوں۔ (۲)

اور صحیح مسلم و ترمذی میں بھی پیر اور جمعرات کے روزہ کی یہی علت بیان ہوئی ہے۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ پیر کے روزے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں پیدا ہوا تھا، اور اسی دن میں مبعوث کیا گیا، یا مجھ پر وحی نازل کی گئی تھی۔ (۳)

ان تمام احادیث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ پیر و جمعرات کے روزے کا اصل سبب اعمال کا پیش کیا جانا ہے، اور اضافی سبب (صرف پیر کے روزہ کے لئے) یہ بھی تھا، کہ آپ ﷺ اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر آپ ﷺ کا روزہ رکھنا محض ولادت کی وجہ سے ہوتا، تو آپ ﷺ صرف

---

(۱) صحیح ابی داؤد، حدیث (۲۱۲۸)، صحیح الترمذی (۹۵-۵۹۶)، صحیح النسائی ۲/۴۹۷، ابن ماجہ (۱۷۳۹)، ابن خزیمہ (۲۱۱۶)، مسند احمد ۶/۱۰۶۔

(۲) فتح الباری ۴/۲۳۶، صحیح ابی داؤد (۲۱۲۸)، صحیح الترمذی (۵۹۶)، صحیح النسائی (۲۲۲۲)، الدارمی ۲/۲۰، اخرجہ بمعناہ احمد فی المسند ۲/۲۹، بحوالہ تحقیق مصابیح السنہ ۲/۹۳۔

(۳) ریاض الصالحین ص ۴۸۸-۴۸۹۔ تحقیق ارناؤوط، مسلم مع نووی ۴/۸/۵۱۔

پیر کا روزہ رکھتے، جمعرات کا نہ رکھتے۔ پھر پیر کا روزہ بھی سال میں ایک مرتبہ رکھتے، جو آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کے موافق ہوتا۔ ہر ہفتہ میں نہ رکھتے۔ کیونکہ کسی واقع کی یاد سال میں ایک مرتبہ ہی منائی جاتی ہے۔ نہ کہ ہر ہفتے میں ایک مرتبہ۔ لہذا معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا روزہ رکھنا اعمال کے پیش کئے جانے کی وجہ سے تھا۔ اور اگر کوئی عشق رسول کا دم بھرنے والا ہے۔ تو وہ ہر ہفتے میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرے، جو کہ سنت رسول ہے، نہ کہ بدعات کا ارتکاب کرے۔ اور بدعات کے جواز کے لئے احادیث کا مفہوم توڑ موڑ کر بیان کرتا پھرے، اور روزے کی بجائے اکل و شرب کی محفلوں کی طرف دعوت دیتا پھرے۔ اور نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ہرگز ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ربیع الاول (۹ یا ۱۲) کا روزہ کبھی رکھا ہو، جو کہ آپ ﷺ کا یوم ولادت ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص ہر سال اس دن کا روزہ اس نیت سے رکھے، تو یہ گویا نبی ﷺ سے پیش قدمی اور شریعت سازی ہے۔ والعیاذ باللہ۔

۷۔ نبی اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع میں تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کئے تھے۔ بعض لوگ بڑی دور کی کوڑی لاتے ہیں۔ اور اس سے عجیب نتیجہ نکالتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا تریسٹھ اونٹ ذبح کرنا اس بات کی علامت ہے کہ آپ ﷺ نے ہر سال کے بدلے میں بطور عید میلاد ایک اونٹ ذبح فرمایا۔

جواب: بدعت ساز اور بدعت نواز لوگ پہلے ایک چیز ایجاد کرتے ہیں۔ اور پھر اسے ثابت کرنے کے لئے نصوص کا آپریشن کر کے انہیں اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ جبکہ درحقیقت ان کی اس دلیل اور مدلول میں کوئی ربط و تعلق نہیں، کیونکہ:

۱۔ معروف بات ہے کہ آپ ﷺ نے وہ اونٹ دس ذوالحجہ کو ذبح کئے تھے۔ جو کہ بارھواں مہینہ تھا۔ جبکہ آپ ﷺ کی ولادت ربیع الاول (۹ یا ۱۲) کو ہے۔ جو کہ اسلامی سال کا تیسرا مہینہ ہے۔ لہذا ان قربانیوں اور عید میلاد میں کیا مناسبت ہے؟

۲-   اگران قربانیوں سے عید میلاد کا جواز بھی ثابت کرنا ہوتو پھرعید میلاد بھی دس ذوالحجہ کو ہی ہونی چاہئے۔نہ کہ ربیع الاول میں۔

۳-   نبیﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پرسواونٹ کی قربانی دی تھی،ان میں سے تریسٹھ اونٹ تو آپﷺ اپنے ساتھ مدینہ منورہ سے لائے تھے۔اور سینتیس اونٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے لائے تھے۔اورشرح مسلم نووی (۱۹۲/۸) میں قاضی عیاض رحمہ اللہ کے بقول آپﷺ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے، جو آپﷺ اپنے ساتھ لائے تھے،جیسا کہ ترمذی شریف میں مذکور ہے۔ اورحضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ سینتیس اونٹ ذبح کرنے کے لئے دیئے گئے جنہیں وہ یمن سے آپﷺ کے لئے لائے تھے۔اوراگر یہ کہا جائے کہ آپﷺ کے تریسٹھ اونٹ ذبح کرنے کا کیا مطلب ہے؟ تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سینتیس اونٹ ذبح کرانے کا کیا مطلب ہوگا؟ یہ سوالات دراصل لایعنی ہیں۔بات صرف اتنی سی ہے جواوپر ذکر ہوئی ہے۔

۴-   بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپﷺ کا تریسٹھ اونٹ ذبح کرنا،تو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عمر شریف کے تریسٹھ سال پورے ہو گئے ہیں اورزیست کی انتہا ہوگئی ہے۔

اورواقعی حجۃ الوداع کے موقع پراس کی طرف کئی اشارے بھی ہو گئے کہ اس حیات مستعار کے خاتمے اوراس جہان فانی سے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے۔مثلاً یوم عرفہ میں آیت ﴿اليوم أكملت لكم دينكم﴾ کا نزول،آپﷺ کا بار بار خطبات ارشادفرمانا اورخطبات میں اشارہ کرنا کہ شاید اس سال کے بعد ہم یہاں اکٹھے نہ ہوسکیں وغیرہ۔

لہذا کہا جا سکتا ہے کہ اگرتریسٹھ کا عدد کسی بات کی دلیل ہےتو وہ صرف اس کی کہ تریسٹھ سال کی عمر مکمل ہوگئی ہے۔اب ان سالوں میں کسی سال کا اضافہ

نہیں ہوگا۔نہ کہ یہ ابتدائے میلاد کی علامت تھا، کہاں ابتدااور کہاں انتہا؟

۸- عید میلاد کا جواز ثابت کرنے کے لئے امام سیوطیؒ (المعروف عندالمحدثین بحاطب اللیل یعنی تجمع بین الشیء وضدہ) نے الحاوی فی الفتاویٰ میں ایک تاریخی روایت بیان کی ہے کہ خواب میں کسی (عباس بن عبدالمطلب) کو ابولہب خائب و خاسر ملا، اور اس نے بتایا کہ مجھے عذاب ہوتا رہتا ہے، سوائے اس کے کہ ہر پیر کی رات کو، اس دن کچھ تخفیف عذاب میں ہوتی ہے۔اور اپنی انگلیوں کے درمیان سے چند قطرے پانی بھی چوسنے کو ملتا ہے۔ اور وہ یہ اس لئے کہ جب میری کنیز ثویبہ نے مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کی خبر دی تھی، تو میں نے اسے آزاد کر دیا تھا۔اور پھر اسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ بھی پلایا تھا۔

جواب: یہ قصہ اور اس سے جواز میلاد کی دلیل لینا کئی طرح سے غلط ہے مثلاً:

۱- اس بات پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے کہ نبی کے خواب کے سوا (کہ نبیوں کا خواب وحی وحق ہوتا ہے) کسی کا خواب کوئی شرعی حیثیت نہیں رکھتا۔

۲- یہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہے اور پھر ان سے جس نے روایت کی ہے، انہوں نے بالواسطہ بیان کی ہے۔لہذا یہ روایت مرسل ہوئی، جس سے مسائل عقائد کے بارے میں احتجاج صحیح نہیں۔(۱)

۳- اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زمانہ قبل از اسلام میں یہ خواب دیکھا ہو۔اور کفر کی حالت میں دیکھے گئے خواب کہاں حجت ہوں گے۔جبکہ مومن و متقی کا خواب بھی حجت شرعی نہیں ہوتا۔سوائے انبیاء علیہم السلام کے خواب کے۔

۴- اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ کافر اگر کفر پر ہی مر جائے تو اس کے کسی عمل کا ثواب نہیں ملتا، اور یہی صحیح بھی ہے۔کیونکہ سورۂ فرقان آیت ۲۳ میں ارشاد الٰہی ہے:

(۱) مرسل روایت صرف عقائد ہی میں نہیں بلکہ احکام میں بھی قابل حجت نہیں ہوتی۔

﴿وقدمنا إلى ما عملوا من عملٍ فجعلناه هبآءً منثوراً﴾
اور ہم نے ان (کفار) کے ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جو انہوں نے (دنیا میں) کئے تھے۔ تو ان (اعمال) کو اڑتی ہوئی خاک کی طرح کردیں گے۔

اور سورۂ کہف آیت ۱۰۵ میں فرمان الٰہی ہے:

﴿أولـئك الـذين كفروا بآيٰت ربهم ولقائه فحبطت أعمالهم فلا نقيم لهم يوم القيامة وزناً﴾۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو ماننے سے انکار کردیا۔ اور اس کے حضور پیشی کا یقین نہ کیا، پس اس لئے ان کے سارے اعمال (کفر کی وجہ سے) ضائع ہوگئے۔ قیامت کے روز ہم انہیں کوئی وزن نہ دیں گے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں فرمان الٰہی سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی حالت کفر پر مرجائے تو اس کے کسی عمل کا ثواب اسے نہیں ملتا، اور حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ عبداللہ بن جدعان جو ہر حج کے موقع پر ایک ہزار اونٹ ذبح کیا کرتا تھا، اور ہزار آدمیوں کو حلّے پہنا تا تھا۔ اور جس کے گھر میں حلف الفضول کا معاہدہ طے ہوا تھا۔ (جس میں خود نبی ﷺ بھی شامل تھے) کیا اسے یہ چیز فائدہ پہنچائے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں۔ کیونکہ اس نے عمر بھر میں یہ کبھی نہیں کہا کہ اے اللہ! قیامت کے روز میرے گناہ کو بخش دینا۔ (۱)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عباس بن عبدالمطلب کے خواب کی کوئی وقعت نہیں، نہ اس سے استدلال صحیح ہے۔

۵- ابولہب کی خوشی ایک طبعی امر تھا (کہ وہ چچا تھا) نہ کہ اس کی خوشی کوئی تعبدی نقطۂ نظر سے تھی، اور جب کوئی خوشی اللہ کے لئے نہ ہو بلکہ اپنے یا قریبی کے

(۱) بحوالہ الإنصاف للجزائری ص ۴۱۔

یہاں بچے کی پیدائش پر فطری وطبعی خوشی ہو، تو اس پر ثواب نہیں ہوتا۔ اس بات سے بھی اس روایت کا ضعف و بطلان واضح ہوتا ہے۔

٦ - اور مومن تو اپنے نبی ﷺ کے وجود سے ہر وقت خوش رہتا ہے۔ لہذا اس کیلئے سال میں ایک مرتبہ اظہار خوشی کا موقع (میلاد) ایجاد کرنا کسی طرح بھی لائق نہیں ہے۔

المختصر

خرافیوں کے ان اور ایسے ہی دیگر بودے، بے جان اور بے سر و پا دلائل ان کی دور از کار تاویلوں، چابک دستیوں اور عیاریوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے۔

إن أريد إلا الإصلاح

●●●

ماہ رجب کے روزے اور صلاۃ الرّغائب

بدعات کا اجمالی تعارف کرایا جا چکا ہے جسے سامنے رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ دین، نیکی اور ثواب نام ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور نبیٔ اکرم ﷺ کے فرمودات کی تعمیل کا۔ اور اس کے ما سوا جو کچھ بھی ہے اگر اللہ و رسول کی مہر تصدیق والا ہے، تو فبہا، ورنہ دین و شریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، اور کوئی بھی عمل بظاہر چاہے کتنا ہی اچھا اور موجب اجر و ثواب محسوس ہو رہا ہو، لیکن وہ اللہ کے ہاں مقبول تبھی ہے جب اسے اللہ اور اس کے نبی ﷺ پسند فرمائیں۔ جبکہ یہ ایک جانی بوجھی بات ہے کہ اللہ و رسول اسی عمل کو پسند فرماتے ہیں جس کا حکم خود اللہ تعالیٰ، یا اللہ کے رسول ﷺ نے دیا، یا اس کی ترغیب دلائی ہو۔ لیکن ایک کام ایسا ہے کہ اس کا موقع بھی نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں آیا ہو۔ کوئی خاص مجبوری، اور امر مانع بھی نہ ہو، تب بھی نہ تو آپ ﷺ نے خود اسے کیا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے کرنے کا حکم یا اشارہ فرمایا، اور نہ ہی قرون خیر میں سے کسی نے اس پر عمل کیا ہو، تو پھر ایسے کام میں خیر و بھلائی اور اجر و ثواب کی توقع بالکل عبث ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم کی تلاوت کرنا کتنا باعث سعادت و برکت ہے، اور کار اجر و ثواب ہے۔ ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ جیسا کہ ترمذی شریف اور سنن دارمی میں ارشاد نبوی ہے:

"من قرأ حرفاً من كتاب الله فله حسنة والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول الم حرف، ولكن ألف حرف ولام حرف و ميم حرف."(۱)

(۱) ریاض الصالحین بہ تحقیق الألبانی و ط ص ۴۱۶، صحیح الترمذی (۲۳۲۷)، سنن دارمی ۴۲۹/۲، باب فضل من قرأ القرآن۔

جس نے کتاب اللہ سے ایک حرف پڑھا اسے نیکی ملتی ہے، اور ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ تلاوت قرآن کا ثواب تو ہے ہی، اور اللہ تعالی کے بندے اس سے قریب تر اس وقت ہوتے ہیں جبکہ وہ سجدہ کی حالت میں ہوں۔ جیسا کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، مسند احمد اور بیہقی میں ارشاد نبوی ہے:

"أقرب ما يكون العبد من ربه و هو ساجدٌ ، فأكثروا فيه الدعاء."(۱)

بندہ اپنے رب کے قریب تو اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس اس حالت میں بکثرت دعا کیا کرو۔

اب اگر کوئی شخص قرب الٰہی کے اس مقام پر قرآن کریم کی تلاوت شروع کردے، تو آپ ہی بتائیں کہ اس کا ایسا کرنا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس حالت میں نہ خود نبی ﷺ نے تلاوت فرمائی ہے۔ اور نہ ہی اللہ اور رسول نے اس کا حکم دیا ہے۔ بلکہ الٹا اس طرح سجدہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ارشاد نبوی ہے۔

"ألا إني نهيت أن أقرأ القرآن راكعاً أو ساجداً."(۲)

خبردار! مجھے رکوع یا سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے روکا گیا ہے۔

اس مثال کو اچھی طرح ذہن میں رکھیں تو پھر سارا مسئلہ بآسانی حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بالکل یہی حال ان تمام دینی ایجادات واختراعات یا بدعات کا ہے جسے کسی نے خود اپنی مرضی سے اور اپنی ہی طرف سے دین میں داخل کر کے اس پر عمل

(۱) مشکاۃ بہ تحقیق الالبانی ۱/۲۸۱۔ صحیح الجامع الصغیر ۱/۳۸۰۔ مختصر مسلم (۲۹۸) صحیح ابی داؤد (۷۷۸)، صحیح النسائی (۱۰۸۹)۔
(۲) مشکاۃ بہ تحقیق الالبانی ۱/۲۷۹، مسلم مع نووی ۲/۴/۱۹۶۔

شروع کر دیا ہو۔ ان اصولی امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ذرا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں۔ تو آپ کو سینکڑوں ایسے اعمال نظر آ جائیں گے۔ جنہیں اسلام کے نام لیواؤں نے دین کا حصہ بنا رکھا ہے۔ حالانکہ کتاب و سنت، تعامل صحابہؓ اور علماء امت سے ان کا ثبوت نہیں ملتا، آپ دور نہ جائیں۔ ماہ رجب میں سرانجام دیئے جانے والے بعض امور پر ہی غور کر لیں اور ان کی سند کا پتہ چلائیں تو بات صاف ہو جائے گی۔ مثلاً:

بعض لوگوں نے اس مہینے میں کئی روزے ایجاد کر رکھے ہیں۔ کسی کو معراج شریف کا روزہ کہا جاتا ہے، تو کسی کو مریم روزہ کا نام دیتے ہیں۔ کسی کو ہزاری روزہ، اور کسی کو لکھی روزے کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ روزے نہ تو نبی ﷺ نے خود رکھے، اور نہ ہی ان کا حکم فرمایا، یا ترغیب دلائی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس سنن ابن ماجہ میں مذکور ایک ضعیف سند والی روایت میں ہے کہ:

"نهى رسول الله ﷺ عن صيام رجب."(۱)

نبی ﷺ نے رجب کے روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

نبی ﷺ کی طرف منسوب اس روایت کی سند تو ضعیف ہے، لیکن مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت ہے جس سے مذکورہ حدیث کے مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ اس روایت میں منقول ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اگر ماہ رجب میں لوگوں کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھتے، تو ان کے سامنے کھانے کا برتن رکھ کر ان کے ہاتھوں پر اپنے کوڑے سے چوٹیں مارتے، اور فرمایا کرتے تھے۔

"كلوا، فإنه شهرٌ كانت تعظمه الجاهلية." (۲)

کھاؤ، اس مہینے کی ایسی تعظیم تو جاہلیت کا شیوہ ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ بہ تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی ۱/۵۵۴، حدیث نمبر ۱۷۴۳، وفی إسناده داؤد بن عطاء وھو ضعیف متفق علی ضعفہ۔

(۲) الإرواء ۴/۱۱۳۔ وصححہ الألبانی۔

اس روایت کو کبار محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ایسے خود ساختہ یا عہد جاہلیت کی یاد تازہ کرنے والے روزوں کی ممانعت فرمارہے ہیں۔ ورنہ اگر کوئی شخص ہر دوسرے دن کا روزہ رکھنے والوں میں سے ہو، جسے صوم داؤدی کہا جاتا ہے، تو وہ حسب عادت روزہ رکھ سکتا ہے۔ ایسے ہی سال بھر ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزے رکھنے والا شخص بھی یہ روزے رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ روزے مسنون ہیں۔ اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے دو روزے بھی نبی ﷺ کا معمول تھے۔ ان کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے یا ''بزرگوں نے فرمایا'' جیسی سند سے بیان کردہ روزے رکھتا ہے تو وہ بدعات میں شمار ہوں گے، ان کا نام لکھی رکھیں یا ہزاری، اور انہیں مریم روزہ کا نام دیں۔ یا معراج کا روزہ کہیں۔ نبی ﷺ، خلفائے راشدین وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ائمہ اربعہ اور علمائے دین رحمہم اللہ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہیں۔

اور بعض لوگ اسی ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو ایک خود ساختہ نماز ادا کرتے ہیں، جسے ''صلاۃ الرغائب'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ نماز جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شام کو مغرب وعشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے۔ جس کی بارہ رکعتیں قرار پائی ہیں۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔ ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ، تین دفعہ سورۂ قدر، ﴿إنا أنزلناه في ليلة القدر﴾ اور بارہ مرتبہ ﴿قل هو الله أحد﴾ پڑھی جاتی ہے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر ستر مرتبہ درود شریف پڑھے، اور پھر سجدہ میں گر کر ستر مرتبہ "سبوح قدوس رب الملائكة والروح" پھر سجدہ سے سر اٹھا کر ستر مرتبہ "رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم إنك انت الأعز الأكرم" اور دوسرے سجدہ میں پہلے کی طرح ہی کرے۔(۱)

---

(۱) الإبداع في مضار الابتداع للشیخ علی محفوظ ص ۲۸۸۔۲۸۹ طبع دار المعرفۃ بیروت، احیاء علوم الدین للغزالی ۱/۱۸۲، طبع دمشق عالم الکتب۔

اور کئی موضوع و من گھڑت روایتیں بیان کر کے اس نماز کی فضیلتوں کے پل باندھے جاتے ہیں۔ جنہیں سن کر علم دین سے بے بہرہ اور اصلی و نقلی کی پہنچان سے لاپرواہ لوگ حصول ثواب کے لئے کشاں کشاں چلے آتے ہیں۔ حالانکہ معروف مفسر قرآن، عظیم محدث اور معتبر مؤرخ اسلام امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بقول یہ نماز قطعاً بے بنیاد اور بے ثبوت ہے۔ (۱)

اور علامہ عراقی نے ''احیاء علوم الدین'' للغزالی کی تخریج میں مذکورہ نماز والی حدیث کو موضوع یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۲)

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس نماز کے بارے میں فرماتے ہیں: کہ نبیٔ اکرم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین، ائمہ دین اور علماء سلف رحمہم اللہ میں سے کسی سے بھی اس نماز کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ خاص ماہ رجب کی پہلی جمعرات و جمعہ کی درمیانی شب کی فضیلت کسی حدیث صحیح میں وارد ہوئی ہے، اور اس کے بارے میں جو ایک روایت بیان کی جاتی ہے وہ علم حدیث کی معرفت رکھنے والے علماء و محدثین کرام کے نزدیک جھوٹی اور من گھڑت ہے۔ (الإبداع)

●●●

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر طبع بیروت ۲/۳/۱۰۹۔

(۲) تخریج إحیاء علوم الدین۔ ۱/۱۸۲۔

صلوۃ الرّغائب اور ماہ و تاریخ معراج کی عدم تعیین

صلوۃ الرغائب کا تذکرہ شروع ہے۔ اور بعض محدثین و کبار علماء کے اقوال وارشادات آپ کے سامنے رکھے جا چکے ہیں، کہ یہ نماز جعلی و من گھڑت روایات کا نتیجہ ہے۔ اس صلاۃ الرغائب کے بارے میں دیگر فقہی مکاتب فکراور محدثین و مجتہدین کی طرح ہی حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء بھی خوش فہم نہیں، بلکہ فقہ حنفیہ کی کتب میں بھی کھل کر اسے جعلی و من گھڑت اور بدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ "حاشیۃ الأشباہ" للحموی سے نقل کرتے ہوئے معروف و متداول کتاب ردالمحتار حاشیہ شرح درمختار کی جلداول ص ۴۴۴ پر صلاۃ الرغائب کے بارے میں لکھا ہے:

"قد حدثت أربعمائة وثمانين من الهجرة و قدصنف العلماء كتبا في إنكارها وذمها، وتسفيه فاعلها و لا يغتر بكثرة الفاعلين لها في كثير من الأمصار."

یہ نماز ۴۸۰ ہجری کے بعد ایجاد ہوئی اور علماء نے اس کے انکار و مذمت اور اسے ادا کرنے والوں کے احمق پن پر کئی کتابیں لکھی ہیں، اور کثیر شہروں میں اس نماز کو ادا کرنے والوں کی کثرت کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھایا جائے۔

اور آگے چل کر ص ۲۶۰ پر لکھا ہے:

"ولذا منعوا عن الاجتماع لصلاة الرغائب التي أحدثها بعض المتعبدين لأنها لم تؤثر على هذه الكيفية في تلك الليالي المخصوصة و إن كانت الصلوة خير موضوع." (۱)

---

(۱) بحوالہ رد بدعات مصنفہ حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی۔ ص ۱۱۷۔۱۲۰۔ طبع دوم لاہور ۱۹۷۵ء۔

اور اس لئے اہل علم نے اس نماز ''صلاۃ الرغائب'' کے لئے جمع ہونے سے منع کیا ہے۔ جسے بعض جاہل صوفیوں (یا عابدوں) نے ایجاد کیا ہے۔ اور بذاتہ نماز تو اچھا عمل ہے۔ لیکن اس مذکورہ کیفیت کے ساتھ مخصوص راتوں میں ایسی کوئی نماز ماثور و ثابت نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بعض دیگر مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے اقوال و ارشادات سے بھی مذکورہ نماز کے بے اصل ہونے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً:

حافظ ابن الجزریؒ نے الحصن الحصین میں اس نماز والی روایت کے بارے میں کہا ہے:

"فلا تصح، و سندها موضوع باطل."

یہ صحیح نہیں ہے اور اس کی سند من گھڑت اور باطل ہے۔(۱)

اور شارح مسلم امام نوویؒ اپنی کتاب ''المجموع شرح المہذب'' میں فرماتے ہیں:

''صلاۃ رغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کو مغرب و عشاء کے مابین بارہ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اور ۱۵ ر شعبان کی رات کو ایک نماز سو (۱۰۰) رکعتوں پر مشتمل پڑھی جاتی ہے۔ یہ دونوں نمازیں منکر و بدعت ہیں۔ اور کتاب ''قوت القلوب'' اور ''احیاء علوم الدین'' میں ان نمازوں کے مذکور ہونے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، اور ان نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی حدیث سے بھی دھوکہ نہیں کھانا چاہئے، یہ سب باطل ہیں، اور ائمہ علم میں سے ایک صاحب پر ان نمازوں کی شرعی حیثیت مشتبہ ہوگئی۔ اور انہوں نے چند اوراق پر مشتمل رسالہ بھی لکھ مارا۔ اور اس میں ان نمازوں کا استحباب ذکر کر دیا۔ اس رسالہ سے بھی دھوکہ نہ کھایا جائے (کیونکہ وہ رسالہ من زلات العلماء کی قبیل سے ہے۔) اس

---

(۱) بحوالہ الابداع ص ۲۸۸۔

میں انہوں نے مغالطہ سے کام لیا ہے۔ اور شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی نے ان کے رد میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے جس میں بڑے عمدہ طریقے سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے"۔(۱)

یہ امام نووی کے الفاظ کا ترجمہ ومفہوم ہے جبکہ امام طرطوشی نے امام ابو محمد المقدسی سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لم يكن عندنا ببيت المقدس صلاة الرغائب هذه التي تصلى في رجب ولا في شعبان وأول ما حدثت عندنا صلاة شعبان في سنة ثمانٍ و أربعين و أربعمائة." (۲)

ہمارے یہاں بیت المقدس میں یہ نماز "صلاۃ الرغائب" نہیں پڑھی جاتی تھی جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے۔ اور نہ ہی پندرہ شعبان کی نماز مروج تھی۔ اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد ہوئی ہے۔

ایسے ہی کئی دیگر محققین علماء نے اس صلاۃ الرغائب کو غیر مستحب بلکہ مکروہ و منکر اور بدعت قرار دیا ہے۔

اور رجب کے روزوں اور اس خود ساختہ صلاۃ الرغائب کی طرح ہی اس ماہ کی ۲۷ رتاریخ کو بعض لوگ "شب معراج" ہونے کے زعم میں جشن مناتے ہیں۔ رات کو چراغاں کرتے ہیں، اور خود ساختہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان امور کی شرعی حیثیت متعین کرنے سے پہلے تو ضروری ہے کہ "شب معراج" کا تعین ہو۔ لیکن جب محدثین ومورخین کی تالیف کردہ کتب کا مطالعہ کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ستائیسویں شب کے "شب معراج" قرار پانے سے پہلے خود ماہ رجب کے ماہِ معراج ہونے پر علمائے تاریخ کا اتفاق نہیں، معروف مفسر ومورخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی ضخیم تاریخ اسلام "البدایۃ والنہایۃ" کے تیسرے جزء ص ۱۰۸، ۱۰۹ پر اسراء

(۱) المجموع شرح المہذب، وانظر ایضا الابداع ص ۲۸۸، طبع دار المعرفۃ، بیروت۔
(۲) بحوالہ الابداع ص ۲۸۸۔

ومعراج کا واقعہ نقل کرنے سے پہلے متعدد روایات بیان فرمائی ہیں۔ امام بیہقیؒ کے حوالہ سے امام ابن شہاب زہریؒ کا قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

"أسری برسول الله قبل خروجه إلى المدينة بسنةٍ."

نبی ﷺ کو ہجرت مدینہ سے ایک سال پہلے سفر معراج کرایا گیا۔

اور یہی قول عروۃ کا بھی ہے۔ اور امام حاکم کے حوالے سے حضرت سدی کا قول ذکر کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

"...... ليلة أسرى به قبل مهاجره بستة عشر شهراً."

کہ نبی ﷺ کو ہجرت سے سولہ (۱۶) ماہ قبل معراج کرایا گیا۔

لہذا امام زہری وعروہ رحمہما اللہ کے قول کے مطابق ماہ معراج ربیع الاول بنتا ہے۔ جب کہ وہ بھی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن عساکرؒ نے تو اسراء ومعراج کی احادیث کا ذکر ہی اوائل بعثت کے واقعات میں کیا ہے۔ اور حضرت سدیؒ کے قول کے مطابق معراج کا واقعہ ماہ ذوالقعدہ میں بنتا ہے۔ (۱)

اور ماہ ربیع الاول کے ماہ معراج ہونے سے متعلقہ امام زہری وعروہ رحمہما اللہ کے قول کی تائید حضرت جابر بن عبداللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ایک اثر سے بھی لی جاسکتی تھی، لیکن اس کی سند میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک انقطاع ہے۔ یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

"ولد رسول الله ﷺ عام الفيل يوم الاثنين الثاني عشر من ربيع الأول، وفيه بعث وفيه عرج به إلى السماء وفيه هاجر وفيه مات." (۲)

نبی ﷺ عام الفیل ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پیر کے دن پیدا ہوئے۔ اسی دن آپ ﷺ کی بعثت ہوئی، اسی دن آپ ﷺ کو آسمان کی طرف معراج کرایا

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۲/۳/۱۰۸، ۱۰۹۔ مکتبۃ المعارف بیروت طبع ثانی۔
(۲) البدایۃ والنہایۃ ۲/۳/۱۰۸، ۱۰۹

گیا، اور اسی دن آپ ﷺ نے وفات پائی۔

یہاں بھی معراج کے ماہ ربیع الاول میں کرائے جانے کا ذکر ہے۔ مگر یہ روایت چونکہ منقطع سند والی ہے۔ لہذا اس سے استدلال کرنا درست نہیں۔

اسی طرح ماہ ربیع الثانی، ماہ رمضان، ماہ شوال اور ماہ ذی الحجہ میں معراج کرائے جانے کی روایات بھی ملتی ہیں۔ اور ماہ رجب کی بھی، جب ماہِ معراج پر اتفاق نہیں تو تاریخِ معراج کی تعیین متفق علیہ کیسے ہوسکتی ہے؟ مختصر یہ کہ اسی طرح ہی تاریخِ معراج میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں کہ ماہ و تاریخ معراج پر اتفاق نہ ہوسکا، تاکہ طرح طرح کی بدعات کو وجود میں لانے والوں کو یہ بنیادی چیز ہی متفق علیہ نہ ملے، ورنہ اللہ تعالیٰ سے کیا بعید تھا کہ تمام مورخین کا اتفاق ہو جاتا۔

●●●

جشن معراج اور آتش بازی و چراغاں کی شرعی حیثیت

ہم صلاۃ الرغائب کے خودساختہ و بدعت ہونے کا ذکر کرنے کے بعد ماہ و تاریخ معراج کی عدم تعیین کا تذکرہ کر رہے تھے کہ یہ بھی حکمت الٰہی سے خالی نہیں ہے۔لیکن اگر مشہور روایت کے مطابق ماہ رجب اور اس کی بھی ستائیس تاریخ کو ہی ''شب معراج'' مان لیا جائے ،تو اب باری آ جاتی ہے۔ہمارے لوگوں کے اس رات میں چراغاں کا اہتمام کرنے ،جشن منانے ،خوشیاں منانے کے رنگا رنگ انداز اختیار کرنے ،دن کو روزہ رکھنے اور رات کو نوافل پڑھنے کی شرعی حیثیت کے تعین کی۔

دن کو روزہ رکھنے اور اس رات کو قیام کرنے یا نوافل پڑھنے کے بارے میں تو ہم رجب کے روزوں اور صلاۃ الرغائب کے ضمن میں ذکر کردہ تفصیل پر ہی کفایت کرتے ہیں۔کیونکہ صاحب البدایہ والنہایہ کے مطابق رجب کی پہلی جمعرات و جمعہ کی درمیانی رات کو شام کے وقت مغرب و عشاء کے مابین پڑھی جانے والی صلاۃ الرغائب دراصل اسی زعم کا نتیجہ ہے، کہ شب معراج رجب کے پہلے جمعہ کی رات ہے، اور اس رات کو لیلۃ الرغائب اور اس کے لئے ایجاد کردہ نماز کو صلاۃ الرغائب کا نام دیا جاتا ہے۔(۱)

اب رہا شب معراج کو جشن منانے اور چراغاں کا اہتمام کرنے کا مسئلہ،تو اس سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ نبی ﷺ ،خلفاء راشدین و عام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ،ائمہ اربعہؒ وعلماء دین اور سلف صالحینؒ کسی سے بھی ہمارے یہ

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۲/۳/۱۰۹۔

مروجہ امور ثابت نہیں ہیں، جنہیں معراج سے سرفراز کیا گیا، وہ امام الانبیاء نبی رحمت ﷺ اس عظیم معجزہ کے بعد ایک مدت تک صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے مابین موجود رہے۔ مگر آپ ﷺ نے نہ تو خود یہ کام کئے، اور نہ ہی کسی کو ان کے کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ ﷺ کے سایہ ابرو پر جانیں نچھاور کرنے والے خلفاء وصحابہؓ اور تابعین وائمہ، کسی سے بھی ان امور کا پتہ نہیں چلتا۔

ان جشنوں، جلسوں یا اجتماعات کی شرعی حیثیت کی تعیین کے بارے میں دور حاضر کے معروف عالم اور مفتی عالم علامہ عبدالعزیز ابن باز (رحمہ اللہ) نے ایک تفصیلی فتویٰ صادر فرمارکھا تھا۔ جس کا پورا متن یا ترجمہ تو نہیں البتہ اس میں سے ایک پیراگراف آپ کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

''اسراء ومعراج کی رات کا حدیثوں میں کوئی تعیین نہیں ہے۔ اور جو کچھ بھی اس کی تعیین کے متعلق مذکور ہے۔ وہ سب من گھڑت ہے۔ نبی ﷺ سے اس کے متعلق کچھ ثابت نہیں۔ اور اگر بالفرض اس کی تعیین بھی ثابت ہو جائے تو بھی اس دن کو عبادت کے لئے خاص کرنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں، اس دن جلسہ واجتماع اور احتفال یعنی جشن منانا ہرگز جائز نہیں، کیونکہ اس دن نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا جلسہ واجتماع نہیں کیا، اور نہ اس دن کو کسی عبادت کیلئے مخصوص کیا۔ اگر اس روز جلسے واجتماع کرنا ثواب کا کام ہوتا، تو نبی ﷺ اپنی امت کو کیلئے قولی یا فعلی طور پر اس کی ضرور وضاحت فرمادیتے۔ اور اگر اس کے متعلق نبی ﷺ سے ایسا کوئی عمل واقع ہوا ہوتا، تو لوگ اسے پہچانتے، اور وہ ان میں مشہور ومعروف ہوتا۔ اور پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، (دوسرے دینی امور وہدایات کی طرح) اسے بھی ہماری طرف منتقل کرتے، کیونکہ انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے ہر شیٔ کو نقل کیا ہے،

کہ جس کی امت کو ضرورت تھی، انہوں نے دین کے معاملے میں کبھی سستی وغفلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ نیکی کے معاملہ میں وہ سب سے پیش پیش تھے۔ اگر اس رات کو اجتماع واحتفال اور جلسہ وجشن منعقد کرنا جائز وکارثواب ہوتا، تو صحابۂ کرامؓ یہ کام سب سے پہلے خود کرتے۔

علاوہ ازیں نبی اکرم ﷺ اپنی امت کے لئے سب سے زیادہ ناصح اور خیرخواہ تھے۔ اور آپ ﷺ نے پیغام رسالت نہایت دیانت داری وتندہی سے پہنچایا۔ اوراس امانت کا حق ادا کرنے اوراس فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اگر اس رات کی تعظیم کرنا، اس میں اجتماع واحتفال اور جلسہ وجشن کوئی دینی کام ہوتا، تو آپ ﷺ اس میں ہرگز سستی نہ فرماتے۔ اور نہ ہی اسے اپنی امت سے مخفی رکھتے۔ اور جب کوئی ایسی بات نہیں، تو معلوم ہوا کہ اس رات کی تعظیم کرنا اوراس میں اجتماعات واحتفالات کوئی اسلامی فعل نہیں ہے۔''(۱)

شب معراج کو جو چراغاں کرنے یعنی بکثرت شمعیں جلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور پھر پندرہ شعبان کو بھی ''شب قدر یا شب برأت'' کہتے ہوئے چراغاں کیا جاتا ہے، اور صرف چراغاں کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ بڑی زوردار آتش بازی بھی کی جاتی ہے۔ جبکہ پندرہ شعبان والی آتش بازی اور پٹاخے ہر سال لاکھوں، کروڑوں کا سرمایہ برباد کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔ اور اگر صرف اتنا ہی رہتا تو بھی شاید ''یہ مال تو آنی جانی چیز ہے'' کا نعرہ لگا کر بعض لوگ اس فکر سے آزاد ہو جاتے ہیں، اور صاف کہہ دیتے ہیں، کہ بھئی! پیسے پھر کمائے ہی کس لئے جاتے ہیں۔ اسی لئے تو کمائی کی جاتی ہے، کہ خوشی وغم میں کام آئیں، لہذا کیا ہوا، اگر خوشی کے اس موقع پر دو چار سو روپے کی آتش بازی ہمارے گھر والوں نے کر لی۔ لیکن

(۱) بحوالہ ہفت روزہ الاسلام لاہور ج ۱۵ شمارہ ۳۸، بابت ۹ ررجب ۱۴۰۹ھ بمطابق ۱۷ رفروری ۱۹۸۹ء۔

معاملہ دولت کی بربادی سے بھی بہت آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور اس آتش بازی وچراغاں کے دوران ہر سال ہی کئی کئی گھروں کے چراغ بھی گل ہو جاتے ہیں، کسی خانہ میں اہل خانہ کا صرف ایک ہی لخت جگر تھا، اب ایسے میں مروجہ کھیل تماشوں کا موقع آئے، تو ایسے والدین اپنے اکلوتے لاڈلے کے لئے چاؤ پیار سے دوسرے لوگوں کی نسبت بڑھ کر اور طرح طرح کی آتش بازی مہیا کر کے دیتے ہیں۔ اب اس بات سے تو شاید کوئی بھی ناواقف نہ ہو، کہ آتش بازی سے جو ہر سال جانیں ضائع ہو تی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایسے کتنے ہی معصوم ومحبوب اکلوتے لخت جگر بھی ہوں گے، جن کا جھلس کر والدین کے ہاتھوں سے نکل جانا انہیں عمر بھر کا داغ دے جاتا ہوگا، اور ہمیشہ کے لئے ان کے دلوں کے چراغ گل کر جاتا ہوگا۔ اور پھر اگر کسی کا کوئی لخت جگر اکلوتا نہ بھی ہو، تو وہ بھی کون سا ایسا سودا ہے کہ پیسے کے ساتھ خریدا جا سکتا ہے؟ اور اس موقع پر آتش بازی کی نذر ہو جانے والا اگر پورے خاندان کا کفیل اور عیالدار ہوا، اتو پھر اس پر کیا کیا مصائب اور مشکلات نہ آئیں گی؟ جن کی روزی روٹی کا ظاہری سہارا ہی چھن جائے؟

اس جانی اور مالی نقصان کے علاوہ دکانداروں یا آتش بازی کی اشیاء تیار کرنے والوں کے بارے میں خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، کہ ان کے گھر میں موجود آتش گیر مادے میں دھماکہ ہو گیا، جس سے سارا گھر ہی جل گیا۔ اور گھر میں موجود عورتیں، مرد، بچے، اور بچیاں بھی لقمۂ اجل بن گئے۔ اور اتنے ہمسایوں کو فلاں فلاں نقصان پہنچا۔

آتش بازی کے یہ نتائج ہر سال شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور بات آگے نکل جانے سے پہلے یہ بھی عرض کر دیں، کہ اس طرح کے جانی نقصانات سے قطع نظر اس کے محض مالی نقصانات بھی ایسے ہیں کہ شریعت کی رو سے یہ فعل حرام قرار پاتا

ہے۔ اور ایسے مواقع پر دو چار سو کی آتش بازی کرنے والوں کو پیسے کے آنی جانی چیز ہونے کا اتنا ہی اعتماد و یقین، تو دیکھنے والا تب ہوتا ہے۔ جب کوئی لاوارث یتیم، بے بس مسکین اور بھوکا ننگا محتاج للہ سوال کر بیٹھے، تو دولت کو آنی جانی کہہ کر فضول خرچیاں کرنے والے انہیں دو چار یا دس بیس روپے دینے کی بجائے چند دھکے اور گالیاں دیتے پائے جاتے ہیں۔ اور یوں لگتا ہے کہ اب ان میں احساس ہی مر چکا ہے۔

بہر حال ہر سال اتنی بڑی دولت اور انسانی جانوں کو نذر آتش کرنے والے فعل کے جواز کا مطالبہ تو شاید کوئی بھی عقلمند نہ کرے۔ لہذا ان صریح حماقتوں کے ذکر کو چھوڑیں، البتہ چراغاں کرنے اور شمعیں جلانے کی تاریخ و اسباب قابل توجہ ہیں۔

●●●

آتش بازی و چراغاں کا آغاز اور اسباب
مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش

آتش بازی اور بکثرت شمعیں یا موم بتیاں جلا کر چراغاں کرنا تاریخی اعتبار سے ایک ہی گروہ کی سازش ہے۔ اور سازش بھی ایسی گہری اور خفیہ کہ مسلمان سمجھنے اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ہی نہ کریں۔ لہذا اسے عبادت وثواب کے نام سے نہ صرف گھروں کی حد تک نہ رہنے دیا بلکہ مساجد بھی نہ بچ پائیں، اور شب معراج ہو یا شب برأت ہر دو موقعوں پر ہی چراغاں کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور شاید کبھی یہ صرف شب برأت کے ساتھ ہی خاص تھی، اور شب معراج اس سے محفوظ تھی، لیکن دور حاضر میں ایسا نہیں رہا۔

معروف معتبر عالم، علامہ ابو شامہ نے اس چراغاں کی تاریخ و آغاز اور اس کی تہہ میں پائے جانے والے خطرناک محرکات کی تفصیل اپنی کتاب ''الباعث علی إنکار البدع والحوادث'' میں ذکر فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اہل بدعت نے جو بدعت ایجاد کی ہیں، اور دین خالص میں جو اضافے کیے ہیں، اور جن امور میں وہ آتش پرست مجوسیوں کی روش پر چل نکلے ہیں۔ اور اپنے دین کو لہو ولعب بنا دیا ہے۔ ان امور میں سے ایک نصف شعبان کی رات یعنی ''شب برأت'' میں چراغاں کرنا بھی ہے۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں کوئی عمل صحیح وثابت نہیں۔ اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس رات میں کسی خاص نماز کا پتہ چلتا ہے۔

اور نہ ہی چراغاں کے بارے میں کوئی حدیث ہے۔ اور اس فعل چراغاں کو شریعت اسلامیہ کے کھلواڑ کرنے اور دین مجوس میں دلی رغبت رکھنے والوں نے ایجاد

کیا ہے۔ کیونکہ مجوسی لوگ آگ کو اپنا معبود مانتے ہیں۔ اور اس کی پوجا وپرستش کرتے ہیں۔

اس چراغاں کا آغاز برامکہ کے عہد میں ہوا۔ انہوں نے چالاکی کے ساتھ اسے دین اسلام میں داخل کر دیا۔ اور شعبان کی چراغاں کو ایسی ہوا دی کہ اسے سنن ایمان کے درجے پر لے آئے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کا مقصود صرف لوگوں سے آگ کی پرستش کروانا تھا، جسے وہ خود پوجتے تھے۔ اور اس طرح وہ اپنے دین کی اقامت چاہتے تھے۔ جبکہ مجوسیت درحقیقت تمام ادیان عالم سے بڑھ کر خائب وخاسر دین ہے۔ اور ان کا چراغاں کی ترغیب دلانا اس لئے تھا کہ لوگ جب اپنے سامنے بکثرت شمعیں جلا کر رکھ لیں گے، اور نماز پڑھیں گے تو ان کے رکوع وسجود آگ کی طرف ہوں گے۔''(۱)

معروف محدث وفقیہہ امام ابن العربی فرماتے ہیں:

''مساجد میں بخور کا رواج سب سے پہلے بنو برمک میں سے یحیٰ بن خالد برمکی اور محمد بن خالد برمکی نے اختیار کیا کہ جنہیں والی سلطنت نے دینی امور کی مسئولیت سونپی تھی۔ ان میں محمد بن خالد تو حاجب سلطان (یعنی شاہی دربار کا دربان) اور یحیٰ بن خالد وزیر تھا۔ اور اس کے بعد اس کا بیٹا جعفر بن یحیٰ اس کا جانشین بنا۔ یہ سب باطنی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے مجوسیت یا آتش پرستی کا احیاء کیا، اور مساجد میں بخور کو رواج دیا۔ حالانکہ پہلے صرف خلوق سے مساجد کو معطر کیا جاتا تھا۔ (اور بخور بھی مساجد یا کمروں کو معطر کرنے کا ایک ذریعہ ہے، مگر اس میں آگ کے کوئلوں سے بھری ہوئی چھوٹی چھوٹی مخصوص بناوٹ کی انگیٹھیوں میں بخور کی مخصوص لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالے جاتے ہیں۔ جن کا دھواں خوشبودار

---

(۱) انظر الباعث ص ۳۴، طبع مکتبہ النہضۃ الحدیثہ مکہ مکرمہ، تحفۃ الأحوذی ۳/۴۴۳۔ (مدنی)

ہوتا ہے۔اور مساجد معطر ہو جاتی ہیں۔اور عموماً دیکھا گیا ہے کہ پھر دہکتے کوئلوں سمیت دھواں چھوڑنے کی حالت میں ہی مسجد میں صف اول کے آگے کہیں امام کی دائیں یا بائیں جانب رکھا جاتا ہے) امام ابن العربی کے بقول آتش پرستی کے احیاء کے لئے مساجد کو معطر کرنے کا یہ طریقہ برامکہ کا ایجاد کردہ ہے۔ورنہ پہلے ان بخور کی بجائے خلوق سے معطر کیا جاتا تھا۔''

اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ:

ان برامکہ نے ہارون رشید کے سامنے کعبہ شریف میں بخور کی ایسی انگیٹھیاں رکھنے کے فعل کو خوب بنا سجا کر پیش کیا۔لیکن ہارون الرشید ان کے بہکاوے میں نہ آیا۔بلکہ اس نے ان کی سازش کا راز فاش کیا، کیونکہ وہ ان کی دسیسہ کاریوں سے واقف تھا، اور جانتا تھا کہ یہ لوگ کعبہ شریف میں یہ انگیٹھیاں اس لئے رکھوانا چاہتے ہیں، کہ مسلمان اپنی بڑی بڑی عبادت گاہوں (یعنی مساجد) میں آگ رکھنے پر مانوس ہو جائیں، جبکہ آگ مجوسیوں کی معبود ہے۔اور وہ اس کی پرستش کرتے ہیں۔

یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ برامکہ، آتش پرست مجوسیوں کی ان خفیہ تنظیموں کے سربراہوں میں سے تھے، جو کہ اسلام کی عمارت کو زمین بوس کرنے، عربوں پر مجوسیوں کا تسلط جمانے اور مجوسی حکومت کا دور لانے میں کوشاں تھیں۔

الغرض کبار علماء مصر میں سے الشیخ علی محفوظ رحمہ اللہ کے بقول مساجد میں چراغاں کرنا سلف صالحین کے عمل میں شامل نہ تھا۔اور نہ ہی ان کے یہاں مساجد کی یوں تزئین کی جاتی تھی۔بعد میں چراغاں کے ذریعے مساجد کو مزین کرنے کا طریقہ ایجاد کیا گیا۔حتی کہ یہ سلسلہ رمضان المبارک کی تعظیم کا ایک لازمی جزء بن گیا۔او علماء کرام کے ان امور پر نکیر نہ کرنے کے باعث عوام الناس میں یہ فعل جڑ پکڑتے

پکڑتے عقیدہ ہی بن گیا ہے۔(۱)

یہ ہیں آتش بازی اور چراغاں کرنے اور مساجد کو بخور سے معطر کرنے کی تاریخ، اور اسباب ومحرکات۔ اور آفرین ہے مسلمانوں کی سادہ لوحی پر، کہ مجوسیوں کی سازش کو اپنے لئے عبادت بنائے چلے آرہے ہیں۔ اور شب معراج، شب برأت اور ماہ رمضان میں ان امور کو بجالانا اپنے لئے عظیم ثواب وسعادت سمجھتے ہیں۔ اور افسوس ہے ان لوگوں کے تغافل مجرمانہ پر جو جانتے بوجھتے بھی ان افعال ووسائس کے خلاف زبان تک کھولنے پر آمادہ نہیں۔ اللہ انہیں سورہ بقرہ کی آیت ۵۹ ﴿إن الــذيــن يـكـتـمـون مـا أنـزلـنـا – الآية﴾ میں مذکور وعید شدید سے بچنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین۔

اس ماہ رجب میں ہی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام کا حلوہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ جو کہ ''رجب کے کونڈوں'' کی شکل میں ایک خود ساختہ عبادت کی شکل اختیار کئے ہوئے ہے۔ اسی طرح اسی ماہ میں حضرت عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ولادت کی رات میں مجلس قائم کی جاتی، اور شیخ جیلانی رحمہ اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح خواجہ غریب نوازؒ، خواجہ بندہ نوازؒ، اور میراں داتاؒ وغیرہ بزرگوں کے نام پر بھی جانور ذبح کئے جاتے ہیں۔ اور ان مجالس میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے۔ طبلے بجائے جاتے ہیں، علم اٹھائے جاتے ہیں۔ اور کئی ایسی دوسری برائیوں کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ جنہیں نہ صرف یہ کہ دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ کوئی سلیم الطبع انسان ان افعال کو گوارہ بھی نہیں کرسکتا۔ دین اسلام کے نام پر قائم کی جانے والی ان مجالس کو دین کی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اور

---

(۱) الابداع ص ۲۸۹۔۲۹۰۔

ہمارے پاک و ہند میں تو ایسے میلے اور مجلسوں کی سال بھر بھر مار رہتی ہے۔ جبکہ مصر کے خرافی لوگوں میں بدوی، رفاعی اور دسوقی کے نام پر، عدن میں عدسی، اور یمن میں زیلعی کے نام پر جو بدعات اپنائی جاتی ہیں، تمام محققین علمائے اسلام اور اہل بصیرت ان سب اعمال کے بدعت وضلالت ہونے پر متفق ہیں، اور جن لوگوں کو ان افعال کے جواز پر اصرار ہے۔ ان کا بھی شاید کوئی قصور نہیں۔ کیونکہ حلوے نے ان کی عقل و دانش پر ایسے پردے ڈال رکھے ہیں، کہ انہیں اس کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

●●●

رجب کے کونڈے اور ایک افسانہ

بعض لوگ اس ماہ رجب میں حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نام کی صحنک تیار کرتے ہیں، جس کے کھانے میں شرکت کرنے والی عورتوں میں بعض شرطوں کا پایا جانا ضروری قرار دیا جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ حضرت بی بیؓ کی صحنک مرد نہ کھائیں اور کوئی کنیز نہ کھائے۔ وہ عورت بھی نہ کھائے جس نے دوسرا خاوند کیا ہے۔ جو نیچ قوم کا یا بدکار ہو، وہ بھی نہ کھائے۔ اور اس نیاز میں فلاں فلاں ترکاری ضرور شامل ہو۔ اور مسّی و مہندی بھی ضرور ہو۔ (۱)

اور کچھ لوگ اسی مہینے میں رجبی مناتے ہیں۔ ان امور کی شریعت اسلامیہ میں کوئی دلیل نہیں، بلکہ یہ خودساختہ اور غیر اللہ کی نیازیں ہیں۔ اور وہ بھی صرف برصغیر کی تیار کردہ۔

اور یہی حال حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا بھی ہے۔ جن کے مدعوین مہمانوں یا بالفاظ دیگر ''کونڈہ خوروں'' کو پہلے یہ ہدایت کی جایا کرتی تھی کہ یہ اندر ہی اندر پکتے اور تیار کئے جاتے ہیں۔ انہیں اندر ہی کھائیں۔ اس مخصوص حلوے کو چھت کے نیچے تیار کیا جاتا ہے اور چھت کے نیچے ہی کھایا جاتا ہے۔ اسے باہر نہیں لے جایا جا سکتا۔ ان کی یہ بات محض اس حد تک بہر حال معقول ہے۔ اور وہ ٹھیک ہی تو کہتے ہیں، کہ ایسی چیزیں چھت سے باہر لے جا کر نہیں کھائی جاتیں۔ بلکہ یہ اندر کی چیز ہے۔ اسے اندر ہی رہنا چاہیئے۔ باہر تو وہی چیز لائی جا سکتی ہے۔ جو مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر اعتبار سے جائز اور ناقابل اعتراض ہو۔ جب کہ یہاں کم از کم دینی و مذہبی اعتبار سے معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ کونڈوں کا آغاز کسی شرعی دلیل پر نہیں ہوا، بلکہ یہ تو محض ایک قصہ یا افسانہ میں ظہور

---

(۲۴۳) تقویۃ الایمان، شاہ اسماعیل شہید ص ۸۴، طبع الدار السلفیہ، بمبئی۔

پذیر ہوئے ہیں۔قرآن وسنت اور سلف امت کے یہاں یہ مروجہ فعل ثابت نہیں ہے۔

تو آیئے پہلے آپ کوان کونڈوں کووجہ جواز بخشنے والی داستان عجیب کا خلاصہ سنادیں، داستان کچھ اس طرح ہے کہ:

ایک لکڑ ہارا مدینہ میں تنگدستی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔تونگری کی تلاش میں وہ مدینہ سے نکلا، اور بارہ سال کہیں بھی خوش حالی کی جھلک نصیب نہ ہوئی۔ پیچھے بیوی نے وزیر محل میں نوکری اختیار کر لی۔ ایک دن جھاڑو دے رہی تھی، کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کا وہاں سے گذر ہوا۔انہوں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔آج کیا تاریخ ہے؟ کسی نے بتایا۔آج رجب کی بائیس تاریخ ہے۔فرمایا اگر کوئی مشکل میں پھنسا ہوا ہو،تو اس کو چاہیئے کہ نئے کونڈے لائے، اور ان میں پوریاں بھر کر میرے لئے فاتحہ پڑھے پھر میرے وسیلے سے دعا مانگے۔اگر اس کی حاجت روائی اور مشکل کشائی نہ ہوئی تو قیامت کے دن میرا دامن پکڑے۔یہ سن کر لکڑ ہارے کی بیوی نے اس پر عمل کیا، اور اپنے شوہر کے صحیح وسلامت اور مال ودولت کے ساتھ واپس لوٹ آنے کی دعا کی۔کونڈے اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔بارہ سال سے مارا مارا پھرنے والا لکڑ ہارا ایک مدفون خزانے کو پالیتا ہے۔اور واپس آ کر وزیر محل کے سامنے ایک شاندار گھر بنالیتا ہے۔اچانک ایک دن وزیر کی بیگم کی نظر اپنے محل کے سامنے بنے ہوئے اس شاندار مکان پر پڑی۔اور پتہ چلا کہ یہ اسی خادمہ کا گھر ہے جو یہاں جھاڑو دیا کرتی تھی۔اسے بلا کر اسکا راز پوچھا،تو پتہ چلا کہ یہ سب کونڈوں نے رنگ دکھایا ہے۔وزیر کی بیگم کو کونڈوں کی اس کرامت پر یقین نہ آیا اور کہا تمہارے شوہر نے یہ مال چوری ڈاکہ کے ذریعے حاصل کیا ہوگا۔

جیسے ہی اس نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے ارشاد وکرامت کو جھٹلایا، ویسے ہی اس کے میاں سے وزارت کا عہدہ جاتا رہا۔حاسد وکینہ پرور چھوٹا وزیر

غالب آ گیا اور اس نے اس کے میاں کو خائن ثابت کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو معزول کر کے اس کی تمام جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی۔ اور اسے ملک چھوڑ جانے کا حکم دے دیا۔ میاں بیوی شہر سے نکل رہے تھے، کہ بیوی کے پاس کل دو درہم تھے۔ ان میں سے اس نے ایک درہم کا خربوزہ خرید کر رومال میں باندھ لیا۔ تاکہ بھوک کے وقت کام آئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اسی دن بادشاہ کا بیٹا شکار پر گیا ہوا تھا، جس کے واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ نئے وزیر نے بھر کاری ضرب لگائی، کہ کہیں معزول وزیر نے اسے قتل نہ کر دیا ہو۔

بادشاہ کے حکم سے سرکاری کارندے گئے اور اس میاں بیوی کو لا کر، دربار میں حاضر کر دیا۔ جب معزول وزیر کی بیوی کے ہاتھ میں موجود رومال کو کھولا گیا، تو اس میں خربوزے کی جگہ شہزادے کا سر بندھا ہوا پایا گیا۔ بادشاہ ان دونوں کو پھانسی پر لٹکانے کا حکم صادر کر دیتا ہے۔ اور جیل میں بند کر دیتا ہے۔ وزیر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ مجھے کچھ یاد نہیں پڑتا، کہ میں نے اپنی زندگی میں کسی پر ظلم کیا ہو۔ نہ جانے ہمیں کس خطا کی پاداش میں یہ ذلت و رسوائی مل رہی ہے۔ وزیر کی بیگم نے کہا: کہ آپ تو بے قصور ہیں، قصوروار تو میں ہوں کہ جس نے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈوں کا انکار کیا، چنانچہ وہ ساری رات توبہ کرتی رہی۔ خلاصی کی صورت میں کونڈے بھرنے کا عزم کرتی ہے۔ ادھر انہوں نے کونڈوں کی عظمت کا اقرار کیا۔ ادھر شہزادہ شکار سے گھر واپس آ گیا۔ بادشاہ اپنے بیٹے کو سلامت دیکھ کر بڑا حیران ہوا۔ اور وزیر کو جیل سے نکلوا کر ماجرا دریافت کیا، تو اس نے ادب واحترام سے کونڈے نہ بھرنے، ان کو جھٹلانے اور پھر رات جیل میں توبہ کر کے کونڈے بھرنے کے عہد کا واقعہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو دوبارہ بحال کر دیا۔ بلکہ خلعت سے بھی نوازا۔ پھر بادشاہ اور وزیر تو کیا؟ رعایا نے بھی کونڈے بھرنے کا اہتمام کرنا شروع کر دیا۔

یہ عجیب وغریب داستان کونڈے بھرنے والوں کی دلیل ہے۔ جو نہ تو

آسمان سے نازل ہوئی ہے۔نہ نبی رحمت ﷺ کی زبان مبارک سے صادر ہوئی ہے۔ نہ خلفاء راشدینؓ یا دیگر صحابہؓ میں سے کسی سے منسوب ہے۔ بلکہ قطعی من گھڑت کہانی ہے۔ جو قرآن وحدیث تو دور کی بات ہے، کسی بھی معتبر کتاب میں مذکور نہیں، اور نہ ہی اس کی کوئی سند ہے۔ بلکہ کسی منشی جمیل احمد جمیل کے منظوم کلام میں خوبصورت انداز سے یہ افسانہ ملتا ہے۔ جس کا خلاصہ ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ الف لیلوی اور ہزار داستان نما ادبی شہ پارہ تو کہہ سکتے ہیں مگر اسے شریعت مان لیں؟ اتنی بڑی حماقت کوئی صاحب عقل ودانش مسلمان کیسے کرسکتا ہے؟ جب کہ جس ہستی یعنی جعفر صادق رحمہ اللہ کی طرف اس داستاں کو منسوب کیا گیا ہے۔ ان سے ایسے متکبرانہ الفاظ کا صادر ہونا قطعا بعید از عقل ہے۔

ثانیاً اس داستاں کے جھوٹے ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں نہ کبھی کوئی بادشاہ ہوا ہے۔ نہ وزیر خصوصا جب کہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی پیدائش ایک روایت کے مطابق ۸/رمضان ۸۰ھ اور دوسری کے مطابق ۱۷/ربیع الاول ۸۳ھ میں ہوئی۔ اوران کی وفات پر اتفاق ہے کہ ۱۵/شوال ۱۴۸ھ ہے۔ اب تاریخ اسلام کو دیکھ لیں، معلوم ہو جائے گا کہ ان کی عمر عزیز کے تقریبا باون (۵۲) سال خلفائے بنی امیہ کے عہد میں گزرے، جن کا دارالخلافہ دمشق تھا۔ اور باقی سال خلافت بنی عباس میں گزرے۔ جنہوں نے بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنالیا تھا۔

ان تاریخی حقائق سے معلوم ہوگیا کہ مدینہ میں کبھی کوئی بادشاہ تھا، نہ اس کا محل، اور نہ کوئی وزیر تھا، اور نہ ہی وزیر کا محل۔ البتہ جس ادیب وشاعر نے بادشاہ، وزیر اوران کے محلات بناڈالے اسی نے لکڑہارے کا کردار بھی تراش لیا ہے۔ اور ایک ادبی شہ پارہ لکھ مارا، جسے ہم نے شریعت بناڈالا ہے۔

ثالثاً: سابقہ دونوں تاریخی روایات کے مطابق امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تاریخ پیدائش بھی ۸/رمضان یا ۱۷/ربیع الاول ہے۔ ۲۲/رجب نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ان

کی تاریخ وفات ہے۔ بلکہ وہ بالاتفاق ۱۵ رشوال ہے۔ اب بتائیں یہ لوگ کونڈے کس خوشی میں بھرتے ہیں؟

درحقیقت بعض لوگوں کے نزدیک اس دن نبی ﷺ کے کاتب وحی اور آپ ﷺ کے برادر نسبتی ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ لہذا وہ تو عمداً اور دانستہ بغض معاویہ کے اظہار کے لئے خوشی مناتے اور حلوہ پوری کے کونڈے بھر بھر کر تقسیم کرتے ہیں۔ جبکہ دیگر لوگوں کی کثیر تعداد بلا سوچے سمجھے، نادانستہ ہی ان کی خوشی میں شریک ہو جاتی ہے۔ پہلے تو اندر کا یہ لاوا اندر ہی اندر پکتا تھا۔ اور اندر ہی اندر کھایا جاتا تھا۔ مگر جب ان لوگوں کی ایک اور بھیڑ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئی، تو اب اسے مذکورہ داستان عجیب کے ذریعے ایک نئی صورت دے دی گئی ہے۔ (۱)

اس داستان میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے روگردانی، نذر لغیر اللہ اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی شان میں توہین وگستاخی کے پہلو بھی نکلتے ہیں۔ جن کی تفصیل میں جانے کی بجائے سر دست ایسے من گھڑت قصے کہانیوں کو عمل کی بنیاد بنانے والوں سے صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا　　　　کار طفلاں تمام خواہد شد

آیئے! ایمان وعقیدہ کی تازگی کے لئے قرآن کریم سے اللہ تعالی کے بعض ارشادات اور احادیث سے نبی اکرم ﷺ کے چند فرمودات ومعمولات کا بھی مطالعہ کریں، تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ حاجت مندوں کو مشکلات میں گھر جانے کی شکل میں کسے پکارنا چاہیئے۔ اور کس سے مشکل کشائی طلب کرنا چاہیئے۔ اور وہ کون سی

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا فضل الرحمان ایم اے کا رسالہ ''رجب کے کونڈے'' طبع دارالدعوۃ السلفیہ لاہور۔ دفتر ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ج ۳۹ شمارہ ۱۳، بابت ۲۶ رر جب ۱۴۰۷ھ بمطابق ۲۷ رمارچ ۱۹۸۷ء۔

ذات ہے جو ایسے وقت میں حاجتیں پوری کرنے اور مشکلات دور کرنے کیلئے سنتی اور مانتی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ میں اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وإذا سألك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون﴾۔

آپ سے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں) تو فرمادیں کہ بے شک میں بہت قریب ہوں۔ میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، لہذا انہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ آپ (ﷺ) انہیں سنادیں) شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔

اور سورۂ مومن آیت ۶۰ میں ارشاد فرمایا:

﴿وقال ربكم ادعوني أستجب لكم﴾ ۔

اور تمہارے رب نے فرمایا: کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار سنوں گا۔

اور سورۂ تغابن آیت ۱۳ میں فرمایا:

﴿لا إله إلاهو وعلى الله فليتوكل المؤمنون﴾۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، پس مومنوں کو چاہیئے کہ صرف اللہ تعالی پر ہی توکل کریں۔

ان آیات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالی بہت قریب ہے۔ اور پکارنے والے جب بھی اسے پکارتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ وہ ان کی پکار سنتا ہے، بلکہ جو کچھ وہ مانگتے ہیں وہ بھی دیتا ہے، کوئی مانگنے والا تو ہو۔ اور یہ بھی کہ چونکہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے لہذا اہل ایمان مسلمانوں کو چاہیئے کہ صرف اسی پر توکل اور بھروسہ رکھیں۔ دردر کی خاک نہ چھانتے پھریں۔

اگر کبھی آزمائش کے طور پر اللہ تعالی کی طرف سے کسی کو کوئی تکلیف آ جائے تو اسے سوائے اس کے کوئی بھی دور نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی دوسرا اس کی طاقت رکھتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نمل کی آیت ۶۲ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿أمن يجيب المضطر إذا دعاه ويكشف السوء﴾

کون ہے جو مجبور و بے قرار کی دعا و پکار کو سنتا ہے، جب کہ وہ اسے پکارے، اور کون اس تکلیف کو رفع کرتا ہے؟

سورۂ انعام آیت ۱۷، اور سورۂ یونس ۱۰۷ میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے:

﴿وإن يمسسك الله بضر فلاكاشف له إلا هو﴾۔

اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا دوسرا کوئی نہیں ہے۔

یہاں بات صاف ہو گئی کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اللہ تعالی ہی کا خاصہ ہے۔ جس میں کوئی نبی یا ولی اس کا سہیم و شریک نہیں۔ لہذا صدقہ و خیرات صرف اللہ کے نام کریں۔ یہی ذریعہ ثواب و نجات اور باعث دفع بلا ہے۔ اور غیر اللہ کے نام پر دی گئی نذر و نیاز نہ صرف یہ کہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو صریح شرک ہے، جس کی تفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔

رجب کے کونڈے بھی اسی میں آتے ہیں۔ جعل سازوں اور شکم پرست جاہلوں نے انہیں رواج دیا۔ اور کچھ جاننے والے طبقہ کے افراد نے اپنی بھلائی اور فائدہ اسی میں دیکھا کہ لوگوں کو اسی راہ پر چلتے رہنے دینا چاہیے، تاکہ روزی روٹی کا چکر چلنے کے ذرائع میں سے ایک یہ بھی رہے۔ بلکہ الٹا سیدھے سادھے لوگوں کو ان کے خود ساختہ فضائل سنا کر مزید پختہ کیا اور کونڈے بھرنے والوں کو گناہوں سے خلاصی اور جنت کی بشارتیں دیں۔ اور دنیا میں اس فعل کو مرادیں پوری ہونے کا ذریعہ بتایا۔ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے کونڈے بھرنے والوں کا یہ عقیدہ بالکل عیسائیوں

کے عقیدہ کی طرح ہے، جو کہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نعوذ باللہ سولی پر چڑھ کر ہم تمام لوگوں کے گناہ بخشوا لئے ہیں۔ یا پھر عیسائی گنہگار چرچ یعنی گرجا میں جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف اپنے پادری کے سامنے کرتے ہیں۔ اور وہ ان کی بخشش کروا دیتا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ ان دونوں کے عقیدہ میں باہم کیا فرق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے نواسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت باقر رحمہ اللہ کے بیٹے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ ایک ایسے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس میں ایمان کی شمع روشن تھی۔ اور ان کا گھر سونے چاندی کی چمک دمک سے روشن نہ تھا، بلکہ ان کے خاندان نے غربت وافلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی ایمان کی روشنی کو کبھی گل نہیں ہونے دیا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔

"ما شبع آل محمدﷺ من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض رسول الله ﷺ۔" (۱)

نبی ﷺ نے کبھی بھی جو کی روٹی مسلسل دو دن پیٹ بھر کر نہ کھائی، یہاں تک کہ روح طاہر قبض کر لی گئی۔

اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ:

"خرج النبي ﷺ من الدنيا و لم يشبع من الخبز۔" (۲)

''نبی ﷺ اس حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی پیٹ بھر کر جو کی روٹی نہیں کھائی تھی''۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

---

(۱) مشکاۃ بہ تحقیق الألبانی ۳/۱۴۴۳، بخاری کتاب الأطعمۃ والرقاق حدیث (۵۴۱۶،۶۴۵۴)، مسلم مع نووی ۱۰۶/۱۴/۷۔

(۲) بخاری، حدیث (۵۴۱۴)۔

''انـه مشـى إلـى الـنبـىﷺ بـخبز الشعير واهالة سنخة، ولقد رهن النبيﷺ درعاً له بالمدينة عند يهودي۔"

میں نبیﷺ کی خدمت میں جو کی روٹی اور بدلی ہوئی ہوا والی چربی کا تیل لے کر حاضر ہوا۔ جب کہ نبیﷺ اپنی ایک زرہ ایک یہودی مدینہ کے یہاں گروی رکھ چکے تھے۔(۱)

آگے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیﷺ کے پاس نو (۹) ازواج مطہرات تھیں، بایں ہمہ میں نے آپﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"ما أمسى عند آل محمد صاع من برٍ ولا صاع حبٍ۔"(۲)

آل محمدﷺ کے پاس کسی رات بھی ایک صاع گندم یا ایک صاع دانے جمع نہیں رہے۔(سبحان اللہ)

بھلا بتایئے کہ ایسی مقدس ہستی جس کے خاندان والوں اور اہل بیت کی غربت وافلاس کا یہ عالم تھا، اور جس شخصیت نے ایسی پاکیزہ خاندانی تربیت اور عمدہ روایات کے تحت پرورش پائی ہو، انہیں ان کونڈوں کے عمل اور حلوہ پوریوں کا خیال کہاں سے آ گیا؟ اور پھر جب یہ کام تابعین، تبع تابعین، محدثین اور ائمہ وفقہاء میں سے کسی نے نہیں کیا، تو آج ان کونڈے بھرنے والوں کو آخراس کے جواز کا ثبوت کہاں سے مل گیا ہے؟

اولاً: تو روایت ودرایت اور نقل وعقل ہر اعتبار سے یہ فعل خودساختہ اور غیر اسلامی ہے۔

ثانیاً: ان لوگوں نے اگر کونڈون کو مغفرت کا سستا طریقہ سمجھ کر اختیار کیا ہے، اور

---

(۱)اور یاد رہے کہ گھر والوں کے لئے جو لے کر ان کے بدلے میں یہ گروی رکھی تھی، اور کتب حدیث وسیرت میں یہ بات معروف ہے کہ جب آپﷺ نے رحلت فرمائی تو اس وقت بھی آپﷺ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی پڑی تھی۔

(۲) بخاری (۲۰۶۹) البیوع، باب شراء النبیﷺ النسیئۃ۔

انہی کے ذریعہ وہ جنت پانا چاہتے ہیں، تو پھر یقین جانیں کہ یہ جنت الحمقیٰ میں رہنے والی بات ہے۔ کیونکہ جب تک عمل صالح اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہوگی، مغفرت نہ ہوگی، محض کسی بزرگ کی قرابت کے دعوے کام نہ آئیں گے۔ سورہ ہود کی آیت ۴۵ اور ۴۶ پڑھ کر دیکھیں، نبی اللہ نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے (کنعان) کی نسبت کیسا سخت جواب بلکہ ڈانٹ پلائی گئی تھی۔

سورۂ توبہ آیت ۱۱۳ میں ہمارے نبی ﷺ کو بھی مشرکین کے لئے دعائے مغفرت وشفاعت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

اور سورۂ بقرہ آیت ۲۵۵، آیۃ الکرسی میں ﴿من ذا الذی یشفع عندہ إلا بإذنہ﴾ فرما کر واضح فرمادیا گیا ہے کہ دربار الٰہی میں اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔

تو پھر شب و روز اللہ اور رسول کی نافرمانیاں کرنے اور اپنے بتائے ہوئے اعمال کو اختیار کرنے والے کی نسبت شفاعت کیسے ہوگی؟ اور حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کی سفارش ہر گنہگار کے متعلق کیسے قبول ہوگی؟

اللہ کے بندو! ہاتھوں پہ ہاتھ رکھے محض تمناؤں کی بنا پر جنت کے وارث بن جانے کے بجائے مسنون عمل کی دنیا میں آؤ۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں مذکور اس ارشاد نبوی کو پیش نظر رکھو، جس میں آپ ﷺ نے اپنی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور پورے خاندان وقبیلہ کو الگ الگ مخاطب ہو کر فرمایا تھا: کہ اپنے آپ کو آگ سے بچالو۔ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا۔

"یا فاطمة بنت محمد سلینی ما شئت من مالی لا أغنی عنك من الله شیئا۔"(۱)

اے فاطمہ بنت محمد مجھ سے میرے مال میں سے جو کچھ چاہو، مانگ لو، لیکن حکم الٰہی کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہ آسکوں گا۔

اگر عمل کے بغیر محض تمنا اور شفاعت کے سہارے نجات و مغفرت ممکن ہوتی، تو ان سادات کو ہوتی، مگر آپ ﷺ نے وہاں بھی حقیقت واضح فرمادی، تو ان کے مقابلہ میں ہما شما کی حیثیت ہی کیا ہے؟

●●●

(۱) بخاری، کتاب الوصایا ۳/۱۱۰۲، طبع مؤسسۃ علوم القرآن عجمان (متحدہ عرب امارات) حدیث ۲۶۰۲، مسلم کتاب اللإیمان حدیث ۴۰۰۔ صحیح النسائی (۳۰۰۹،۷)، صحیح ترمذی (۱۸۸۰، ۲۵۴۵)، صحیح الجامع (۷۹۸۳،۸۲)۔

بائیس رجب کے کونڈے اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا فتوی

کونڈوں کی رسم نہ صرف شیعہ بلکہ عموماً بریلوی حضرات میں چلتی ہے جب کہ ان کے بانی مولانا احمد رضا خان بریلوی اپنی معروف کتاب ''احکام شریعت'' حصہ اول میں لکھتے ہیں:

''علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

"ومن يكون يطعن فى معاوية فذلك كلبٌ من كلاب الهاوية۔" (حصہ اول ص ۵۵)

جو شخص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتا ہے۔''

چہ جائیکہ ان کے یوم وفات ۲۲/رجب کو ان کی موت کی خوشی میں کونڈے کرے۔(۱) اور ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہؓ خدمت نبوی سے جدا نہ ہوئے، ہمہ وقت پاس رہتے، اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کرتے، حضور رسول اکرم ﷺ کا ان کے دل میں جو احترام تھا وہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

ملفوظات اعلیٰ حضرت جلد سوم ص ۴۲ پر فاضل بریلوی کا بیان مذکور ہے کہ ''ایک صحابی عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی شباہت کچھ کچھ سرکار سے ملتی تھی، جب وہ (دمشق) تشریف لاتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تخت سے سر و قد ہو جاتے۔ (اس لئے کہ یہ حضور اکرم ﷺ سے کچھ مشابہ تھے)۔''(۲)

---

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۷۲-۷۳۔

(۲) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۵۷۔

نام نہاد معجزہ حضرت بی بی فاطمۃ رضی اللہ عنہا کا

من گھڑت عبادتوں، ممنوع منتوں، حلوہ خوری کی محفلوں اور خودساختہ شب بیداریوں کے سلسلہ میں گفتگو کے دوران ہم نے بائیس رجب کی کونڈہ خوری کی حقیقت اور اس کی بنیاد میں کارفرما لکڑہارے کی داستان عجیب کی تحقیق اور تجزیہ پیش کیا ہے۔ جبکہ اپنی نوعیت کی یہ کوئی ایک ہی داستان نہیں، بلکہ کئی اور داستانیں اور قصے کہانیاں ایسی ہیں جو قطعی بے سروپا مگر بڑی مقبول ہیں۔ ان میں سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوتین اور مذہبی داستانوں کی حقیقت واضح کردی جائے۔ ان میں سے پہلی داستان تو ''معجزہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا'' ہے۔ جسے مختلف گھروں میں خواتین کی مجالس منعقد کر کے پڑھا اور سنا جاتا ہے۔ اور ایسا کرنے والی مستورات کا یہ عقیدہ ہے کہ اس کے سننے سے مشکلات دور ہوجاتی ہیں۔ اس ''معجزہ نامی'' قصے کے تجزیہ اور تحقیق سے پہلے مناسب ہوگا کہ اس کا خلاصہ آپ کے گوش گزار کردیا جائے۔ مذکورہ عنوان والے کتابچہ میں دو قصے درج ہیں۔ جن میں سے پہلا کچھ اس طرح ہے کہ:

''کسی شہر میں ایک سنار رہتا تھا۔ اس کی بیوی پانی بھرنے کنویں پر گئی، تو شور اٹھا کہ سنار کا لڑکا کمہار کے آوے میں گر گیا ہے۔ سنارن صدمے سے بے ہوش ہوگئی۔ اسی بے ہوشی کی حالت میں اس نے خواب دیکھا، کہ ایک نقاب پوش خاتون نے اسے کہا، تو منت مان کہ اگر میرا بیٹا آوے سے نکل آیا تو میں جناب سیدہ کا معجزہ سنوں گی۔ اس نے یہ منت مانی، تو لڑکا آوے سے صحیح سلامت نکل آیا۔ وہ خوشی سے بازار گئی، اور شیرینی خرید لائی اور اپنے پڑوسیوں سے کہا کہ چلو میرے ساتھ سیدہ کا

معجزہ سنو، مگر سب عورتوں نے انکار کر دیا۔ وہ مایوس ہو کر روتی ہوئی جنگل کی طرف چلی گئی۔ تو اس نے پھر نقاب پوش بی بی دیکھی۔ اس نے کہا تو بیٹھ جا، میں تجھے معجزہ سناتی ہوں:

مدینہ شریف میں ایک یہودی لڑکی کی شادی تھی، اس کا باپ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جناب سیدہ کو اس کے گھر بھیجنے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے فرمایا۔ اگر جناب امیر اجازت دیں تو تم لے جاؤ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کر کے وہ یہودی حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا: سواری لاؤ، وہ سواری لینے گیا، تو جناب سیدہ نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا کی کہ اے اللہ! میرے پاس شادی میں جانے کیلئے نہ کوئی کپڑا ہے، نہ سامان۔ دعا ختم ہونے سے پہلے جنت سے حوریں لباس لے کر حاضر ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے حضرت سیدہ کو لباس و زیورات سے آراستہ کیا۔ سیدہ جب یہودی کے گھر پہنچیں، تو ان کے نور سے مکان روشن اور خوشبو سے معطر ہو گیا۔ اور جتنی یہودی عورتیں جمع تھیں، سب بے ہوش ہو گئیں، کچھ دیر بعد باقی سب عورتوں کو تو ہوش آ گیا۔ مگر دلہن ہوش میں نہ آئی جب انہوں نے دلہن کو مردہ پایا تو رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ جناب سیدہ کو بڑا رنج ہوا۔ جانماز بچھا کر نماز پڑھی، اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میں تیرے رسول کی بیٹی ہوں۔ میری عزت رکھ لے، ورنہ یہ لوگ کہیں گے کہ میرے آنے سے دلہن مر گئی، تب دلہن کلمہ پڑھتی ہوئی زندہ ہو گئی۔ اور ساتھ ہی پانچ سو یہودی عورتیں بھی مسلمان ہو گئیں۔ پھر حضرت سیدہ کو سب نے عزت کے ساتھ مع ایک کنیز کے رخصت کیا۔"

اس سے آگے مذکورہ کتابچہ میں جو دوسرا قصہ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے،:

"ایک بادشاہ اور اس کا وزیر شکار کے لئے نکلے اور دونوں کی لڑکیاں بھی ساتھ گئیں۔ یکایک سخت آندھی آئی اور ایک دوسرے کی خبر نہ رہی، لڑکیوں کا کھٹولا ایک پہاڑ کی

چوٹی پر جا رکا۔ اب وہ دونوں پریشانی میں روتے روتے بیہوش ہوگئیں۔ پھر اچانک ایک نقاب پوش بی بی آئی، اور کہا، تم منت مان لو کہ اگر ہم اپنے ماں باپ سے مل گئیں تو جناب سیدہ کا معجزہ سنیں گی۔ ہوش آنے پر انہوں نے یہ منت مان لی۔ اتنے میں کسی دوسرے بادشاہ کے سپاہی پانی کی تلاش کرتے ہوئے پہاڑ کی چوٹی پر گئے۔ اور دو لڑکیوں کو روتے دیکھا۔ پوچھنے پر لڑکیوں نے سارا ماجرا سنایا، تو وہ سپاہی انہیں اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ ماں باپ کو لڑکیوں کو پتہ چل گیا۔ اور بعد میں دونوں بادشاہوں نے رضامندی سے لڑکیوں کے رشتے طے کردیئے۔ لڑکیاں شادی کے بعد سسرال چلی گئیں۔ مگر اتفاق سے جہیز کا ایک قیمتی طلائی لوٹا، دروازہ پر رہ گیا، سپاہی بھاگا ہوا واپس آیا، تو وہاں نہ بادشاہ، نہ تخت اور نہ تاج، اب بادشاہ بہت ناراض ہوا۔ اور لڑکیوں سے کہا، تم جادوگر ہو۔ اور انہیں قید خانے میں ڈال دیا۔ روتے روتے ان کی آنکھ لگ گئی، تو پھر ان کے سامنے نقاب پوش بی بی آئی اور بتایا، کہ تم نے معجزہ سننے والی منت بھلادی ہے۔ اس لئے تمہیں یہ سزا ملی ہے، اب صبح سویرے آنچل سے دو پیسے گریں گے، ان کی شیرینی منگوالینا اور معجزہ سننا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور قید وقتل سے بچ گئیں۔

برقعہ پوش بی بی نے یہ دوسرا معجزہ بھی سنارن کو سنایا اور غائب ہوگئی۔ سنارن جنگل کی طرف سے اپنے گھر آئی، تو دیکھا کہ جن پڑوسیوں نے اس سے معجزہ سننے سے انکار کردیا تھا، ان کے گھروں میں آگ لگ گئی ہے۔ (۱)

یہ ہے قصہ، جو آپ امت رسول ہاشمی ﷺ اور خصوصاً خواتین میں مقبول و مرغوب ہے۔ جسے نہ صرف ان پڑھ بلکہ بزعم خود پڑھی لکھی، دیندار اور اپنے آپ کو مبلغات سمجھنے والی عورتیں پڑھتی سنتی، اور اپنی یا دوسروں کی مشکلات حل کرتی پھرتی ہیں۔ اور اشاعتی اداروں کے وارے نیارے، ہو رہے ہیں کہ وہ ایسی ''معجزہ نامی''

---

(۱) بحوالہ ماہنامہ ''صراط مستقیم'' برمنگھم جلد ۸، شمارہ ۷ بابت ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ، جنوری ۱۹۸۵ء۔

کہانی کو لاکھوں کی تعداد میں چھاپتے، بیچتے اور پیسے کماتے ہیں۔ اور برصغیر سے مغربی ممالک تک کو بھیجے جاتے ہیں۔ اندازہ فرمائیں کہ قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر مسلمان کس قسم کا دین سیکھ رہے ہیں؟ اور جب پڑھی لکھی خواتین اس طریقہ سے اپنی مشکلات حل کر رہی ہیں، تو پھر ان پڑھ عورتوں کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔

ہمارے مذہبی پیشواؤں کا ایک گروہ تو عملاً ایسے امور کے بارے میں لب کشائی نہیں کرتا، بلکہ حوصلہ افزائی کرتا ہے، کیونکہ ان کا مفاد اسی میں ہے کہ لوگ قرآن وسنت کی بجائے ایسے لایعنی مسائل اور خودساختہ رسومات میں الجھے رہیں۔ اور ان کا ''مذہب وبزرگی'' کے نام پر دھندا چلتا رہے۔

اس قصہ کے سلسلہ میں پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ قطعاً من گھڑت ہے۔ کتب حدیث وسیرت اور کتب تاریخ اسلام میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو یہ ضرور ایسے مصادر میں مذکور ہوتا۔ اس کے علاوہ شیعہ حضرات کے جو علمی مصادر ہیں ان میں بھی ایسی من گھڑت کہانیوں کو تسلیم نہیں کیا جاتا اور نہ ہی کوئی سلیم العقل شیعہ ایسی باتوں پر یقین رکھتا ہے۔ کیونکہ اس داستان میں سادات اہل بیت رضی اللہ عنہم اور خصوصاً حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی عزت وتکریم کی بجائے توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ جیسا کہ ان نام نہاد معجزہ کے مندرجات کے تجزیہ سے واضح ہو جائے گا۔

لیکن پہلے ایک اصولی بات ذہن نشین کر لیں کہ اس قصہ کے حوالہ سے جتنا کاروبار چل رہا ہے۔ تحریر وطباعت اور سننے سنانے، ہر جگہ اس کیلئے معجزہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ حالانکہ معجزہ کا لفظ کسی امتی کی طرف منسوب کرنا ہی غلط ہے۔ حضرت سیدہ کا مقام ومرتبہ اور فضیلت وشرف تمام مسلمانوں کے ہاں مسلّم ہے۔ مگر ان سے کسی معجزے کا صادر ہونا کسی کے نزدیک بھی مسلم نہیں، کیونکہ معجزہ تو صرف انبیاء ورسل علیہم السلام کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔ سادات اہل بیت، صحابۂ کرامؓ اور

دیگر اولیاء اللہ سے جو خرق عادت امور ظاہر ہوں انہیں معجزات نہیں بلکہ کرامات کہا جاتا ہے۔تو گویا قصہ جوڑنے والے نے بنیادی اینٹ ہی غلط رکھی ہے۔اور اندیشہ ہائے دور دراز میں کھوئے ہوئے اتنا فرق نہیں کر پاتے کہ معجزہ کا صدور نبیوں سے ہوتا ہے یا امتیوں سے؟

دوسرے یہ کہنا کہ ایک یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس نے عرض کیا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کو اس لڑکی کی شادی میں بھیجیں۔اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجازت ہوگئی تو حضرت سیدہ نے اس یہودی کو سواری لانے کے لئے کہا، پھر جنت کی حوریں لباس اور زیورات لے کر آئیں اور انہوں نے جناب سیدہ کو ان سے آراستہ کیا اور سواری پر بیٹھا دیا............... یہ سب امور کسی شاطر کے ذہن رسا کی خرافات ہیں۔آپ خود ہی ذرا غور فرمائیں تو بآسانی اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہاں حضرت سیدہ طاہرہ و عابدہ کو ایک شہزادی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔جیسے کوئی موجودہ دور کی شہزادی ہو۔یہ ان کی توہین ہے۔توقیر نہیں نہ تکریم۔کیونکہ شاہانہ زیورات ولباس اور سواری کا ذکر ان کے شایان شان ہی نہیں، کہ وہ تو سرور کائنات ﷺ کی لخت جگر ہیں۔اور صرف اسی پر بس ہوتا تو بھی شاید گنجائش ہو جاتی۔جبکہ ایسا بھی نہیں، بلکہ وہ سیدہ اپنے والد گرامی کی مکمل تصویر تھیں۔چال ڈھال میں اور ایمان و توکل اور اعمال میں، جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہم ازواج النبی ﷺ آپ ﷺ کے پاس ہی تھیں، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف لے آئیں۔آگے فرماتی ہیں:

"واللہ لا تخفی (وفی روایۃ ما تخطیءُ) مشیھا من مشیۃ رسول اللہ ﷺ." (۱)

(۱) جامع الأصول من احادیث الرسول ۱۰/۸۴، ۸۵، طبع اول مصر بہ تحقیق محمد حامد الفقی، بخاری مع الفتح (۶۲۸۵) ۱۱/۸۲۔مسلم مع نووی ۸/۱۶/۵۔

اللہ کی قسم ان (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) کی چال نبی ﷺ کی چال سے بالکل ملتی جلتی تھی۔، اور ذرہ برابر فرق نہ تھا۔

گویا قدرت کی یہ عطا تھی کہ وہ چلنے میں بالکل اپنے والد گرامی منزلت سے بالکلیہ مشابہ تھیں۔ اور نبی ﷺ کے چلنے کے سادہ باوقار انداز سے کون مسلمان ناواقف ہوگا۔ نہ غرور وتکبر، نہ فخر ومباہات اور نہ شاہانہ اکڑفوں، جس کی تفصیلات کتب سیرت وشمائل میں مذکور ہیں۔

اسی طرح ہی سیدہ رضی اللہ عنہا اپنے والد گرامی سے مجموعی ہیئت اور اعمال میں بھی مشابہ تھیں۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

"ما رأيت أحدا أشبه سمتا ودلا وهديا برسول الله ﷺ في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله ﷺ."(۱)

میں نے اہل خیر کی سی وضع قطع، جسمانی وعملی حالت میں سکون و وقار، اور بیٹھنے اٹھنے کے انداز اور چال ڈھال میں فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر نبی ﷺ سے مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔

قصہ میں مذکور حوروں کے زیورات ولباس لانے اور پہنانے کا ذکر بالکل من گھڑت ہے۔ کیونکہ حضرت سیدہ کے فضائل ومناقب لکھنے والوں اور ان کے سیرت نگاروں نے تو خاتون جنت کے جو القاب ذکر کئے ہیں۔ صرف انہیں ہی پیش نظر رکھا جائے، تو بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایسی شاہانہ ٹھاٹھ اور شہزادیوں کا لباس و زیورات انہیں عمر کے کسی بھی حصہ میں ہرگز پسند نہیں رہے۔ بلکہ سیدۃ نساء العالمین، سیدۃ نساء اہل الجنہ، زہراء، بتول، طاہرہ، مطہرہ، راضیہ مرضیہ اور زاکیہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے نہایت متین اور تنہائی پسند تھیں۔ نہ کبھی کھیل کود میں حصہ لیا، اور نہ گھر سے

(۱) جامع الأصول ۸۶/۱۰۔ صحیح ابی داؤد، حدیث (۴۳۴۷)، صحیح الترمذی (۳۰۳۹)۔

قدم باہر نکالا۔ ہمیشہ والدہ ماجدہ کے پاس بیٹھی رہتیں۔ان سے اور رسول اکرم ﷺ سے ایسے سوالات پوچھتیں جن سے ان کی ذہانت و فطانت کا ثبوت ملتا۔ دنیا کی نمود و نمائش سے سخت نفرت تھی۔اور تذکار صحابیات رضی اللہ عنہن کے مؤلف اور معروف سیرت نگار صحابہ جناب طالب الہاشمی لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) کے کسی عزیز کی شادی تھی، انہوں نے (حضرت) فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کے لئے عمدہ کپڑے بنوائے۔ جب گھر سے چلنے کا وقت آیا، تو سیدہ نے یہ قیمتی کپڑے اور زیور پہننے سے انکار کردیا۔اور سادہ حالت میں ہی محفل شادی میں شرکت کی، گویا بچپن ہی سے ان کی حرکات وسکنات سے حب الٰہی اور استغناء کا اظہار ہوتا تھا۔'' (۱)

جس شخص کا بچپن میں یہ عالم تھا اور جن کے بارے میں صحیح بخاری و مسلم جیسی کتب حدیث میں شہادتیں موجود ہیں کہ وہ اپنے والد گرامی کونین ﷺ سے چال ڈھال، اٹھنے بیٹھنے، ظاہری وضع قطع اور ہیئت و حالت میں بالکل مشابہ تھیں اور عملی زندگی میں بھی آپ ﷺ کی تصویر تھیں۔ان کو اس قصہ میں شہزادیوں کے انداز میں پیش کرنا اس عظیم الشان سیدہ کی توہین ہے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رفتار و گفتار اور عادات و فضائل میں رسول کریم ﷺ کا بہترین نمونہ تھیں۔وہ نہایت متقی، صابر، قانع اور دیندار خاتون تھیں، گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں، چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے، اپنے گھر میں جھاڑو دینے اور چولہا پھونکنے سے کپڑے میلے ہو جاتے تھے، لیکن ان کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا۔وہ ظاہری آن بان کی نہیں، بلکہ عمل صالح اور عظیم کردار کی شہزادی تھیں، انہیں زیورات اور سونے چاندی کی جھوٹی اور جعلی چمک دمک اور عمدہ ملبوسات میں تصور کرنا بھی خاندان رسالت اور اہل بیت کی شان فقر و غنا کے

(۱) تذکار صحابیات، طالب الہاشمی ص ۱۲۷ طبع البدر پبلی کیشنز لاہور۔

منافی اور گستاخی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سلطان الفقراء تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ جلیل القدر والد شاہ دو جہان تھے، لیکن داماد اور بیٹی پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔ مگر زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آیا، یہی تو ان کا غنا تھا۔

بادشاہی میں فقیری کی قابل اتباع مثال، جس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا، رات ہو چکی تھی، اس ایک درہم کے جو کہیں سے خرید کر گھر پہنچے، حضرت فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا نے ہنسی خوشی سے اپنے شوہر نامدار کا استقبال کیا۔ ان سے جو لے کر چکی میں پیسے، روٹی پکائی، اور حضرت علی کے سامنے رکھ دی، جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشر ﷺ کا یہ ارشاد یاد آیا، کہ فاطمہ دنیا کی بہترین عورت ہے۔

ایک دفعہ نبی ﷺ سیدہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ سیدۃ النساء اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئی ہیں، اور اس میں بھی تیرہ پیوند لگے ہیں۔ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔ یہ منظر دیکھ کر نبی ﷺ آبدیدہ ہو گئے، اور صبر و ہمت کی تلقین فرمائی۔ ایک دن شوہر نامدار نے گھر آ کر کچھ کھانے کو مانگا، تو پتہ چلا کہ تین دن سے گھر میں جو کا دانہ تک نہیں، پوچھا: اے فاطمہؓ! مجھ سے تم نے ذکر کیوں نہ کیا۔ فرمایا، سرتاج! میرے والد گرامی نے رخصتی کے وقت نصیحت فرمائی تھی کہ میں کبھی سوال کر کے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔

قبیلۂ بنی سلیم کا ایک ضعیف و غریب آدمی مسلمان ہوا، نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کو اس کی مدد کرنے کی ترغیب دلائی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی

اونٹنی دے دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا عمامہ اتار کر اس کے سر پر رکھ دیا، اور خوراک کے بندوبست کے لئے اعرابی کو ساتھ لئے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کئی گھروں کے چکر لگائے۔ بالآخر سیدہؓ کے دروازے پر دستک دے کر سارا واقعہ سنایا۔ تو آبدیدہ ہو کر فرمانے لگیں: سلمان! اللہ کی قسم آج ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہوئے ہیں۔ لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی۔ جاؤ میری یہ چادر شمعون یہودی کے پاس بیچ کر کچھ لے دو۔ وہ گئے اور ساری کیفیت یہودی کو بھی سنائی تو وہ پکار اٹھا کہ اے سلمان! اللہ کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی ہے۔ گواہ رہنا کہ میں فاطمہؓ کے باپ پر ایمان لایا، اس نے کچھ غلہ دیا، اور چادر بھی واپس دے دی۔ سیدہ نے آٹے پیس کر روٹی پکائی اور سلمانؓ کو دی۔ تو انہوں نے عرض کیا، اس میں سے کچھ اپنے بچوں کے لئے رکھ لیجئے۔ جواب دیا: سلمانؓ (رضی اللہ عنہ)! جو چیز اللہ کی راہ میں دے چکی ہوں۔ وہ میرے بچوں کے لئے جائز نہیں۔

سارا واقعہ سن کر نبیٔ اکرم ﷺ گھر تشریف لے گئے۔ ان کے سر پر دست شفقت پھیرا، اور دعائیں دیں۔ اس واقعہ کو علامہ اقبالؒ نے اپنے لفظوں میں یوں پرو دیا ہے ؎

بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت　　　با یہود چادر خود را فروخت

حضرت سیدہ ایک دفعہ بیمار ہو گئیں۔ نبی ﷺ اپنے ایک عمر رسیدہ صحابی حضرت عمران بن حصینؓ کو ہمراہ لئے عیادت کرنے گئے۔ دروازے پر پہنچ کر داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ سیدہؓ نے عرض کیا، تشریف لائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میرے ساتھ عمران بن حصین بھی ہیں۔ حضرت بتول رضی اللہ عنہا نے جواب دیا، ابا جان! میرے پاس ایک عباء کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں کہ پردہ کروں۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک کر فرمایا۔ بیٹی اس سے پردہ کرلو۔ اس کے

بعد آپ ﷺ اور حضرت عمران رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے گئے، اور سیدہؓ سے حال پوچھا، تو جواب ملا۔ ابا جان! شدت درد سے بے چین ہوں، اور بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے، اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔ فرمایا: بیٹی صبر کرو، خود میں بھی تین دن سے بھوکا ہوں۔ پھر انہیں دعائیں دیں اور بشارتیں سنائیں۔(۱)

علامہ شبلی نعمانیؒ نے کہا تھا۔

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی ہر صبح و شام تھا

اور آگے چل کر کہتے ہیں۔

یوں کی بسر ہر اہل بیت مطہر نے زندگی — یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

اب آپ خود ہی انصاف سے کہیں کہ بھلا ایسی مقدس و پاک باز، مجسمۂ صبر و رضا اور پیکر فقر و غنا ہستی کو شہزادیوں کے روپ میں ظاہر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اور پھر جس طرح پرانے زمانے کے لوگ محفلیں گرمانے کے لئے جیسے دیو اور پری کے قصے سنایا کرتے تھے۔ ایسے ہی مذکورہ معجزہ نامی کہانی میں حوروں کا قصہ بھی جوڑا گیا ہے، حالانکہ اسلام میں حوروں کا دنیا میں آنے کا کوئی تصور نہیں، اور نہ کہیں اس کا ذکر ہی ملتا ہے۔

مذکورہ کہانی کے مطابق حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کا یہ معجزہ سننے سے جن عورتوں نے انکار کیا تھا۔ ان کے گھروں میں آگ لگ گئی تھی۔ یہ بلا وجہ لوگوں کو مرعوب کرنے والی بات ہے۔ ورنہ حضرت سیدہؓ کے والد گرامی سرور دو عالم ﷺ کے سچے پیغام اور آپ ﷺ کے معجزات کا انکار کرنے والوں کے گھروں میں تو آگ

---

(۱) للتفصیل: تذکار صحابیات ص ۱۴۷ تا ۱۴۶۔

نہ لگی، اور نہ آپ ﷺ نے کبھی کسی کے لئے ایسی بددعا فرمائی۔اپنوں نے مارا، بیگانوں نے لہولہان کیا اور ستایا، معجزات کا انکار کیا، مگر کسی کے گھر کو آگ نہ لگی۔ یہودی عورتوں کے بے ہوش ہونے، دلہن کے مرجانے اور پھر جی اٹھنے اور ایک کنیز تحفہ پر دینے والی بات پر اس کے سوا کیا کہیں، کہ اللہ تعالی ہمارے حال پر رحم فرمائے، کہ بے عملی ہمیں کہاں سے کہاں تک لے آئی ہے۔ ہماری مائیں، بہنیں چاہتی ہیں کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے بجائے بس کچھ، سننے سنانے سے ہی کام چل جائے۔ دو پیسے کی شیرینی ہوجائے، اور ساری مشکلات حل ہوجائیں۔

یہ اسلامی تعلیمات کے ساتھ انتہائی بھونڈا مذاق ہے۔خواتین کو اپنے اس طرزعمل پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور اپنی مجالس کو سجانے کے لئے قرآن وحدیث کی تعلیمات کو عام کرنا چاہیے۔اور اس کھلانے پلانے والے دین کے چکروں سے نکل کر عادات وخصائل رسول اللہ ﷺ اور تسلیم ورضائے فاطمہؓ نیز فقروغنائے سیدہ رضی اللہ عنہا کو اپنانا چاہیے۔کہ اسی میں ہمارے دین دنیا کی بھلائی ہے۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔

●●●

معجزہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا

جگر گوشۂ رسول اللہ ﷺ حضرت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک معجزہ نامی قصے کا تجزیہ پیش کیا جا چکا ہے، کہ وہ سراسر جعلی و من گھڑت اور قرآن وسنت کی تعلیمات سے لاعلمی بلکہ دوری کا نتیجہ ہے۔ اس قصہ سے ملتا جلتا اور کئی اعتبارات سے جداگانہ اور انوکھا واقعہ دوسری دختر رسول اللہ ﷺ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہے۔

۱۹۸۵ء کے اواخر میں ہمیں ایک کاغذ ملا جسے معجزہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا باور کرایا گیا تھا۔ اور وہ کاغذ فوٹو کاپی تھا۔ جس کے مندرجات سے آسانی اندازہ ہوتا تھا کہ یہ متعدد زبانوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ یہ معجزہ نامی کہانی بھی ضعیف العقیدہ لوگوں کو دھمکیاں دینے سے خالی نہیں، بلکہ طرح طرح سے مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور ان دھمکیوں میں آ جانے والوں کو کچھ (ایسے) انعامات کے وعدے دیئے گئے ہیں (کہ وہ معجزہ کم اور کسی لاٹری کا کوپن زیادہ معلوم ہوتا ہے) اور اس میں ایسے امور کا تذکرہ ہے کہ بغیر کسی تجزیہ وتبصرہ کے سلیم العقل مسلمان اس کی حقیقت کو پا جاتا ہے۔ اور حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا یہ نام نہاد معجزہ اتنا طویل بھی نہیں جتنا کہ پہلا تھا۔ لہذا اس کا خلاصہ پیش کرنے کی بجائے اس پورے معجزے کا اردو ترجمہ آپ کے گوش گزار کر دیتے ہیں ۔اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

''شام کی سیاح خاتون نے بتایا کہ معجزے سے صحت یاب ہونے والی ایک لڑکی کے والدین نے اس کو بتایا تھا کہ ان کی پندرہ سالہ لڑکی سخت بیمار تھی اور ڈاکٹروں نے اس کے مرض کو لا علاج ظاہر کیا تھا۔ تب اس کے والدین اسے حضرت بی بی زنیب رضی اللہ عنہا کے روضہ پر زیارت کے لئے لے گئے، اعجاز اس بی بی پاک کا کہ

اس لڑکی کو شفا ہوگئی، لڑکی کے والدین نے اس معجزہ کو لکھا اور اس کی تیرہ کاپیاں بنا کر تقسیم کر دیں۔ جن میں سے ایک کاپی ایک دولت مند تاجر کو بھیجی گئی۔ مگر اس نے اس معجزے کی تیرہ کاپیاں بنوا کر تقسیم نہیں کیں۔ جس کے نتیجہ و پاداش میں وہ صرف تیرہ ہی دن میں مفلس وغریب ہوگیا۔ ادھر ایک کاپی کسی غریب عورت کے پاس پہونچی، اس نے اس کی تیرہ کاپیاں بنوا کر تقسیم کر دیں تو وہ دولت مند ہوگئی۔ کیونکہ تیس دن کے اندر ہی اس عورت کا انعامی بانڈ کھلا، اور وہ مالدار ہوگئی۔ اس طرح اس معجزہ کی ایک کاپی کسی بڑے عہدے پر فائز ایک افسر کو ملی، لیکن اس نے اس پر یقین نہ کیا اور نہ ہی اس کی تیرہ کاپیاں بنوا کر تقسیم کیں۔ نتیجۃً اس افسر کی نوکری تیرہ دن کے اندر ہی چھوٹ گئی۔

اس سے آگے لکھا ہے:

مومنو! یاد رکھو، ذات جناب زینب رضی اللہ عنہا باعث تعظیم وتکریم ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ اس کی مزید تیرہ کاپیاں بنوا کر لوگوں میں تقسیم کرنا ہوں گی۔ اور اس معجزے پر یقین رکھنے والا اور اسے مزید تقسیم کرنے والا تمام آفتوں اور مصیبتوں سے بچا رہے گا۔ سچے دل سے اللہ پر یقین رکھو، وہ تمہاری بیماری کو دور کرے گا، اور تمہاری دعاؤں کو قبول کرے گا۔ اور تمہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا۔

اس سے آگے لکھا ہے:

اس معجزے کو اپنانے والے خوش نصیب ہیں، اور اس معجزہ کو پانے کے چار دن بعد خوش مچھلی آپ کے دامن میں ہوگی۔

نیز یہ وضاحت بھی درج ہے کہ:

اس معجزے کی کاپی سوئٹزرلینڈ سے شائع ہوئی ہے، اور یہ دنیا میں نو مرتبہ گھوم چکی ہے۔ یہ ایک حقیقی معجزے کی کاپی ہے۔ اسے فضول مت سمجھئے اور معجزے کو

ان لوگوں میں تقسیم کر دیجئے جو اپنی قسمت بنانا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی چودہ معصومین پر یقین رکھتے ہوں۔ دو اور آدمیوں نے اس معجزے پر یقین کیا۔ ان کی مرادیں بر آئیں۔ جناب زینب رضی اللہ عنہا کے اعجاز سے ایک آدمی کو سات ہزار ڈالر ملے، اور دوسرے کو پچاس ہزار ڈالر کا منافع ہوا۔ لیکن اس دوسرے نے اس معجزے پر یقین رکھنے کے باوجود اسے دوسرے لوگوں میں تقسیم نہیں کیا۔ اور اس سلسلے کو روکنے کا سبب بنا، جس کے نتیجے میں وہ شخص اپنی رقم کھو بیٹھا۔ جب کہ ایک اور شخص کی زندگی اس معجزے کو پانے کے چھ دن بعد پوری ہوگئی، اور وہ اس معجزے کو تقسیم نہ کر سکا۔ اس کی موت نے اسے اس معجزہ کو تقسیم کرنے کی مہلت نہ دی۔ لیکن پھر بھی اپنی موت سے پہلے اس شخص نے سات ہزار اناسی ڈالر پائے، یہ سلسلہ وینزویلا سے جاری ہوا۔ اسے لکھنے والا عیسائی مذہب کا آدمی مسٹر ایس۔ اے۔ انتھونی ڈی گوڈاس ہے، جس کا تعلق جنوبی امریکہ سے تھا۔ ۱۹۰۵ء میں ایک شخص گاکی گریگ کو اس معجزے کی ایک کاپی ملی اور اس نے اپنے سکریٹری سے اس کی بیس کاپیاں بنا کر تقسیم کرنے کو کہا۔ اس معجزہ کی برکت سے اس شخص کو لاٹری ملی، اور اسے بیس ہزار ڈالر انعام ملے۔

مزید لکھا ہے:

ایک اور آدمی کارلوس ایک آفس میں ملازم تھا وہ شخص اس معجزے کو تقسیم کرنا بھول گیا۔ کچھ دن بعد اس کی نوکری چھوٹ گئی۔ یاد آنے پر اس نے بیس کاپیاں لوگوں میں تقسیم کیں۔ جس کی برکت سے اس کو پہلے سے بھی اچھی نوکری مل گئی۔ ایک شخص میری لون نے اس معجزے پر یقین نہیں کیا تو نو دن بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

آخر میں لکھا ہے:

آپ لوگوں سے التماس ہے کہ آپ لوگ اس سلسلے کو جاری رکھیں، اس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتے جائیں۔ کسی بھی طرح کی وجوہات پر اس سلسلہ کو روکنا نہیں چاہیئے۔ یاد رہے کہ اللہ پر سچے دل سے یقین رکھنے سے اللہ تمہاری دعاؤں کو

قبول کرے گا۔ اور تمہیں سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے گا''۔

یہ ہیں وہ چٹ پٹے واقعات، سنسنی خیز اور مرعوب کن نتائج اور اعلیٰ عہدوں یا ڈالروں کی شکل میں نازل ہونے والے فضائل و برکات، جو اس نام نہاد (اور من گھڑت) معجزے کی مقبولیت عام کے اسباب ہیں۔ صرف ایک ہی ورق پر مکتوب اتنے سارے معجزات پر مشتمل یہ دھمکی نما ''معجزہ'' ہمارے ہاتھ لگا تو اس میں مذکور ملکوں، شہروں، کرنسی، اور اشخاص کے ناموں سے اندازہ ہو گیا، کہ بہت سی دیگر مہربانیوں کی طرح یہ بھی غالباً مغرب کی ''دین'' ہے۔ اور اسے اس کی طرف لوٹانا ہی زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ ہم نے یہ کاپی مغربی دنیا میں ترویج و اشاعت دین، تصحیح عقائد، قطع شرک و قمع بدعات میں شب و روز مصروف، دیدہ ور، قدیم و جدید علوم کے جامع برطانیہ میں مقیم تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں کی مشترکہ ''شریعت کونسل'' اور ''مرکزی جمعیت'' کے سکریٹری جنرل اور موجودہ دور میں انتہائی اعلیٰ معیار کے اردو ماہنامہ صراط مستقیم ''برمنگھم'' کے چیف ایڈیٹر اور فاضل دوست جناب مولانا محمود احمد میر پوریؒ کو بھیج دی جسے انہوں نے اپنے مستقل کالم، تلخ و شیریں، میں جہاں جہلاء میں پھیلے ہوئے ایسے نام نہاد معجزوں اور دیگر بے دست و پا کہانیوں اور کئی دوسرے امور ذکر کے ان پر بڑے بچے تلے، متوازن، معتدل اور مثبت انداز سے تبصرے اور تجزیئے کرتے ہیں۔ وہیں اسے بھی شائع کیا، جو تقریباً بلا تبصرہ مگر بڑے عبرت انگیز انداز سے تھا اور صرف اتنا ہی لکھنے پر کفایت کی کہ:

یہ اتنا دلچسپ اور اس کا جھوٹ اتنا واضح ہے کہ اس پر مزید کسی تبصرے کی ضرورت دگنجائش نہیں ہے۔ قارئین کرام اسے پڑھیں اور پھر اس امت کی حالت زار کا اندازہ کریں کہ وہ کیسی کیسی خرافات میں کھو چکی ہے۔(۱)

مذکورہ موضوع پر اگر انہی الفاظ پر کفایت کی جائے تو بھی ممکن اور بجا ہے۔

---

(۱) صراط مستقیم برمنگھم ج۹، شمارہ ۷، ۸، بابت ربیع الثانی ، جمادی الاولیٰ ۱۴۰۶ھ بمطابق جنوری، فروری ۱۹۸۶ء۔

لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کچھ وضاحت بھی کر دی جائے ۔ کیونکہ ایسے خود ساختہ معجزات افرادامت میں ایسے رجحان کے جڑ پکڑنے کا سبب بن سکتے ہیں، جن سے ایک طرف تو قبر پرستی جیسے غیر اسلامی فعل کو تقویت ملتی ہے، اور دوسری طرف سیدھے سادھے لوگوں پر ان نسخوں کے ذریعے راتوں رات ہزاروں ڈالروں کے پانے اور مالدار بن جانے کا خبط سوار ہو جاتا ہے ۔ اور وہ بلاوجہ مرعوب بھی رہتے ہیں، کہ اگر اس کی کاپیاں تقسیم نہ کیں تو کہیں یہ اور وہ نہ ہو جائے ۔

اس معجزے کے سلسلے میں پہلی بات تو وہی دہرائی جا سکتی ہے جو معجزہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں کہی گئی ہے ۔ کہ اصولی طور پر معجزہ کا لفظ کسی امتی کی طرف منسوب کرنا ہی غلط ہے ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ تو تمام مسلمانوں کے ہاں مسلم ہے ۔ مگر ان سے فی حین حیات یا بعد الممات کسی معجزے کا صادر ہونا کسی کے نزدیک بھی مسلمہ امر نہیں ہے ۔ کیونکہ معجزات تو صرف انبیاء و رسل علیہم السلام کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، سادات اہل بیت، دیگر صحابہ کرامؓ یا تمام اولیاء اللہؒ سے جو خرق عادت امور ظاہر ہوں، انہیں معجزات نہیں کرامات کہا جاتا ہے ۔ اس معجزے کی کاپی کو تقسیم کر کے عام کرنے والوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں دی، لہذا اس کی بنیاد ہی غلط ہو گئی ہے ۔

دوسری بات یہ کہ شام کی کسی سیاح خاتون کو کسی بیمار لڑکی کے والدین نے جو بتایا، کہ ہماری یہ پندرہ سالہ لڑکی بیمار تھی اور ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دے دیا تھا، تو وہ اسے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے مزار پر لے گئے، جس سے وہ شفایاب ہو گئی ۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اور کسی قبر پرست نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اس بات کو عام کیا ہے ۔ تا کہ لوگوں میں یہ رجحان بڑھے کہ قبروں یا مزاروں والے بھی سنتے اور مدد کرتے ہیں ۔ مصیبت زدہ کی مشکل کشائی کرتے اور بیماروں کو شفا دیتے ہیں ۔ اسی لئے تو معجزہ ساز نے بطور خاص لکھا ہے کہ:

''اعجاز اس بی بی پاکؒ کے کہ لڑکی کو شفا ہو گئی۔''

قرآن وسنت میں مسلمانوں کو مزاروں پر حاضریاں دے کر شفا طلب کرنے کی ہرگز تعلیم نہیں دی گئی۔ بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالی سے شفا طلب کرو، اس سلسلہ میں بطور دلیل واستشہاد قرآن کریم کے متعدد مقامات پیش کئے جا سکتے ہیں۔ جن سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ مصیبت میں مشکل کشائی اور بیماری میں شفا صرف اللہ تعالی ہی عطاء کرتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نمل آیت ۶۲ میں ارشاد الٰہی ہے۔

﴿أمن يجيب المضطر إذا دعاه و يكشف السوء﴾

کون ہے جو مجبور و بے قرار کی پکار کو سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اسکی تکلیف کو رفع کرتا ہے۔؟

اور دوسرے دو مقامات پر سورۂ انعام آیت ۱۷، اور سورۂ یونس آیت ۱۰۷ میں صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ:

﴿وإن يمسسك الله بضر فلا كاشف له إلا هو﴾

اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اسے دور کرنے والا دوسرا کوئی نہیں۔

اور سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ میں اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے:

﴿وإذا سئلك عبادي عني فإني قريب أجيب دعوة الداع إذا دعان فليستجيبوا لي وليؤمنوا بي لعلهم يرشدون﴾۔

آپ سے جب میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں (کہ میں کہاں ہوں) تو فرمادیں کہ بے شک میں بہت قریب ہوں۔ میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ لہذا انہیں چاہیئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں۔ اور مجھ پر ایمان لائیں۔ (یہ بات آپ انہیں سنا دیں) شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔

اورسورۂ مومن آیت ۶۰ میں ارشادالٰہی ہے۔

﴿وقال ربكم ادعوني أستجب لكم﴾

اورتمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکارسنوں گا۔

اورسورۂ تغابن آیت ۱۳ میں فرمایا ہے:

﴿لا إله إلا هو، وعلى الله فليتوكل المؤمنون﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودنہیں، پس مومنوں کو چاہیئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔

ان سب آیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ بہت قریب ہےاور پکارنے والے جب بھی اسے پکارتے ہیں تو وہ نہ صرف ان کی پکار کو سنتا ہے، بلکہ ان کو وہ کچھ دیتا بھی ہے جو کہ وہ مانگتے ہیں۔ اور اگر کبھی امتحان و آزمائش کے طور پر کسی کو کوئی تکلیف آ بھی جائے تو اسے سوائے اس کے دوسرا کوئی دورنہیں کرسکتا، اور چونکہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ لہذا اہل ایمان کو چاہیئے کہ صرف اسی پر توکل و بھروسہ کریں۔ کیوں کہ حاجت روائی اور مشکل کشائی صرف اسی کا خاصہ ہے، اس میں کوئی نبی، ولی اور صحابی اس کا سہیم و شریک نہیں ہے۔ اور پھر ان سب قدرتوں والی ذات باری اتنی قریب ہے کہ سورۂ ق آیت ۱۶ میں ارشاد ہے

﴿ولقد خلقنا الإنسان ونعلم ما توسوس به نفسه ونحن أقرب إليه من حبل الوريد﴾

ہم نے انسان کو پیدا کیا ہےاوراس کے دل میں ابھرنے والے وسوسوں تک کو ہم جانتے ہیں۔ اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

اور عام مشکلات و مصائب کے ساتھ ساتھ خاص طور پر بیماری سے شفاء طلب کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہیئے۔ اور اہل اللہ کا یہی طریقہ رہا ہے، جیسا کہ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے سورۂ

شعراء میں ان کا اس سلسلہ میں عقیدہ وعمل بتایا ہے۔ چنانچہ آیت ۷۸ تا ۸۲ میں ارشاد ہے:

﴿الذی خلقنی فهو یهدین والذی هو یطعمنی ویسقین. وإذا مرضت فهو یشفین. والذی یمیتنی ثم یحیین. والذی أطمع أن یغفر لی خطیئتی یوم الدین﴾

جس نے مجھے پیدا کیا وہی میری راہنمائی کرتا اور مجھے ہدایت دیتا ہے اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے، جو مجھے موت دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا۔ اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ روز جزا میں وہ میری خطا معاف فرما دے گا۔

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی کہلوا کر ہماری رہنمائی فرما دی کہ بیماری آ جائے تو قبروں اور مزاروں، درباروں کے چکر کاٹنے کی بجائے اپنے خالق و مالک سے شفا طلب کرو۔ جو کہ اس بات پر قادر بھی ہے۔

ان قرآنی ہدایات سے آگے بڑھ کر ارشادات و معمولات نبوی کا مطالعہ کریں، تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ شفاء تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اس نے جو بیماریاں پیدا کی ہیں ان کی دوائیں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ ان کا استعمال بھی جائز ہے۔ مگر کہیں یہ نہیں ملتا کہ کسی مزار پر جانے کی ترغیب دلائی ہو۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی جہاں دنیا کے لئے معلم اخلاق و ہادی دین تھی، وہیں آپ ﷺ دنیا کے لئے ہر قسم کے ظاہری و باطنی امراض کے لئے طبیب کامل بھی تھے۔ آپ ﷺ نے جہاں تمدن و معاشرت کے اعلیٰ اصول بتائے، وہیں پاکیزہ وصحت بخش زندگی کے انمول فارمولے بھی عطا کیے، کہ دنیا آج تک آپ کے بتائے ہوئے نسخوں پر عش عش کر رہی ہے۔ آپ ﷺ نے کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت کی انمول فیاضیوں کا ایسا تجزیہ فرمایا کہ آگ و پانی نباتات و جمادات، شجر و حجر،

پرند و حیوانات، لکڑی ،لوہے، دھات ، معدنیات، سونا ، چاندی،پیتل، تانبا، دھوپ، سایہ، سردی وگرمی ، بہار وخزاں اور تاریکی وروشنی ،سب کے خواص وفوائد اور ان سے استفادہ کے اصول وطریقے بتائے۔اوران سب چیزوں کو حیات انسانی کے لئے قدرت کی بیش بہا نعمت قرار دیا۔صحراو بیابان اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیلی ہوئی جڑی بوٹیوں ،پھلوں پھولوں ، پتوں ،تر کاری ، حلال جانوروں کے گوشت، چربی ، ہڈی، دودھ، دہی، گھی، پنیر سب کے بیش قیمت فوائد وخصائص اوراستعمال کے مفید طریقے بتائے ۔اور آپ ﷺ نے زندگی کے اصول وآداب کا ایسا نظام مقرر فرمایا، کہ جس سے انسانی معاشرہ صحت وسرور سے ہمکنار ہوتا ہے۔ان سب اموراور ایک ایک چیز کے فوائد وطریقۂ علاج کی تفصیل مطلوب ہوتو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''زادالمعاذ'' کا باب طب نبوی ملاحظہ فرمائیں۔اوران کے علاوہ علماء اسلام میں سے امام ابوبکر ابن السنی ، امام ابونعیم اصبہانی اورامام ذہبی (رحمہم اللہ) نے بھی خاص اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں۔

بہرحال نبیٔ اکرم ﷺ نے بیماری کا علاج کرانے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ صحیح مسلم میں ارشاد نبوی ہے۔

"لكل داء دواءٌ فإذا أصيب دواء الداء برأ بإذن الله عز وجل."

ہر بیماری کی دوا ہے۔ جب دوا کا استعمال بیماری کے مطابق کیا جاتا ہےتو بحکم الٰہی شفا ہوجاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے یہاں صحیح مسلم کا جو باب قائم کیا ہے، وہ ہے:

"باب لكل داء دواءٌ واستحباب التداوي."(۱)

---

(۱) مسلم مع النووی ۱۴/۷/۱۹۱۔طبع دارالفکر بیروت۔

ہر بیماری کے لئے دوا ہے۔اور دوا کرنا مستحب و پسندیدہ ہے۔

اور صحیح بخاری و ابن ماجہ میں ارشاد نبوی ہے:

"ما أنزل الله من داءٍ إلا أنزل له شفاء."(۱)

اللہ تعالی نے دنیا میں جب کوئی بیماری پیدا فرمائی، تو اس کی دوا و شفا بھی ساتھ ہی نازل فرما دی۔

اور الادب المفرد، امام بخاریؒ اور ابوداؤد و ترمذی، نسائی و ابن ماجہ، مستدرک حاکم اور مسند احمد میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میں نبی ﷺ کی مجلس میں موجود تھا کہ کچھ اعرابی آئے اور انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول! انتداوی؟ کیا ہم دوا و علاج کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"نعم يا عباد الله، تداووا فإن الله عز وجل لم يضع داءً إلا وضع شفاء غير واحدٍ."

ہاں اللہ کے بندو، بیماری میں دوا استعمال کرو۔ بیشک اللہ تعالی نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے۔اس کی دوا و شفا بھی رکھی ہے۔سوائے ایک بیماری کے۔

انہوں نے پوچھا: ماھو؟ وہ بیماری کون سی ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"الهرم" بڑھاپا۔(۲)

اور ایک روایت میں ہے۔

"إلا السام" یعنی سوائے موت کے ہر بیماری کی دوا ہے۔(۳)

جب کہ مسند احمد، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ہے:

"إن الله عز و جل لم ينزل داءً إلا أنزل له شفاءً علمه من

---

(۱) بخاری مع الفتح ۱۰/۱۳۴، طبع دار الإفتاء، وابن ماجہ، حدیث ۳۴۹۲۔

(۲) زاد المعاد تحقیق الارناؤوط ۴/۱۳ و فتح الباری ۱۰/۱۳۵، صحیح ابی داؤد (۳۲۶۴)، صحیح الترمذی (۱۶۶۰)، ابن ماجہ (۳۴۳۶)، مسند احمد ۴/۲۷۸، الموارد (۱۳۹۵)۔

(۳) فتح الباری ایضاً، صحیح الجامع (۱۸۰۹)، الموارد (۱۳۹۵)، الصحیحہ (۴۵۲)۔

علمه و جهله من جهله."(۱)

بے شک اللہ عز وجل نے جو بھی بیماری نازل کی ہے اس کی دوا و شفا بھی نازل کی ہے۔ جس نے اس دوا و شفا کو جان لیا۔ اس نے تو جان لیا۔ اور جو اس سے غافل رہا۔ وہ نہ جان پایا۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے:

"إن الله جعل لكل داءٍ دوآءً فتداووا ولا تداووا بالحرام."(۲)

بے شک اللہ تعالے نے ہر بیماری کی دوا بھی پیدا فرمائی ہے۔ پس بیماری کی دوا کر لیا کرو۔ لیکن حرام اشیاء سے دوا دعلاج نہ کرو۔ ترمذی و ابن ماجہ، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ابوحزامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول!

"أريت رقى نسترقيها دواء نتداوى به، وتقاةً نتقيها هل ترد من قدر الله شيئا؟"

کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ ہم جھاڑ پھونک کرتے ہیں جن سے ہمیں کافی فائدہ ہوتا ہے۔ تو کیا اس طرح تقدیر الٰہی کی مخالفت تو نہیں ہوتی؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"هى من قدر الله."(۳)

یہ (استعمال) بھی تقدیر الٰہی ہے۔ (کہ ساری چیزیں اپنا اثر دکھاتی ہیں)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ بیماری میں دوا استعمال کرنا اور علاج

---

(۱) زاد المعاد لابن قیم۔ ۴/۱۴، ابن ماجہ (۳۴۳۸) مسند احمد ۱/ ۳۷۷، ۴۱۳، الحاکم ۴/ ۱۹۶، بحوالہ الصحیحہ (۴۵۲)، صحیح الجامع (۱۸۰۹)۔

(۲) فتح الباری ۱۰/ ۱۳۵۔ سنن ابی داؤد (۳۸۷۲)۔

(۳) الزاد ایضاً۔ ابن ماجہ (۳۴۳۷) ضعیف الترمذی (۳۷۹)۔

کرانا بھی تقدیر الٰہی میں شامل اور شرعاً جائز بلکہ بقول امام نووی مستحب ہے۔ اور اسباب کا اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے۔ اور پھر یہ علاج معالجہ توکل کے منافی بھی نہیں، جس طرح بھوک کے وقت غذا کا استعمال، پیاس کے وقت مشروب کا گرمی سے بچاؤ کے لئے ٹھنڈی چیزوں، اور سردی سے بچنے کے لئے گرم اشیاء کا استعمال توکل کے منافی نہیں ہوتا۔ یہی معاملہ دوا وعلاج کا بھی ہے کہ یہ بھی توکل کے منافی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ علاج کرنے اور کرانے والے یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ دواؤں کا یہ استعمال اور ان کے ذریعے حصول شفا اللہ تعالیٰ ہی کے حکم ومشیئت اور اس کی قدرت سے ممکن ہے۔

جیسا کہ مذکورہ احادیث میں "بإذن الله" اور "هي من قدر الله" کے الفاظ بتاتے ہیں، تو گویا بیماری لگانا اور دواء کے ذریعے شفا بخشنا صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اور طبیب یا ڈاکٹر کی حیثیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوا اس کے ہاتھوں بھیجی ہے۔ (۱)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد کی فصل ''طب نبوی'' میں نبی ﷺ کے طریقۂ علاج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے، کہ وہ تین طرح تھا۔

پہلا طریقہ: علاج بالأدوية الطبيعية یعنی طبعی دواؤں سے علاج کرنا۔

دوسرا طریقہ: علاج بالأدوية الإلهية یعنی الٰہی دواؤں بالفاظ دیگر دعاؤں اور جھاڑ پھونک سے علاج کرنا۔

اور تیسرا طریقہ: علاج بالمركب من الأمرين یعنی دوا اور دعا دونوں کے مرکب سے علاج کرنا۔ (۲)

اس سابقہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیماری میں دوا دارو اور علاج کرانا مستحب ہے۔ اور جھاڑ پھونک یعنی دم کرنا بھی نبی ﷺ سے اور آپ کے صحابہؓ سے کئی احادیث

(۱) فتح الباری ۱۰/۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳٦۔ زاد المعاد ۴/۱۳ تا ۱۷۔
(۲) زاد المعاد ۴/۲۴۔

میں ثابت ہے۔ البتہ نبی ﷺ سے تعویذ گنڈے ہرگز ثابت نہیں۔ جبکہ دم جھاڑ اور تعویذ گنڈوں کا فرق واضح ہے۔

ان تین طریقوں یعنی دوا، دعا اور ہر دو کے ذریعے علاج معالجے کے لئے کسی زندہ، نیک، پارسا اور صالح شخص کے پاس جانا تو دوا ہوا۔ کسی مزار دربار پر جانے کا ثبوت کہاں سے آئے گا؟ اور پھر ظاہر و باہر ہر اعتبار سے چور اچکے اور بھنگی شرابی قسم کے جعلی پیروں کی دعاؤں میں اثر کہاں سے آئے گا؟ جو اپنے حواس کھو بیٹھا ہو۔ اور جسے اپنے کپڑوں تک کا ہوش نہ ہو، جسے غسل کئے برسوں گذر جائیں۔ اور نماز پڑھے مدتیں بیت گئی ہوں۔ وہ کسی کے لئے دعائیں کیا کرے گا، اور ان کی قبولیت کیا ہوگی؟

●●●

زیارت قبور کے بارے میں
شرعی نقطہ نظر

اس معجزہ میں یہ مذکور ہے کہ بیمار لڑکی کے والدین اسے حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے مزار پر لے گئے۔ اسی مناسبت سے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو زیارت قبور کے بارے میں شرعی نقطہ نظر بھی بتا دیا جائے، تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ مذکورہ لڑکی اور اس کے والدین کی زیارت شریعت کی رو سے کس کھاتے میں جاتی ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں مختصراً عرض ہے کہ جمہور اہل علم نے زیارت قبور کی تین قسمیں ذکر کی ہیں۔ جن میں سے:

پہلی قسم: زیارت شرعیہ۔ جو کہ جائز و روا اور مشروع ہے۔ اور زیارت شرعیہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے، کہ اس قصد و ارادہ سے قبروں کی زیارت کہ اس سے فکر آخرت و ذکر موت میں تجدید ہو گی۔ اور اہل قبور پر سلام کہیں گے۔ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ وہ اہل قبور چاہے انبیاء کرام ہوں، دیگر صالحین امت ہوں، یا چاہے کوئی بھی ہوں۔ اور اس قصد سے زیارت قبور خود نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اسی کا صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں آپ ﷺ نے حکم فرمایا ہے: جیسا کہ صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور مستدرک حاکم میں ارشاد نبوی ہے:

"کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فإنها تذكر الآخرة."(۱)

''میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے (پہلے) منع کیا تھا۔ (اب)

---

(۱) مسلم مع النووی ۴/ ۷/ ۴۶، ۴۷۔ ابو داؤد، حدیث ۳۲۳۵، وقال: إنها تذكرة، ترمذی مع التحفة، حدیث ۱۰۶۔

زیارت کرلیا کرو۔ کیونکہ یہ آخرت کی یاددلاتی ہے''۔

اور زیارت قبور کے وقت وہاں جا کر اہل قبور سے مرادیں مانگنے، اپنے دکھڑے سنانے اور مشکلات سے نجات طلب کرنے کی اجازت نہیں، بلکہ صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے:-

"كان رسول الله ﷺ يعلمهم إذا خرجوا إلى المقابر أن يقولوا السلام عليكم اهل الديار من المؤمنين و المسلمين و إنا إن شاء الله بكم للاحقون."

نبی ﷺ اپنے صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کو قبروں کی زیارت کے لئے جانے کے وقت سکھایا کرتے تھے، کہ وہ یہ یہ دعا کیا کریں۔

"السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين والمسلمين وإنا إن شاء الله بكم للاحقون."

اور ترمذی شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"أنتم سلفنا ونحن بالأثر." (۱)

یہ ہے شرعی زیارت اور یہ ہے دعائے ماثور وذکر مسنون۔ جس سے واضح ہو رہا ہے کہ زیارت کرنے والا اہل قبور کے لئے سلامتی وعافیت کی دعا کرے۔ نہ کہ ان کو مشکل کشائی کے لئے پکارتا پھرے، اور یہ زیارت شرعیہ صرف قرب وجوار کی حد تک ہے، جس کیلئے انسان کو رخت سفر اور زادراہ باندھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ کیونکہ ایسا سفر صرف تین مقامات کے لئے ہی جائز ہے۔ اور وہ ہے: حرمین شریفین اور مسجد اقصیٰ۔ اور صحابہؓ، وتابعینؒ اور تبع تابعینؒ سے ان تین مقامات کے علاوہ رخت سفر باندھ کر کسی اور جگہ کی طرف بغرض ثواب جانے کا پتہ نہیں ملتا، حتی کہ مسند احمد میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جبل طور کی طرف وہاں نماز پڑھنے کیلئے

---

(۱) مسلم مع النووی ۴/ ۷/ ۴۴، ۴۵، ابوداؤد ۳۲۳۷، ترمذی ۱۰۵۹۔

سفر کیا۔ اور جب حضرت ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہم کو اس کا علم ہوا۔ تو انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر نکیر کی اور فرمایا:

"لو ادركتك قبل أن ترحل إليه ما رحلت."

اگر مجھے تمہارے سفر پر نکلنے سے پہلے پتہ چل جاتا تو تم ہرگز اس طرف سفر نہ کرتے۔

اور پھر صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں مذکورہ وہ حدیث نبوی سنائی جس میں آپ ﷺ نے تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ کی طرف ثواب کی غرض سے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱)

دوسری قسم: اور زیارت قبور کی دوسری قسم ہے: زیارت بدعیہ۔

اور بدعت وہ زیارت ہے جس میں انسان کسی قبر کے پاس نماز پڑھنے اور اللہ سے دعا کرنے کی نیت سے جائے۔ اور اسے صرف اسی وقت تک بدعت کہا گیا ہے۔ جبکہ زائر صاحب مزار کو نہ پکارے، اور اس سے حاجت روائی کی التجا بھی نہ کرے۔ اور اگر ایسا کیا تو پھر وہ زیارت شرکیہ ہوگی۔ کیونکہ زیارت کی تیسری قسم بھی یہی ہے کہ صاحب قبر کو پکارا جائے۔ اس سے قضائے حاجات کا مطالبہ کیا جائے۔ اور مصائب سے مشکل کشائی طلب کی جائے۔(۲)

انبیاء و صالحین کی قبور کی سجدہ گاہ بنانا تو دو ایک نہیں۔ بلکہ صحاح و سنن میں مذکور صحیح سند والی کم و بیش اٹھارہ احادیث رسول ﷺ کی رو سے ممنوع ہے، جن کی تفصیل پھر کبھی سہی۔(۳)

---

(۱) الفتح الربانی ترتیب المسند ۲۸۰/۲۳، بخاری حدیث (۱۱۹۷) ۱۴/۳، مسلم مع نووی ۱۰۵/۹/۵، صحیح ابی داؤد (۱۷۸۸)، صحیح الترمذی (۲۶۹)۔ ابن ماجہ (۱۴۰۹)، صحیح نسائی (۶۷۶)۔

(۲) انظر ہاں تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، الالبانی ص ۹ تا ۲۰، طبع إحیاء التراث الاسلامی کویت، اوضح الاشارۃ ص ۳۱ تا ۳۷۔

(۳) نفس المرجع ایضاً۔

مختصر یہ کہ مذکورہ تصریحات سے اس لڑکی اور اس کے والدین کی زیارت کی تعیین واضح ہوگئی۔ اور پھر اس معجزے کی تیرہ یا اس سے زیادہ کاپیاں بنا کر تقسیم کرنے کی جو تاکید ہے، اور اس پر انعامات، عہدے، بانڈز، اور ڈالرز کے جو وعدے ہیں، اور تقسیم نہ کرنے والوں سے یہ سب کچھ چھن جانے کی جو وعیدیں ہیں، یہ سب کچھ خود ساختہ ہیں، قرآن وسنت، خلفاء وصحابہؓ اور سلف امتؒ کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں۔ اور خاص تیرہ کاپیاں، یہ مقررہ عدد کس نے نازل کی ہے؟ یا مقرر فرمائی ہے۔ اور کہیں یہ ان اعداد میں سے نہیں جنہیں بعض فرقے یا گروہ اپنے لئے مبارک سمجھتے اور استعمال کرتے ہیں؟

اور یہ جو لکھا ہے کہ یہ کاپی دنیا میں نو مرتبہ گھوم چکی ہے۔ جبکہ یہ پہلے پہل، سوئٹزرلینڈ سے شائع ہوئی تھی، بھئی یہ تو مانا جا سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے، نہ مدینہ منورہ سے اور نہ ہی شام سے بلکہ پہلے پہل یہ سوئٹزرلینڈ سے ہی کسی نے شائع کی ہوگی۔ حالانکہ اس کاپی پر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سلسلہ وینزویلا سے جاری ہوا اور اسے لکھنے والا عیسائی مذہب کا ایک آدمی مسٹر ایس اے انتھونی ڈی گوڈسی ہے۔ جس کا تعلق جنوبی امریکہ سے تھا۔ بہرحال شائع کرنے والے نے یہ کس طرح کہہ دیا۔ یا کسی دوسرے نے یہ اندازہ کیسے لگالیا کہ یہ کاپی دنیا میں نو مرتبہ گھوم چکی ہے، نہ کم اور نہ زیادہ، اور اس کاپی کے پیچھے کون تھا، جس نے اس کے ساتھ نو مرتبہ دنیا جہان کے ملکوں کے چکر کاٹے ہیں۔ ہم کسی سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ وہ ہمارے ہاں میں ضرور ہی ہاں ملائے۔ بلکہ ہم صرف دعوت فکر دیتے ہیں کہ معاملہ کی تہہ تک جانے کے لئے ذرا غور کرلیں۔ پھر جو آپ کے من میں آئے وہ کرتے رہیں۔

اس معجزے کی کاپیاں تقسیم نہ کرنے والا صرف تیرہ دن میں مفلس محتاج ہوگیا۔ اور ایک آفیسر کی صرف تیرہ ہی دن میں نوکری چھوٹ گئی۔ اور ایک شخص کے پچاس ہزار ڈالر چھن گئے۔ کارلوئس کا پیاں تقسیم کرنا بھول گیا تو کچھ دن بعد اس کی

نوکری چھوٹ گئی، یاد آنے پر تقسیم کیں تو پہلے سے اچھی نوکری مل گئی، میری لون نے اس پر یقین نہ کیا تو صرف نو ہی دن میں اس کا انتقال ہو گیا وغیرہ۔

ویسے خود ہمارا تجربہ شاہد ہے کہ اس کی کاپیاں بنوا کر تقسیم نہ کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی ان سب امور کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے صرف کتب حدیث یا کم از کم سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ ہی کر لیں، کہ اللہ تعالی نے کثیر معجزات سے آپ ﷺ کی تائید فرمائی ہے۔ اور معجزات کے صدور کے وقت ہی کفار قریش و مشرکین مکہ نے ان کا نہ صرف کھلے طور پر انکار کیا، بلکہ الٹا نبی ﷺ کی ذات گرامی کو ساحر یا جادوگر اور دیگر نازیبا الفاظ سے مطعون کیا۔ مگر ان کے ساتھ ایسے حادثات تو رونما نہ ہوئے۔ اور آپ ﷺ سے بڑی شخصیت اور کون ہو سکتی ہے؟

اور اس کاپی میں یہ الفاظ بھی ہیں، کہ ''یہ ایک حقیقی معجزے کی کاپی ہے۔ اسے فضول مت سمجھئے''۔ اور اس کی آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ ''آپ لوگوں سے التماس ہے کہ آپ لوگ اس سلسلے کو جاری رکھیں، اس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتے جائیں۔ اور کسی بھی طرح کی وجوہات پر اس سلسلے کو روکنا نہیں چاہیئے۔'' یہ الفاظ خود ہی کافی کچھ بتا رہے ہیں۔ اور سننے والوں کے لئے دعوت تدبر ہیں تو پڑھنے والوں کیلئے لمحۂ تفکر۔

انگریزی وصیت نامہ

دین کے نام پر جن چیزوں کی فوٹو کاپیاں بنوا کر تقسیم کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے، اور اس کے انعامات گنوائے جاتے ہیں، اور ایسا نہ کرنے پر وعیدیں سنائی جاتی ہیں۔ ان میں سے ہی ایک ''وصیت نامہ'' بھی ہے۔ جسے کبھی تو وصیت نامے کے عنوان سے متعارف کرایا جاتا ہے اور کبھی مدینہ طیبہ کے شیخ احمد کے خواب کے نام سے، اور یہ بھی متعدد زبانوں میں ''گھوم'' رہا ہے۔ اور خصوصاً انگلش والی کاپی میں تو

اسے وصیت نامہ ہی کہا گیا ہے۔ جس کا آغاز بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا گیا ہے، کہ تمام اچھے عقائد کے ساتھ اللہ ہی پر بھروسہ رکھو۔ وہی تمہاری سننے والا اور نجات دینے والا ہے۔ مگر آگے چل کر اس وصیت نامے کی کاپیاں کروا کر تقسیم کرنے والے کو انتہائی دولت وصحت کی خوشخبری اور اس پہ یقین نہ کرنے والے کو بڑا بد بخت قرار دیا گیا ہے۔ اور اسے خطرناک انجام بلکہ موت کی پیشین گوئی سنائی گئی ہے۔

اس انگلش وصیت نامے کی پر زور تردید برطانیہ کے شہر بریڈفورڈ سے شائع ہونے والے ایک انگلش اخبار ''ٹیلیگراف اینڈ آرگوس'' میں ۱۹۸۶ء کے اواخر میں شائع کی گئی، جس کے لکھنے والے بریڈفورڈ کونسل آف مساجد کے ایک راہنما جناب سی ایم خاں ہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون میں بڑے زوردار طریقے سے اس انگریزی وصیت نامے کی تردید کی ہے۔ اسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ کوئی مذہب یا مذہبی راہنما ایسے وصیت ناموں پر ایمان نہیں لا سکتا۔ یہ صرف بزدل اور کمزور عقیدہ لوگوں کا معاملہ ہے۔ اور اس انگلش وصیت نامے کے بارے میں یہ باور کیا گیا، کہ اسے کسی عیسائی مشینری کی شہ پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔(۱)

جب کہ اردو اور عربی میں تقسیم کئے جانے والے وصیت نامہ یا شیخ احمد کے خواب میں موصوف کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ کہ وہ جمعہ کی ایک رات تلاوت قرآن میں مشغول تھے کہ سونے سے قبل انہیں نبی ﷺ دکھائی دیئے، اور ان سے مخاطب ہو کر آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں لوگوں کے بداعمال سے بہت شرمندہ ہوں، کہ اللہ تعالی اور فرشتوں سے ملاقات کی تاب نہیں رکھتا۔ صرف ایک ہفتہ میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمی غیر مسلم کی حیثیت سے مر رہے ہیں''۔

---

(۱) بحوالہ ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم جلد ۱۰، شمارہ ۶ تا ۸ مشترکہ بابت ماہ ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۰۷ھ بمطابق دسمبر ۱۹۸۶ء، جنوری، فروری ۱۹۸۷ء۔

پھر آپ ﷺ نے چند گناہوں کا تذکرہ بھی فرمایا۔ اور فرمایا "یہ وصیت اللہ تعالی کی طرف سے بندوں کے لئے رحمت بن کر نازل ہوئی ہے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے قیامت کی چند نشانیاں ذکر کیں، اور پھر فرمایا:

"شیخ احمد لوگوں تک یہ نصیحت (وصیت) پھیلا دو، جو کہ درحقیقت لوح محفوظ سے اتاری گئی ہے، جو لوگ اس وصیت کو لکھ کر قریہ قریہ اور شہر شہر پھیلائیں گے وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ اسے نہ لکھیں گے اور نہ پھیلائیں گے، وہ روز محشر میری شفاعت سے محروم رہیں گے۔ اس وصیت کو عام کرنے والے غربت سے امیری، قرض سے چھٹکارا، اور گناہوں سے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے والدین کیلئے بھی معافی حاصل کر لیں گے۔ لیکن اس وصیت سے گریز کرنے والے حضرات نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی منہ کی سیاہی کے علاوہ کچھ نہ حاصل کر سکیں گے۔"(۱)

یہ ہے خلاصہ اس وصیت کا جسے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور موقع بموقع منظر عام پر لایا جاتا ہے، اور اس وصیت کے حامل شیخ احمد کی طرف یہ بات بھی منسوب کی گئی ہے، کہ انہوں نے تین دفعہ اللہ کی قسم کھانے کے بعد کہا: کہ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، وہ سچ ہے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو غیر مسلم کی موت مروں۔ اور جو لوگ اس وصیت پر ایمان نہ رکھیں وہ کافر ہیں۔

اس وصیت نامہ یا خواب کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا تعین کرنے سے پہلے انگریزی وصیت نامے پر نظر ثانی اور مسلم لیڈر کی طرف سے اس کی تردید کے الفاظ کو پیش نظر رکھ کر اندازہ فرمائیں، کہ ہمارے یہاں یہ کیسی عجیب صورت حال ہے، کہ ہم

---

(۱) بحوالہ مدینہ کے شیخ احمد کے خواب کی حقیقت، از شیخ ابن باز طبع دار الافتاء اردو انگریزی اور عربی ایڈیشن۔ اس کے انگریزی ایڈیشن کا نام ہے:

A SLANDER AGAINST THE HOLY PROPHET اور عربی ایڈیشن کا عنوان ہے:

تکذیب الرؤیا المزعومہ۔

خود اپنے دین و مذہب کے ساتھ جو بھی سلوک کریں اسے تو برداشت کرلیا جاتا ہے۔ اور اگر وہی بات کوئی غیر مسلم کرے، تو ہماری غیرت ایمانی فوراً جوش میں آ جاتی ہے۔ کوئی پڑھا لکھا شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا، کہ خرافات و توہمات اور ضعیف الاعتقادی کی کتنی ہی باتیں ہیں۔ جو کہ آج ہمارے معاشرے کا جزو بن چکی ہیں۔ اور انہیں دین و ایمان سمجھ کر بجالایا جاتا ہے۔ اور اگر ویسی ہی کوئی بات کوئی غیر مسلم کہہ دے، تو ہم آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اسلام کی خالص تعلیمات کے خلاف کچھ کہنے یا لکھنے والے کے بارے میں یہ جذبہ بڑا مقدس و قابل قدر ہے۔ مگر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک غیر مسلم جیسی بات ہی ایک مسلمان بھی کرے تو اس کے خلاف زبان تک نہ ہلائی جائے؟ آخر ایمانی غیرت اور دینی حمیت کیلئے یہ دو پیمانے کیوں ہیں؟ مثال کے طور پر اس وصیت نامے کو ہی لے لیں، کہ جس انگریزی وصیت نامے کی مذمت کی گئی ہے، کہ جو اسے تقسیم کریگا۔ وہ دولت پائے گا، اور صحت مند رہے گا۔ اور جس وصیت نامے کی کاپیاں بنوا کر ہمارے مسلمان بھائی تقسیم کرتے ہیں۔ اس میں بھی یہ مذکور ہے کہ اسے تقسیم کرنے والے کو چودہ دن کے اندر اندر خوشی نصیب ہوگی۔ اسی طرح انگریزی وصیت نامے میں ہے کہ جو اس پر یقین نہ کرے گا اسے بدبختی بلکہ موت تک کا شکار ہونا پڑے گا۔ جب کہ اسلامی وصیت نامہ میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:

''ایک شخص نے اسے جھوٹا سمجھا تو اسے اپنے بیٹے سے ہاتھ دھونے پڑے''۔

بات دونوں طرف ایک ہی ہے۔ بس مشکل صرف یہ ہے کہ اسے عیسائی مشنری کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور اسے مسلمانوں نے ''عمل صالح'' کا درجہ دے لیا ہے۔ لہذا اس کی تردید و مذمت کر دی گئی۔ اور اسے تسلیم کرلیا گیا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی مرحوم نے ایمانی غیرت اور دینی حمیت کے شاید ان ہی الگ الگ۔

دو پیمانوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیا خوب کہا ہے ۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر　　جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر　　کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں !　　پرستش کریں شوق سے جسکی چاہیں
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں　　اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں　　شہیدوں سے جاجا کے مانگیں دعائیں
نہ توحید میں کچھ خلل اس سے آئے　　نہ اسلام بگڑے، نہ ایمان جائے

●●●

نام نہاد وصیت نامہ کے جھوٹ
ہونے کا سب سے بڑا ثبوت

مدینہ منورہ کے حرم نبوی کے ایک سابقہ خادم شیخ احمد کی طرف اس وصیت یا خواب کی جو نسبت کی گئی ہے، وہ سراسر جھوٹ ہے۔ اور اس بات کا سب سے پہلا اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ دور حاضر میں عالم اسلام کی ایک ممتاز شخصیت، مدینہ یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور دنیا کے سب سے بڑے تبلیغی و اشاعتی ادارے ''الرئاسۃ العامۃ لإ دارات البحوث العلمیۃ دالافتاء والدعوۃ والإ رشاد'' کے رئیس عام، وہ ادارہ کہ جس کی شاخیں پوری خلیج عرب، تمام مسلم ممالک حتی کہ غیر مسلم ممالک میں بھی موجود ہیں۔ اور صرف متحدہ عرب امارات میں اس ادارے کی تین شاخیں ام القیوین، دبی اور فجیرہ میں مصروف دعوت د ارشاد ہیں، جن میں نہ صرف یہیں، سینکڑوں دعاۃ و مبلغین تبلیغی فرائض ادا کر رہے ہیں۔ ایسے تمام اداروں کے مرکزی رئیس اور مسلمانوں کی بین الاقوامی تنظیم رابطہ عالم اسلام کے سربراہ مفتی عالم اسلامی سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے اس خواب کی پرزور تردید کی ہے۔ اور اسے جھوٹ قرار دیا ہے۔ اور اس موضوع پر ان کا مقالہ عربی میں ہے۔ جس کا انگلش ٹرانسلیشن اور اردو ترجمہ بھی رسالے کی شکل میں الگ الگ چھپ چکا ہے۔ اور اس تردید کو ہم سب سے بڑا ثبوت اس لئے کہہ رہے ہیں، کہ موصوف نے صرف عقلی و نقلی دلائل کی بنا پر ہی تردید نہیں کی، بلکہ واقعی انداز اختیار کیا ہے، کہ وہ خود مذکورہ شیخ احمد کے پسماندگان اور ان کے افراد خاندان میں سے بعض اقارب کی کھوج لگوا کر ذاتی طور پر ان سے ملے ہیں۔ اور اس وصیت نامہ یا خواب کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ جس پر انہوں نے صاف صاف جواب دیا۔ اور کہا کہ شیخ احمد کی طرف

وصیت کی نسبت بالکل جھوٹ ہے۔ اور انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

اندازہ فرمائیں کہ جب صاحب وصیت کے اپنے گھر والے اس وصیت نامہ کی نسبت کو ہی سراسر جھوٹ قرار دے رہے ہیں، تو اس وصیت نامے کی حقیقت کیا ہوگی؟ سوائے اس کے کہ کاپیاں تقسیم کرنے کے شوقین حضرات نے یہ بات گھڑ کر شیخ احمد کے کھاتے میں ڈال دی ہے، جب کہ وہ اس سے بری ہیں۔ کسی فطرت سلیم سے آراستہ بلکہ معمولی سوجھ بوجھ والے شخص کیلئے بھی صرف اتنا ہی کافی ہے، مگر صورت حال یہ ہے کہ اس کی کاپیاں بھی وقتاً فوقتاً تقسیم ہوتی ہی رہتی ہیں۔ لوگ اس وصیت نامہ کے فریب میں بری طرح مبتلا ہو چکے ہیں۔ اور یہ معاملہ بھی کسی غیر نبی یعنی شیخ احمد کی ذات تک نہیں بلکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے دامن مبارک تک بھی بات پہنچ رہی ہے۔ لہذا اس جھوٹ اور ملمع سازی کے پردہ کو بالتفصیل چاک کرنا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کی ذات گرامی کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرنا موجب جہنم ہے، جو کہ آپ ﷺ نے نہ فرمائی ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور سنن اربعہ سمیت اکیس مستند کتب میں چاروں خلفاء راشدین، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، ابن عباس، سلمان فارسی اور صہیب رومی سمیت چونسٹھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ایک متواتر حدیث میں ارشاد نبوی ہے۔

"من كذب علی متعمداً فليتبوأ مقعده من النار." (۱)

''جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے''۔

اس حدیث میں جان بوجھ کر نبی ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کا

(۱) الجامع الصغیر، سیوطی ۲/۶۴۱، ۶۴۲، طبع دارالفکر بیروت۔ بخاری مع الفتح ۱/۱۹۹/ ۲۰۳، مسلم مع النووی ۱/۶۶۔۷۰، ترمذی، حدیث ۲۶۵۹، ۲۶۶۰، ۲۶۶۱، ابن ماجہ، حدیث ۳۰ تا ۳۷۔ دارمی ۱/۷۶، ۷۷، ابوداؤد طیالسی مرتب، صحیح ابی داؤد (۳۱۰۲)، صحیح الجامع (۶۵۱۹) منحۃ المعبود للبناء ۱/۳۸، بزار ۱/۱۱۲، ۱۱۷۔

انجام بتایا گیا ہے۔ جبکہ مسند امام احمد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ارشاد نبوی کے الفاظ ہیں۔

"من كذب عليّ فهو في النار."(۱)

جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا، اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس دوسری حدیث کے الفاظ میں وضاحت آ گئی کہ جان بوجھ کر ہی نبی ﷺ کی طرف بات منسوب کرنا موجب جہنم نہیں، بلکہ مطلقاً جھوٹی بات کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا بھی موجب جہنم ہے۔ صرف اس حدیث رسول ﷺ کا ہی اثر تھا، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم روایت و بیان حدیث میں انتہائی محتاط رہتے تھے۔ اگر معاملہ نبی ﷺ کی طرف کسی بات کو منسوب کرنے کا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے پہلے پوری طرح یقین کے ساتھ مستحضر کرتے، اور پھر اسے بیان کیا کرتے تھے۔ اور ابن عدی اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے الکامل میں فرماتے ہیں:

"وقد تحرج قوم من أصحابه ﷺ خوفاً من الزيادة والنقصان فيما سمعوا منه، لئلا يكونوا داخلين في قوله صلى الله من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار."(۲)

اصحاب رسول ﷺ کی ایک جماعت نے آپ ﷺ سے حدیث بیان کرنے میں اس لئے گریز کیا ہے، کہ کہیں حدیث میں کمی بیشی نہ ہو جائے، تاکہ وہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے مصداق نہ ٹھہرے، کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: جو شخص مجھ پر عمداً جھوٹ بولتا ہے۔ اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اور علامہ ذہبیؒ نے ''تذکرۃ الحفاظ'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

(۱) الجامع الصغیر ۲/۶۴۲۔ ایضاً یہ حدیث ضعیف ہے۔ ضعیف الجامع (۵۸۳۰) اس لئے جھوٹ کو جان بوجھ کر جھوٹ بولنے پر محمول کیا جائے گا۔، دوسری صورت میں پہلی حدیث اس عام کو خاص کر دے گی۔ ارشاد۔

(۲) الکامل لابن عدی ۱/۱۵۔ دارالفکر طبع بیروت۔

کے بارے میں لکھا ہے، کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حدیث کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔(۱)

اور آگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ انہوں نے محدثین کے لئے نقل روایات میں تحقیق وتثبت کا طریقہ جاری فرمایا۔ اسی طرح امام حاکمؒ نے ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں حضرت صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی احتیاط قبول و بیان حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی ایک جماعت اور دیگر ائمہ اسلام کی ایک جماعت حدیث کے بارے میں چھان بین اور بحث و تحقیق کیا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ثابت ہو جاتی۔(۲)

اور علامہ ابن عبدالبر نے موطأ امام مالک کی شرح ''التمہید'' میں امام شعبہؒ کا واقعہ ذکر کیا ہے، کہ انہوں نے صرف ایک حدیث کی تحقیق کے لئے بصرہ سے مکہ، مکہ سے مدینہ اور مدینہ سے بصرہ تک کا سفر کیا، اور فرمایا: اگر میرے لئے اس قسم کی حدیث، رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہو جائے، تو مجھے یہ اپنے اہل وعیال اور مال حتی کہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔(۳)

یہ بات ذکر کرنے کے بعد علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

"هكذا يكون البحث والتفتيش."

بحث و تفتیش اسی طرح ہوا کرتی تھی۔

اور شعبہ رحمہ اللہ کا یہ طرز عمل تو معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اور ان جیسے دیگر محدثین (رحمہم اللہ) کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

"أمناء الله عز و جل على حديث رسوله ﷺ ثلاثة."(۴)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ۱/۲/۳ طبع دار احیاء التراث، بیروت۔

(۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۵۔ (۳) التمہید لابن عبدالبر ۱/۵۱ طبع مراکش۔

(۴) التمہید لابن عبدالبر ۱/۵۱ طبع مراکش۔

نبی ﷺ کی حدیث پر اللہ کی طرف سے تین محافظ ہیں۔ مالک بن انس، شعبہ بن حجاج اور یحیٰ بن سعید القطان رحمہم اللہ۔

مقدمہ صحیح مسلم اور سنن دارمی میں ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''بشیر عدوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر رسول اللہ ﷺ کی احادیث بیان کرنا شروع کر دیں۔ مگر انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی، تو وہ کہنے لگے، ابن عباس! کیا بات ہے؟ کہ میں آپ کو نبی ﷺ کی احادیث سنا رہا ہوں، مگر آپ سن نہیں رہے، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک وقت ایسا بھی تھا کہ جب کوئی قال قال رسول اللہ ﷺ کہتا، تو ہماری آنکھیں شوق سے اس طرف اٹھ جایا کرتی تھیں۔ اور ہم پوری توجہ سے اس کی بات سنا کرتے تھے۔ مگر جب سے لوگوں نے اچھا اور برا طریقہ اختیار کر لیا ہے، تب سے ہم ان سے وہی حدیث قبول کرتے ہیں جسے ہم جانتے ہوتے ہیں۔''(۱)

●●●

---

(۱) مقدمہ صحیح مسلم مع النووی ۱/۸۲،۸۱۔ دارمی ۱/۱۱۳، طبع دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

قبول وروایت حدیث میں
احتیاط کی ضرورت

شیخ احمد کے خواب یا نبی ﷺ کی طرف منسوب ایک نام نہاد وصیت نامہ کے تجزیہ کے سلسلہ میں قبول و روایت حدیث کے بارے میں صحابہ وتابعین کی احتیاط کے چند واقعات واقوال ذکر کئے جا چکے ہیں۔ اوراس موضوع کی قدرے طوالت کو ہم اسلئے گوارا کر رہے ہیں۔ اور آپ سے اسے گوارا کرنے کی امید رکھتے ہیں، کہ یہ بات ہی کچھ ایسی ہے۔ اور نبی ﷺ کی ذات گرامی کی طرف کسی بات کو منسوب کرنا کوئی معمولی چیز نہیں کہ جو چاہے جب چاہے کہہ دے، کہ نبی ﷺ نے یوں فرمایا ہے، کیونکہ یہ کوئی عام سا سلسلہ نہیں بلکہ شریعت کا معاملہ ہے، کہ جو بات آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو اس کے صحیح ثابت ہو جانے سے اس کی تعمیل جز وایمان بن جاتی ہے۔ اوراس کا انکار کفر کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ اور اگر ہر شخص کو اس بات کی کھلی اجازت مل جائے کہ جو چیز چاہے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر دے، تو پھر یہ شریعت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گی۔ انہی خدشات کے پیش نظر صیانت وحفاظت حدیث کیلئے صحابہ وتابعین اور ائمہ حدیث نے طول طویل سفر کئے، پیادہ پا ہزاروں میلوں کی مسافت طے کر کے ایک ایک حدیث کی تحقیق کی۔ اوراس تحقیق وتفتیش کی راہ میں بھوک اور پیاس برداشت کی۔ اموال صرف کئے، اور جانیں جوکھوں میں ڈالیں۔ کھانے کی جگہ پتے کھا کھا کر گزارہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں بول وبراز کی جگہ خون اور مینگنیاں آنے لگیں۔

اس سلسلہ میں علماء وائمہ حدیث نے جو محنتیں کیں، اور مشقتیں برداشت کیں، ان واقعات کو بیان کرنے کی بجائے ہم چاہیں گے کہ اردو داں طبقہ کم از کم

مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کی کتاب ''علماء سلف اور نابینا علماء'' ہی کا مطالعہ کرے۔ ورنہ تو اور بھی کئی کتب اور خصوصاً عربی میں تو بے شمار مجموعے موجود ہیں۔ جن میں سینکڑوں واقعات ایسے ملیں گے، کہ پڑھنے والا سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے، کہ ہمارے علماء سلف انسان تھے یا کوئی سپر نیچرل چیز، کہ ان کے حسین نامۂ اعمال میں سے صرف تحقیق وتفتیش حدیث اور حصول علم کے واقعات ہی عقل کو دنگ کر دیتے ہیں۔

اور خاص بیان وروایت حدیث کے سلسلہ میں تو وہ بڑی احتیاط برتا کرتے تھے، کہ بیان میں کہیں سرمو فرق نہ آجائے۔ سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور الکامل لابن عدی میں منقول ہے، حضرت امام ابن سیرینؒ سے کہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بہت کم حدیث بیان کرنے والے تھے اور (بلا کا حفظ واتقان ہونے کے باوجود آخر میں) فرمایا کرتے تھے ''أو کما قال ''(۱) جس سے ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ میں نے جو حدیث بیان کی ہے۔ نبی ﷺ نے بعینہٖ یہی فرمایا تھا۔ اور اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہے تو وہ میری طرف سے ہے، اور لفظی ہے۔ ورنہ مراد یہی تھی۔ تاکہ کہیں آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ اور مذکورہ تینوں کتب کے مذکورہ مقامات پر ہی حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ کا بیان منقول ہے کہ میں ہر جمعرات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ جب وہ نبی ﷺ کی کوئی حدیث بیان کرتے، تو ان کی رگیں پھول جاتیں، اور آخر میں وہ کہا کرتے تھے، کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

"أودون ذلك أو فوق ذلك أو قريب من ذلك أو شبيهٌ بذلك."(۲)

یا اس کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی۔

(۱) سنن ابن ماجہ ۲۳، ۲۴، سنن دارمی ۱/۸۳، ۸۴، الکامل لابن عدی ۱/۳۲۔
(۲) سنن ابن ماجہ ۲۳۔۲۴، سنن دارمی ۱/۸۳۔۸۴، الکامل لابن عدی ۱/۳۲۔

بیان حدیث کی طرح ہی قبول حدیث میں بھی صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ نقل و روایت یا بیان حدیث کے سلسلہ میں ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ بہت ہی عبرت انگیز ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی، ابن ماجہ اور الادب المفرد امام بخاری میں ہے کہ:

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے گھر آنے کی اجازت طلب کی۔ مگر انہیں اجازت نہ دی گئی۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی طرح مشغول تھے۔ حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ واپس لوٹ گئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب فارغ ہوئے تو فرمایا: لگتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن قیس یعنی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کی آواز سنی ہے، انہیں اندر آنے کو کہو۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ تو جا چکے ہیں۔ تب حضرت فاروقؓ نے پیغام بھیج کر منگوایا، تو انہوں نے بتایا کہ ہمیں نبی ﷺ کا یہی حکم ہے، کہ تین مرتبہ اجازت طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملے، تو ہم واپس لوٹ جائیں۔ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر یہی بات ہے تو:

"أقم عليه البينة." اس پر گواہی پیش کرو۔

''حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اٹھا اور جا کر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی، کہ میں نے بھی نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے''۔(۱)

جب کہ بخاری و مسلم اور الادب المفرد کی دوسری حدیث میں ہے: حضرت ابوموسی اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر فاروق سے تین مرتبہ اجازت طلب کی۔ اجازت نہ ملی تو واپس ہوا۔ انہوں نے پیغام بھیج کر مجھے بلایا۔ واپسی کا سبب دریافت

---

(۱) بخاری کتاب الاستیذان ، باب التسلیم والاستیذان ثلاثا۔ مسلم حدیث ۳۳ تا ۳۷، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، کتاب الأدب، الادب المفرد ص ۴۶۷، ۴۶۸، طبع ادقاف، الامارات، مشکاۃ الالبانی، ۳/۱۳۲۳، صحیح ابی داؤد، (۴۳۱۳)۔ بخاری حدیث (۶۲۴۵) (۷۹۸۱) صحیح الترمذی (۲۱۶۴)، ابن ماجہ (۳۷۰۶)۔

کیا، تو بتایا کہ نبی ﷺ کا یہی حکم ہے، تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لئن لم تأتني علىٰ هذا ببينة لأجعلنك نكالًا."

اپنی اس بات پر گواہی لاؤ۔ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ میں وہاں سے نکل کر مسجد میں موجود انصار کے ایک اجتماع میں آیا۔ اور واقعہ کہا۔ تو ان میں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ یا حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ میرے ساتھ آئے، اور آکر بتایا کہ ہم ایک مرتبہ نبی ﷺ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، نبی ﷺ نے تین مرتبہ بلند آواز سے سلام کہا، جو کہ طلب اجازت کا ذریعہ ہے، مگر اندر سے اجازت نہ ملی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہم پر جو واجب تھا وہ ہم نے پورا کردیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی واپس ہوگئے۔ اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو لوٹتے دیکھا، تو فرمایا: اے اللہ کے رسول! قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ (ﷺ) نے جتنی مرتبہ بھی سلام کہا، میں اسے سنتا تھا۔ اور جواب بھی دیتا تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ (ﷺ) مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر زیادہ مرتبہ سلام کہیں۔ اس غرض سے بلند آواز سے جواب نہیں دیتا تھا۔ تب حضرت فاروقؓ سے مخاطب ہوکر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں حدیث رسول ﷺ کو بیان کرنے کے سلسلہ میں پوری طرح امانتدار ہوں، تو حضرت فاروقؓ نے فرمایا، بجا کہتے ہو۔ لیکن میں یہ چاہتا تھا کہ حدیث اچھی طرح ثابت ہوجائے۔ (۱)

یہ ہیں حدیث رسول ﷺ کے معاملہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ اسلام رحمہم اللہ کی چھان بین اور احتیاط کی چند مثالیں، مگر آج ہمارا حال بالکل نرالا اور ان کے برعکس ہے۔ ہم کسی حدیث کے بارے میں تحقیق اور اس کے صحیح یا ضعیف یا موضوع اور من گھڑت ہونے کی چھان بین تو کیا کریں گے، کہ یہ کام

---

(۱) بخاری (۲۰۶۲)، کتاب البیوع باب الخروج فی التجارۃ، مسلم کتاب ۳۸ آداب حدیث ۳۶۔ الأدب المفرد، ص ۲۷۱-۲۷۴ طبع اوقاف دولۃ الإمارات العربیۃ المتحدہ۔

ہمارے اسلاف ہی کر گئے ہیں۔اور علماء اصول حدیث نے ایسے ایسے قواعد وضع کئے ہیں، کہ نبی ﷺ حتی کہ صحابہؓ وتابعینؒ اور تبع تابعینؒ کی طرف منسوب کی جانے والی ہر بات کو ان قواعد پر پرکھا جا سکتا ہے۔ اور پھر یہ کام بھی ہمارے محدثین کرام کر گئے ہیں۔ہمیں صرف ان کی محنتوں پر نظر پھیرنے سے معلوم ہوسکتا ہے، کہ فلاں حدیث صحیح وحسن یا ضعیف ومن گھڑت ہے۔مگر اس معاملہ میں بھی ہم تنزل وانحطاط کی اس منزل تک پہونچ چکے ہیں کہ خود دیکھنا تو درکنار، اگر ہمیں کوئی شخص یا حوالہ یہ بتا بھی دے، کہ فلاں حدیث صحیح نہیں، فلاں واقعہ جعلی ومن گھڑت ہے، تو ہم اس بات کو قبول کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہوتے اور اپنے باپ دادوں یا خالہ پھوپھی کی سنائی ہوئی کہانیوں سے صرف نظر کرنے کو تیار نہیں ہوتے، بلکہ انہیں مزید چھاپ چھاپ کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کرتے جانے میں سعادت وبرکت سمجھتے ہیں۔

شیخ احمد کا خواب یا وصیت نامہ

شیخ احمد کے نام نہاد وصیت نامہ یا خواب کی حقیقت واضح کرنے کے لئے قبول وروایت حدیث کا معیار اور اس سلسلہ میں صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ اسلام کی احتیاط اور بحث وتحقیق کے بعض نمونے پیش کئے جا چکے ہیں۔ان کو ذرا اپنے ذہن میں حاضر کریں اور اندازہ فرمائیں کہ ایسے خود ساختہ معجزات، وصیت ناموں اور خوابوں کا دین میں داخل ہوجانا اور لوگوں کا دیوانہ وار ان کی فوٹو کاپیاں تقسیم کرتے جانا، اور اپنے مقدر سنوارنا، یا مصائب ومشکلات سے نجات حاصل کرنے کا عقیدہ بنالینا، کیا محض اس سبب سے تو نہیں کہ ہم نے کبھی کسی چیز کے بارے میں یہ کوشش ہی نہیں کی، کہ زیادہ نہیں تو نہ سہی، کچھ نہ کچھ ہی تحقیق وتفتیش کرلیا کریں۔یا کم از کم اہل علم سے اتنا تو دریافت کرلیا کریں، کہ آیا فلاں چیز قرآن وسنت یا اجماع صحابہؓ سے ثابت بھی ہے یا نہیں؟ کیا یہ چیز مستند کتب حدیث میں سے کسی میں سند کے ساتھ مذکور

بھی ہے یا نہیں؟ اور اہل فن حدیث، محدثین نے اسے صحیح یا حسن بھی قرار دیا ہے۔ یا نہیں؟ یا کہ ہم خوش عقیدگی میں بے اصل، لایعنی، موضوع، باطل اور من گھڑت روایات کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے بیٹھے ہیں؟ آج جس طرح اشیائے استعمال میں ریڈی میڈ کا رواج عام ہو چکا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دینی امور بھی ہمیں اسی نہج پر ملتے رہیں۔ اور ہم اپناتے جائیں۔ ہمیں ہاتھ ہلا کر قرآن کریم یا سنن مصطفیٰ ﷺ کو بیان کرنے والی کتب حدیث کا ورق کھولنے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔ اور نہ ہی چار قدم چل کر یا کسی دوسرے طریقہ سے معتبر علماء دین سے کچھ پوچھنے کی زحمت اٹھانا پڑے۔ بس لیٹر بکس میں جو فوٹو کاپی آئی، اسے پڑھا اور یہ عقیدہ بنالیا کہ قسمت بنانے کا موقع ہاتھ آ گیا ہے۔ اور مصائب و مشکلات کے حل کا گر مل گیا ہے۔ چلئے بنایئے، اس کی دس بیس فوٹو کاپیاں، اور دس بیس اور مسلمانوں کو پریشان کر دیجئے۔ اسی میں دنیا کی دولت بھی ہے، اور اسی میں آخرت کی نجات کے وعدے بھی مذکور ہیں۔

کم عملی یا بے عملی بلکہ قحط عمل تو ویسے ہی آج کے دور میں عام ہے۔ ان فوٹو کاپیوں نے ہمارے بھائی لوگوں کو اور بھی دلیر کر دیا ہے، کہ جسے صرف ایک پرزے پر، ایمان لانے اور چند کاپیاں بنوا کر تقسیم کر دینے سے جنت تک مل جانے کے وعدے ہوں، اسے بھلا کیا پڑی ہے، کہ احکام دین کی ادائیگی کے لئے وقت نکالتا پھرے؟

اور مذکورہ وصیت نامہ یا خواب، ان مفاسد کے علاوہ ایک قابل ذکر تناقض یا تضاد یا اختلاف پر مشتمل ہے۔ اور وہ یوں کہ اس کے متعدد نسخوں میں سے کسی میں تو یہ مذکور ہے، کہ میں جمعہ کی ایک رات تلاوت قرآن میں مشغول تھا، اور سونے سے قبل مجھے رسول اللہ ﷺ دکھائی دیئے۔

ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب کا واقعہ نہیں، بلکہ سونے سے سے قبل جاگتے ہی یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ جب کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ شیخ احمد کے خواب میں آئے، اور یہ وصیت فرمائی''۔(۱)

سچ ہے ''دروغ گورا حافظہ نباشد''

یا ''جھوٹ کے پاؤں کہاں؟''

شیخ احمد کے اقارب تو صاف انکار کر چکے ہیں کہ یہ وصیت یا خواب زندگی میں انہوں نے کبھی کسی کو نہیں بتائی۔تو ظاہر ہے کہ کسی ہما شما نے ان کی طرف منسوب کردی ہے اور نسبت کرتے وقت اور پھر اسے عام کرتے وقت کبھی کہہ دیا، کہ خواب میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔اور کبھی جاگتی آنکھوں سے خواب دیکھنے والی بات کہہ دی، حالانکہ ہوش کے عالم میں نبی ﷺ کو آپ ﷺ کی رحلت کے بعد دیکھنا، یا اس کا دعوی کرنا، قرآن کریم کی صریح نصوص، احادیث رسول ﷺ اور جمہور علماء کے اتفاق کے منافی ہے۔اور ایسے دعوے کرنے والا شخص خود صحابہؓ و تابعینؒ اور سلف صالح کے راستہ سے ہٹا ہوا شمار ہوگا۔

خواب میں زیارت مصطفےٰ ﷺ

رہا عالم رؤیا یا خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کا نصیب ہونا، تو یہ بہت بڑی سعادت ہے۔اور ممکن و جائز بھی ہے۔اور حدیث شریف کی رو سے یہ بھی حقیقت ہے، کہ جس نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی، اس نے آپ ﷺ ہی کی زیارت کی، کیونکہ دیگر لوگوں کی شکل تو شیطان بھی اختیار کر لیتا ہے۔مگر نبی ﷺ کی شکل وہ ہرگز اختیار نہیں کر سکتا ہے۔جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری و مسلم، ابو داؤد، سنن و شمائل ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ،، ابو سعید، جابر، اور انس رضی اللہ عنہم سے

---

(۱) انظر تکذیب الرؤیا المزعومہ لا بن باز۔

مروی ارشادات نبوی میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ جن میں سے صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ہے:

"من رآني فقد رأى الحق فإن الشيطان لا يتزى بي."(۱)

''جس نے مجھے دیکھا اس نے حقاً مجھے ہی دیکھا، کیونکہ شیطان میرے بھیس کو اختیار نہیں کر سکتا''۔

اور صحیح بخاری، شمائل ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی ہے:

"من رآني في المنام فقد رآني فإن الشيطان لا يتمثل بي." (۲)

''جس نے خواب میں مجھے دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا''۔

حب کہ صحیح مسلم و ابن ماجہ اور مسند احمد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ارشاد نبوی کے الفاظ ہیں:

"من رآني في المنام فقد رآني إنه لا ينبغي للشيطان أن يتمثل في صورتي."(۳)

''جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ یونکہ کہ شطان میری صورت میں ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتا۔''(۴)

اور نبیٔ اکرم ﷺ کو عین حیات بحالت خواب دیکھ لینا تو شرف صحابیت کا

---

(۱) بخاری (۶۹۹۶) ۱۲/۴۰۰، مسلم مع نووی ۸/ ۱۵/ ۲۶، مختصر الشمائل (۳۴۸) مسند احمد ۵/ ۳۰۶، داری ۲/ ۱۲۴، بحوالہ تحقیق مختصر الشمائل المحمد یہ للألبانی ص ۲۰۹۔

(۲) بخاری (۶۹۹۴) ۱۲/ ۳۹۹۔ شمائل حدیث (۳۴۹)۔

(۳) مسلم مع نووی ۱۲/ ۱۵/ ۲۶، ابن ماجہ (۳۹۰۲)۔

(۴) انظر روایاتھم فی صحیح الجامع الصغیر للألبانی ۳/ ۵/ ۲۹۳-۲۹۴

باعث تھا۔ جبکہ آج آپ ﷺ کو کسی کا بحالت خواب دیکھ لینا بھی باعث سعادت ہے۔ کیونکہ صحیح بخاری ومسلم اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادرسالت مآب ﷺ ہے:

"من رآني في المنام فسيراني في اليقظة ولا يتمثل الشيطان بي "(۱)

" جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ مجھے عالم ہوش میں بھی دیکھے گا، اور شیطان میرا بھیس بنا کر نہیں آسکتا"۔

آپ ﷺ کا یہ بشارت دینا کہ وہ شخص مجھے عالم ہوش میں بھی دیکھے گا۔ یہ زیارت بروزمحشر اور پھر جنت میں ہوگی۔ لہذا اس بشارت میں جس بات کا وعدہ ہے، اسے پانے کے لئے اس شخص کو چاہئے کہ گناہوں اور شرک وبدعات کی زندگی کو خیر باد کہے۔ قرآن وسنت سے ثابت شدہ مسنون اعمال میں اپنے شب وروز گذارے اور نیم شبی میں یہ دعائیں کرے کہ اللہ تعالی اسے نیک ومسنون عمل کی توفیق مزید سے نوازے۔ اس کے اعمال کو فخر وریا کاری سے محفوظ رکھے، اور انہیں شرف قبولیت سے نوازے، کہ یہی ایک ذریعہ ہے، روزمحشر اور جنت میں دیدار مصطفےٰ ﷺ کے حصول کا۔ اور یہ نظریہ ہرگز نہیں بنالینا چاہئے، کہ اب چونکہ خواب میں مجھے آپ ﷺ کی زیارت ہوگئی ہے، لہذا مجھ پر جنت واجب ہوگئی ہے۔

کیونکہ اگر یہی کافی ہوتا تو پھر آپ ﷺ اپنی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، سارے خاندان وقبیلہ کے افراد اور خاص اپنی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو یہ نہ فرماتے: کہ اپنے آپ کو (اعمال صالحہ کے ذریعے) آگ سے بچالو، میں قیامت کے دن اس سلسلہ میں تمہارے کسی کام نہیں آسکوں گا۔ جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث کے

(۱) بخاری (۶۹۹۳)، مسلم مع نووی ۸/۱۵/ ۲۵۔۲۶، ابن ماجہ (۳۹۰۴)، ولکن عن ابی جحیفۃ وفیہ "فکأنما رآنی فی الیقظۃ"، صحیح ابی داؤد، حدیث (۴۲۰۱)۔

حوالہ سے پوری تفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔اور خاتمہ بخیر کی دعا کرنا چاہیئے۔ورنہ وہ واقعات آپ سن چکے ہیں کہ خادم رسول ﷺ جس نے عالم ہوش وایمان میں آپ ﷺ کی خدمت کی، مگر غلول یا مال غنیمت سے خیانت کے باعث اہل جہنم میں سے ہو گیا۔

کسی کو خواب میں آپ ﷺ کا نظر آجانا سعادت ہے۔اور یہ سعادت اس سے مطالبہ کرتی ہے کہ پہلے سے بہت زیادہ عمل صالح میں لگ جائے، اور آپ ﷺ کی اس بشارت کے پورا ہونے میں سعی وعمل کا راستہ اختیار کرے۔اور یہاں یہ نقطہ بھی ذہن میں رکھیں کہ انبیاء ورسل کے خواب تو حجت ہوتے ہیں۔مگر کسی بھی دوسرے کا خواب دین میں حجت کی حیثیت نہیں رکھتا۔

جب کسی غیر نبی کا خواب دین میں کوئی حجت نہیں ہوتا، تو پھر کسی شیخ احمد کا نبی ﷺ کی طرف ایک بات کو منسوب کرنا اصول حدیث کے قواعد کی رو سے بھی نا قابل قبول ہے۔ یہ تو ایک مجہول شخص شیخ احمد کی بات ہے، جس کی دینداری اور امانت بھی غیر معروف ہے۔جبکہ ایسی بہت سی روایات ہیں، جن کی نسبت پوری سند کے ساتھ نبی ﷺ کی طرف کی گئی ہے، کہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں یہ بات فرمائی ہوگی، مگر وہ صرف اس بنا پر نا قابل قبول اور نا قابل استدلال قرار دی گئی ہیں، کہ ان کو بیان کرنے والے لوگ قابل اعتماد نہیں، اور اس معیار تدین اور امانتداری پر پورے نہیں اترتے، جو قبول روایات کے لئے ضروری ہیں۔بعض روایات اس وجہ سے ترک کر دینے کے قابل قرار دی گئیں، کہ وہ بعض ایسی احادیث صحیحہ سے متصادم ہیں۔اور ٹکراتی ہیں۔ جو ان سے بھی زیادہ معتبر ذرائع سے منقول ہیں۔ یہ اصول حدیث کے بارے میں فنی امور کی باتیں ہیں۔لہذا ہم ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔بلکہ اسی قدر کہنے پر اکتفاء کرتے ہیں، کہ ایک مجہول شخص کا قوت حافظہ اور

امانت بیان اور دینداری کے مطلوبہ معیار کے حساب سے بھی یہ جواب ناقابل استدلال ہے۔اسی طرح اس خواب اور نام نہاد وصیت میں بعض ایسے امور کا تذکرہ بھی آ گیا ہے، کہ جو قرآن وسنت کی صریح وصحیح نصوص کے خلاف ہے۔

مثلاً یہ کہ اس وصیت کو عام کرنے والے غربت سے امیری، قرض سے چھٹکارا، اور گناہوں سے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے والدین کے لئے بھی معافی اور جنت حاصل کرے گا۔ اور وصیت سے گریز کرنے والے حضرات نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی منہ کی سیاہی (اور جہنم) کے علاوہ کچھ نہ حاصل کر سکیں گے۔

اندازہ فرمائیں کہ سورۂ مائدہ کی آیت ۳ ﴿الیوم أکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناً ﴾تو چودہ سو سال قبل نازل ہوئی، اور اللہ تعالی نے اس وقت اپنے نبی ﷺ کی امت کے تمام افراد کو بتا دیا، کہ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ہے۔ اور تمہارے لئے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمالیا ہے۔ مگر اس وقت تو آپ ﷺ نے کاغذ کی کاپیاں تقسیم کرنے پر جنت روانہ کرنے اور نہ تقسیم کرنے پر جہنم کی بات نہیں فرمائی تھی جو چودھویں صدی میں آ کر آپ ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں، اور آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت وسچائی کا ایک ثبوت آپ ﷺ کی پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ وہ بھی پڑھ جائیں ان میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملتی، کہ آپ ﷺ نے اس وصیت کے تقسیم کئے جانے کی اس وقت کم از کم پیشین گوئی فرمائی ہو۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اس وصیت کو وضع کرنے والا شخص اسے قرآن کریم سے بھی افضل قرار دے رہا ہے، کہ جو بھی اس کی کاپیاں بنا کر پھیلائے گا وہ جنت میں، اور جو ایسا نہ کرے گا وہ بروز محشر نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم اور روسیاہ ہوگا۔ یہ الفاظ مذکورہ خواب یا وصیت نامے کے غلط اور بناوٹی ہونے کا کھلا ثبوت ہیں۔ کیونکہ جعلی امور کے حامل اس کاغذ کو عام کرنا تو کجا؟ اگر کوئی شخص آخری آسمانی کتاب قرآن کریم کو بھی لکھ

لکھ کر اور چھاپ کر پھیلاتا رہے، وہ اس وقت تک ان تمام انعامات کا مستحق نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ خود تعلیمات قرآن پر عامل نہ ہو۔ اور جو لوگ قرآن کریم کو لکھ کر نہیں پھیلاتے، وہ بھی قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت سے محروم نہیں ہوں گے۔ بشرطیکہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوں اور شریعت کے پابند ہوں۔

ان امور کو ذہن میں رکھ کر اندازہ کریں کہ اس وصیت کو جوڑنے والے شخص نے اسے تو قرآن کریم سے بھی افضل و مقدس بنا دیا ہے، صرف اتنی سی بات ہی اس مزعومہ وصیت کے باطل ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

اور ایک ہفتہ کے دوران ایک لاکھ ساٹھ ہزار آدمیوں کے غیر مسلم کی حیثیت سے مرنے کی بات علم غیب سے تعلق رکھتی ہے، جو کہ قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث رسول ﷺ کی رو سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اور نبی ﷺ نے تو اپنی زندگی میں بھی علم غیب کا کبھی دعویٰ نہیں فرمایا۔ لہذا یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے، کہ آپ ﷺ نے رحلت فرما جانے کے بعد اس خاصۂ الٰہی کا اپنے لئے دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ آپ ﷺ کی رحلت کے بعد پیش گوئیوں کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ تو پھر یہ تعداد کس نے کیسے مقرر کی ہے؟

اور اس وصیت کو گھڑنے والے نے کمزور عقیدہ لوگوں کو بہکانے کا ایک شاطرانہ حل یہ نکالا کہ کہہ دیا: ''جو اس کی تصدیق کرے گا، آگ کے عذاب سے محفوظ رہے گا، جو اسے جھٹلائے گا، کافر قرار پائے گا''۔

یہ دعویٰ اللہ پر جھوٹ باندھنے کا ایک شاہکار نمونہ ہے جسے عقائد اسلامیہ کی معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ نجات و کفر کا معیار یہ کاپیاں تقسیم کرنا ہے، یا کہ کوئی دوسرا ہے؟

اور مزعومہ وصیت نامہ میں منکرات اور برائیوں کے عام ہونے کا جو ذکر ہے، تو یہ بلاشبہ صحیح ہے۔ مگر اس کیلئے ہمیں کسی کاغذ کی فوٹو کاپیاں تقسیم کرنے کی

ضرورت نہیں۔ قرآن کریم اور حدیث رسول ﷺ میں برائیوں سے بچنے پر بار بار زور دیا گیا ہے، اور ہدایات وراہنمائی کے لئے قرآن وسنت ہی کافی ہیں۔ ایسے جعلی ''نسخوں'' کے ہم محتاج نہیں ہیں۔ ایسے ہی اس میں قیامت کی بعض نشانیاں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ جب کہ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں۔ قرآن وسنت میں ان کی پوری تفصیلات آ چکی ہیں۔ لہٰذا ہمیں کسی ایسے کاغذ کی ضرورت نہیں جس میں حق کے ساتھ باطل کی بھی آمیزش کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اب رہا شیخ احمد کی طرف اس بات کا منسوب کیا جانا، کہ انہوں نے تین دفعہ اللہ کی قسم کھا کر کہا، کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ سچ ہے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو غیر مسلم کی موت مروں۔ تو یہ دراصل اپنے جھوٹ کی ترویج کا سستا ذریعہ بنایا گیا ہے، اور جب اتنی بڑی بڑی باتیں مقدس رسول ﷺ کی طرف منسوب کر دیں، تو یہ قسم شیخ کی طرف منسوب کرنا، ایسے شخص کیلئے کون سی بڑی بات ہے۔ اور پھر ہر خیر خواہی جتانے اور ہر قسم کھانے والے کا سچا ہونا بھی کوئی ضروری نہیں، کیونکہ شیطان کی چالیں بھی بڑی سخت ہوتی ہیں۔ وہ تو بڑے بڑے پارساؤں حتی کہ پیغمبر اور فرزندان پیغمبر کو بہکانے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ ظاہر میں سچی خیر خواہی اور باطن میں دشمنی کی مثال دیکھنا ہو تو قرآن کریم کے بارہویں پارہ میں سورۂ یوسف کھول کر دیکھیں، کہ برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو کن کن سچی خیر خواہیوں کے دعووں سے رام کیا۔ اور یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کے لئے راضی کیا۔ پھر بھیڑیئے کی داستان گھڑ کر کس طرح انہیں یقین دلانا چاہا، کہ شکار کے دوران انہیں وہ اٹھا لے گیا۔ حالانکہ انہوں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے کنویں میں ڈالا تھا۔ اور اپنی بات کا وزن بنانے کے لئے قسمیں کھانے والوں کی مثال دیکھنا ہو، تو سورۂ اعراف میں مذکور حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا واقعہ پڑھ کر دیکھیں، کہ وہ بھی کسی کی قسموں اور خیر خواہی کے دعووں میں آ گئے تھے۔ شیطان نے ان سے کہا تھا:

﴿ما نهاكما ربكما عن هذه الشجرة إلا أن تكونا ملكين أو تكونا من الخلدين﴾

تمہارے رب نے تمہیں جو اس درخت سے روکا ہے، اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں کہیں ہیشگی کی زندگی نہ حاصل ہو جائے۔

اور پھر سورۂ اعراف کی ہی آیت ۲۱ میں ہے:

﴿وقاسمهما إني لكما لمن النصحين﴾

''اور اس نے قسم کھا کر ان سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں''

الغرض شیطان اور اس کے چیلے، لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ہمیشہ سے جھوٹی قسمیں کھاتے چلے آئے ہیں۔ اور آج کل خلیج میں ایک اور ''کاغذ'' بھی ''دریافت'' ہوا ہے۔ جس میں چند اسماء حسنی اور بعض دعائیں مذکور ہیں۔ اور اس کی بھی تیں کا پیاں تقسیم کرنے کا ''حکم'' ہے۔ اور خیرات و برکات کے نزول کا وعدہ، بصورت دیگر عذاب وعقاب کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ (۱)

جن کے بارے میں مزید کچھ کہنا تحصیل حاصل ہوگا۔ جس کی ضرورت نہیں۔

ماہ شعبان کے روزے

ماہ شعبان سے متعلقہ بعض موضوعات کی وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں کون کون سے اعمال مسنون ہیں۔ اور وہ کون سے افعال ہیں جو نہ صرف یہ کہ مسنون نہیں بلکہ بدعات ہیں۔ اس طرح اس ماہ کی درمیانی رات یعنی

---

(۱) بحوالہ ماہنامہ الفرقان قبرص (سائپرس) وایضاً کویت، جلد اول شمارہ دوم بابت رجب ۱۴۰۹ھ، فروری ۱۹۸۹ء، ص ۵۸، بعنوان ''ضلالات باسم الدین''۔

نصف شعبان کی رات کی حقیقت کیا ہے؟ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے اور اس رات میں جو ایک مخصوص نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس رات جو آتش بازی اور چراغاں کی جاتی ہے اس کا آغاز و اسباب تو ہم پہلے ہی ''شب معراج'' کے ضمن میں ذکر کر چکے ہیں۔ لہذا انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

البتہ دیگر امور کے سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ اس ماہ کے کسی خاص دن کو مقرر کئے بغیر اس میں بکثرت نفلی روزے رکھتے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم اور سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"كان رسول الله ﷺ يصوم حتى نقول لا يفطر، ويفطر حتى نقول لا يصوم، ومارأيت رسول الله ﷺ استكمل شهراً قط إلا رمضان و مارأيته في شهرٍ اكثر منه صياماً في شعبان."(۱)

نبی ﷺ (نفلی) روزے اس کثرت سے رکھتے کہ ہم کہتے کہ شاید آپ ﷺ کسی دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑیں گے، اور کبھی مسلسل روزے نہ رکھتے تو ہم سمجھتے کہ آپ ﷺ کبھی (نفلی) روزے نہیں رکھیں گے، اور میں نے آپ ﷺ کو کسی بھی ماہ کے مکمل روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے رمضان کے۔ اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان سے زیادہ کسی ماہ کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

اس موضوع کی احادیث صحاح و سنن میں بکثرت ہیں۔ جن میں سے بعض میں تو "كُلّه" کے الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے۔ مگر اس کل سے مراد اکثر ہے نہ کہ مکمل مہینہ۔

کیونکہ صحیح مسلم اور نسائی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

---

(۱) متفق علیہ واللفظ لمسلم، بلوغ المرام مع سبل السلام طبع بیروت ۱/۲/ ۱۶۷، ۱۶۸، بخاری (۱۹۶۹) ۴/۲۵۱، مسلم مع نووی ۴/ ۸/ ۳۷، صحیح الترمذی (۶۱۵)، صحیح النسائی (۱۳-۲۲۱۵)، ابن ماجہ (۱۷۱۰)، جامع الأصول ۷/ ۲۰۷، طبع اول، تیسیر الوصول ۱/ ۳۵۳ وقال رواہ الستۃ، بخاری مع الفتح ۴/ ۲۱۳، طبع دار الافتاء۔

"ولاصام شهراً كاملاً قط منذ قدم المدينة غير رمضان."(۱)

نبی ﷺ جب سے مدینہ طیبہ آئے سوائے رمضان کے کسی ماہ کے پورے روزے کبھی نہیں رکھے۔

اورعربوں میں ویسے بھی اکثر پر کل کا لفظ بولا جانا معروف ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ نے ابن المبارکؒ سے نقل کیا ہے:

"وهو جائز فی کلام العرب إذا صام أكثر الشهر أن يقول صام الشهر كله."(۲)

کلام عرب میں یہ جائز ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ماہ کے اکثر دنوں کے روزے رکھے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے سارے ماہ کے روزے رکھے۔

اور یہ بات تقریبا ہر زبان میں ہی معروف ہے، اور صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے:

"ما صام النبی ﷺ شهراً كاملاً قط غير رمضان."

نبی ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے روزے کبھی بھی پورے نہیں رکھے۔

اور اسی حدیث شریف میں آپ ﷺ کے نفلی روزوں کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"و يصوم حتى يقول القائل: لا والله لا يفطر، و يفطر حتى يقول القائل: لا والله لا يصوم."(۳)

آپ ﷺ کبھی اس تسلسل سے روزے رکھتے چلے جاتے کہ کہنے والا کہتا:

---

(۱) فتح الباری ۴/۲۱۴ طبع دار الافتاء، مسلم مع نووی ۴/۸/۳۶، صحیح النسائی (۲۲۱۳)۔
(۲) ترمذی مع التحفۃ ۳/۴۳۶۔ وایضاً فتح الباری۔
(۳) بخاری مع الفتح ۴/۲۱۵، حدیث (۱۹۷۱)۔

واللہ آپ ﷺ کوئی روزہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور آپ ﷺ جب روزے ترک کرتے، تو مسلسل ترک ہی کئے جاتے۔ حتیٰ کہ کہنے والا کہتا کہ واللہ آپ ﷺ تو کبھی بھی (نفلی) روزہ نہیں رکھیں گے۔

ان اور ایسی ہی دوسری احادیث کا مجموعی مفاد یہ ہے کہ آپ ﷺ حسب موقع اور حسب فرصت کبھی مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے، اور کبھی مسلسل چھوڑتے ہی چلے جاتے۔ جب کہ ہر ماہ کے ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے اور ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کے روزے بھی رکھا کرتے تھے۔ اور ماہ رمضان کے بعد سب سے زیادہ افضل روزے تو ماہ محرم کے ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب حدیث میں وارد ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے محرم سے بھی زیادہ شعبان کے روزے رکھے ہیں۔ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام نوویؒ فرماتے ہیں: کہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ ﷺ کو ماہ محرم کے روزوں کا شعبان کے روزوں سے افضل ہونا بعد میں بتایا گیا ہو، اور عمر کے آخری حصہ میں اس بات کا علم ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ اس کے بکثرت روزے نہ رکھ سکے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اتفاق سے ماہ محرم میں سفر اور مرض وغیرہ کے عذر کی وجہ سے اس کے روزوں کی کثرت نہ فرما سکے ہوں۔ (۱)

اور علامہ یمانی امیر صنعانیؒ نے سبل السلام میں لکھا ہے کہ:

اس بات کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ ماہ شعبان کے روزوں کی فضیلت حرمت والے مہینوں کی نسبت سے زیادہ ہو۔ (۲) یعنی عام مہینوں کی نسبت سے تو شعبان کے روزے افضل ہوں۔ مگر حرمت والے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب اس سے مستثنیٰ ہوں۔ کیونکہ ان چار مہینوں کی فضیلت ماہ رمضان کے سوا دوسرے عام مہینوں سے دیسے ہی زیادہ ہے۔ اور پھر ان زیادہ فضیلت والے مہینوں

---

(۱) فتح الباری ۴/۲۱۵۔
(۲) سبل السلام ۱/۲/۱۶۸۔

میں سے بھی ماہ محرم کے روزے زیادہ فضیلت والے ہوں۔

اور نبی ﷺ کے ماہ شعبان کے اکثر روزے رکھنے کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔حتی کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری میں، علامہ یمانیؒ نے سبل السلام میں اور دیگر شارحین نے اپنی کتب میں بعض روایات بھی نقل کی ہیں۔جن میں اس کی علت مذکور ہے۔مگر وہ چونکہ ضعیف روایات ہیں۔لہذا ان سے قطع نظر اس سلسلہ میں صحیح ترین حدیث وہ ہے، جو کہ ابوداؤد و نسائی اور صحیح ابن خزیمہ میں ہے، جس میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا:

"لم أرك تصوم من شهر من الشهور ما تصوم من شعبان قال ذلك شهر يغفل الناس عنه بين رجب و رمضان (۱)وهو شهر ترفع فيه الأعمال إلى رب العالمين. فأحب أن يرفع عملي وأنا صائم."

اے اللہ کے رسول میں نے آپ (ﷺ) کو ماہ شعبان جتنے (نفلی) روزے کسی دوسرے مہینے کے رکھتے نہیں دیکھا (تو نبی ﷺ نے فرمایا) یہ ایسا مہینہ ہے، جو رجب اور رمضان کے درمیان ہے، لوگ اس سے غافل ہیں۔ (نیز فرمایا) اور یہ وہ مہینہ ہے کہ جس میں لوگوں کے اعمال رب العالمین کی طرف اٹھائے جائے ہیں۔پس میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا عمل ایسی حالت میں اٹھایا جائے کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

اور ماہ شعبان میں نبی ﷺ کا بکثرت روزے رکھنا، اس کی ایک حکمت یہ بھی بیان کی گئی ہے، کہ ایام بیض اور پیر و جمعرات کے روزے آپ ﷺ اکثر رکھا کرتے تھے۔اور کبھی بعض وجوہات کی بنا پر مسلسل یہ روزے نہ رکھ سکتے۔تو ان کی کمی

---

(۱) بحوالہ فتح الباری ۴/ ۲۱۵، جامع الأصول ۷/ ۲۰۹، صحیح النسائی (۲۲۲۱)، صحیح الترغیب (۱۰۱۲)۔

پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ شعبان کے اکثر روزے رکھ لیتے تھے۔اور اسی مفہوم کی ایک حدیث بھی طبرانی اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، مگر وہ ضعیف ہے۔اور شعبان میں کثرت صیام کی ایک توجیہ یہ بھی منقول ہے، کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ماہ رمضان میں قضا ہونے والے روزے آپ ﷺ کے موجود ہونے کی وجہ سے مؤخر کرتی رہتیں۔حتی کہ شعبان آجاتا تو وہ اپنے قضا شدہ روزے رکھتیں۔ساتھ ہی نبی ﷺ بھی نفلی روزے رکھ لیا کرتے تھے۔(۱)

بہر حال آپ ﷺ ماہ شعبان میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔اور نبی ﷺ کی ہر سنت مبنی بر حکمت ہے،اور کسی نہ کسی برائی کو دور کرنے والی ہے۔ عربوں میں ڈاکہ اور رہزنی عام تھی،مگر حرمت والے چاروں مہینوں میں وہ بھی ان افعال سے رک جاتے تھے۔اور ماہ رجب کے حرمت والا مہینہ ہونے کی وجہ سے اس میں وہ رکے رہتے ،اور شعبان کے شروع ہوتے ہی ادھر ادھر منتشر ہو جاتے تھے۔اور اس ماہ کا نام شعبان رکھے جانے کی وجہ دیگر وجوہات کے علاوہ ایک یہ ''منتشر ہو جانا'' بھی ہے۔جیسا کہ حافظ ابن حجر کے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں الفاظ:

"وسمی شعبان لتشعبهم فی طلب المیاه أو فی الغارات بعد أن یخرج شهر رجب الحرام وهذا أولی من الذی قبله، وقیل فیه غیر ذلك."(۲)

سے پتہ چلتا ہے۔لہذا آپ ﷺ نے ان افعال قبیحہ کی بجائے روزے کی سنت قائم فرمائی،جس میں ترک طمع،ضبط نفس اور فاقہ کشی کی ریاضت ہے،جس سے غارت گری اور ظلم وتعدی کی عادتیں خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔

●●●

(۱) فتح الباری وسبل السلام۔
(۲) فتح الباری ۲۱۳/۳۔

نصف ثانی شعبان کے روزے

ماہ شعبان کے روزوں کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ نبی ﷺ اس ماہ میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے، اور آپ ﷺ کے اس ماہ میں کثرت صیام کی متعدد توجیہات بھی ذکر کر دی گئی ہیں۔ جن سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ماہ شعبان کے روزے مطلق ہیں، نہ کہ پندرہ شعبان کا روزہ، کیونکہ خاص پندرہ شعبان کے بارے میں پائی جانے والی روایت ضعیف ہے۔ جس کی قدرے تفصیل بھی بعد میں ذکر ہوگی۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ شعبان کے بعد نفلی روزے نہیں رکھنے چاہئیں، جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی، ابن ماجہ و مسند احمد اور سنن دارمی میں ارشاد نبوی ہے:

"إذا انتصف شعبان فلا تصوموا حتى يكون رمضان."(۱)

جب نصف شعبان ہو جائے تو بعد میں روزے نہ رکھو، یہاں تک کہ ماہ رمضان داخل ہو جائے۔

اور بقول ملا علی قاریؒ فی شرحہ للمشکاۃ، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ شعبان کے روزے چاہے کتنے ہی فضیلت والے کیوں نہ ہوں، مگر ہیں تو نفلی۔ جب کہ آگے رمضان المبارک فرض روزوں کا مہینہ ہے۔ لہذا اس کی تیاری کے لئے قوت جمع کی جائے، تا کہ کہیں آدمی کمزوری وضعف کا شکار نہ ہو جائے، اور کہیں اس مہینہ کے فرض روزوں میں قضا کی نوبت نہ آ جائے۔(۲)

(۱) صحیح الجامع الصغیر للألبانی ۱/ ۱۶۸ وصححہ أیضاً فی المشکاۃ: ۱/۶۱۶، ابن ماجہ (۱۶۵۱)، مصنف عبدالرزاق: ۴/۱۶۱ (۷۳۲۵)، صحیح ابی داؤد (۲۰۴۹)، وانظر جامع الأصول ۷/۲۲۳، ترمذی مع التحفۃ ۳/ ۴۳۷۔

(۲) بحوالہ تحفۃ الأحوذی ۳/ ۴۳۷، طبع مدنی۔

اور بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شعبان میں کثرت صیام کی فضیلت یا نبی ﷺ کے کثرت صیام کی سنت اور نصف ثانی کے روزوں کی ممانعت میں کوئی تعارض و تضاد نہیں، اور ان دونوں باتوں میں مطابقت یوں ممکن ہے، کہ یہ ممانعت ان لوگوں کیلئے ہے۔ جو عموماً سال بھر کے دوران روزے رکھنے کے عادی نہ ہوں، اور کسی وجہ سے شعبان کے نصف ثانی میں شروع کر دیں۔ جبکہ ہر ماہ جو شخص ایام بیض، ہر ہفتہ میں پیر و جمعرات یا ہر دوسرے دن کا روزہ یعنی صوم داوٗدی رکھنے کا عادی ہو، اسے ان ایام میں روزے رکھنے سے بھی ممانعت نہیں ہوگی۔ لہذا دونوں طرح کی احادیث کا تعارض ختم ہو گیا۔ (۱)

اسی طرح ہی ماہ رمضان سے ایک یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی بھی ممانعت صحیح بخاری و مسلم، ابوداوٗد و ترمذی اور نسائی میں آئی ہے۔ (۲)

ان دو یا صرف ایک روزے کی ممانعت بھی ان لوگوں کے لئے ہے جو رمضان المبارک کی ''سلامی'' کا روزہ سمجھ کر رکھیں، اور سال بھر کے عادی روزہ دار کا چونکہ ایسی باتوں یا سلامیوں سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ لہذا اس کی بات ہی الگ ہے۔ اور خاص شعبان کی آخری تاریخ کا روزہ محض اس شک کی بنا پر رکھنا کہ شاید چاند ہو گیا ہے، مگر کسی وجہ سے نظر نہ آسکا ہو، لہذا ہم اس دن کا روزہ رکھ لیتے ہیں۔ اس بات کی بھی نبی ﷺ نے سخت تردید فرمائی ہے۔ اور شک کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ اور ابوداوٗد و ترمذی، نسائی اور موطأ امام مالک میں مذکور احادیث کی رو سے شک کے دن کا روزہ رکھنا نہ صرف ممنوع بلکہ حرام ہے۔ اور بعض محدثین فقہاء نے صوم یوم الشک کو "الأیام التی یحرم صومها" کے ضمن میں ہی ذکر کیا ہے۔ (۳)

---

(۱) انظر الفتح ۴/۲۱۵۔

(۲) انظر جامع الأصول ۷/۲۳۳،۲۳۴، بخاری (۱۹۱۴) مسلم مع نووی ۴/۷/۱۹۴۔ صحیح ابی داوٗد (۲۰۴۷)، صحیح الترمذی (۵۵۱)، صحیح نسائی (۵۲-۲۰۵۳)، ابن ماجه (۱۶۵۰)۔

(۳) جامع الأصول ۷/۲۲۶، ۲۳۱، ۲۳۲۔ صحیح ابی داوٗد ۲۰۴۶، صحیح نسائی (۲۰۶۸)، صحیح ترمذی (۵۵۳)، ابن ماجه (۶۴۵)۔

شب قدر، شب برأت، شب نصف شعبان

اور اب آیئے خاص پندرہ شعبان کے شب و روز کی طرف کہ جس کے دن کو بڑے اہتمام کے ساتھ روزہ رکھا جاتا ہے۔ اور رات کو قیام کیا جاتا ہے۔ اور اس رات کو ''شب برأت'' کہا جاتا ہے یا ''شب قدر'' کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں اور فقہاء محدثین کی تصریحات میں اس رات کے بارے میں شب برأت یا شب قدر کے الفاظ کا کہیں ذکر نہیں، اور نہ ہی آج تک عربوں میں ایسے ناموں سے یہ معروف ہے، یہ نام صرف برصغیر کی حد تک ہی ہیں۔ اور جن بعض روایات میں اس رات کا ذکر آیا ہے، وہ بھی نصف شعبان کی رات کے حوالہ سے آیا ہے۔ اور ویسے بھی شب قدر یا شب برأت سے مراد دراصل وہ لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کر کے اس امت کے لئے نظام زندگی مہیا کیا، اور جادۂ حق کی طرف راہنمائی فرمائی تھی۔ لہذا یہ تعین کرنا ہوگا کہ نزول قرآن کی رات کون سی ہے، اور کب ہے؟ اور اس کے ساتھ ہی شب قدر یا شب برأت بھی طے ہو جائے گی کہ کون سی ہے؟ اور قرآن کس ماہ اور کس رات میں نازل کیا گیا۔ اس رات کی صراحت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

چنانچہ قرآن کریم سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿شهر رمضان الذی أنزل فیه القرآن، هدی للناس و بینٰت من الهدیٰ و الفرقان﴾

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو راہ بتلاتا ہے لوگوں کو، اور اس میں کھلی دلیلیں ہیں ہدایت کی، اور حق کو ناحق سے پہچاننے کی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن کے مہینے کی تعیین فرمادی ہے۔ جو کہ رمضان المبارک ہے۔ اور پھر یہ کس رات میں نازل کیا گیا؟ اس کا ذکر تیسویں

پارے کی سورۂ قدر میں موجود ہے۔

﴿إنا أنزلناه فی لیلة القدر﴾

ارشاد الٰہی ہے کہ: ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا۔

اور یہ شب قدر صحیح احادیث کی رو سے ماہ رمضان المبارک کی آخری دس راتوں اور پھر ان میں سے بھی طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ یا ۲۹ میں سے کوئی ایک رات ہے۔

اور نزول قرآن کی رات کو سورۂ دخان کے شروع میں شب مبارک فرمایا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿حمٓ والکتاب المبین۔ إنا أنزلناه فی لیلةمبارکة إنا کنا منذرین فیها یفرق کل أمر حکیم أمرا من عندنا﴾

حاء میم۔ قسم ہے اس کتاب مبین کی ، ہم نے اسے ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ اور ہم لوگوں کو (اپنے عذاب سے) متنبہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اسی رات میں ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس سے حکم لے کر۔

یعنی سال بھر میں جو بڑے بڑے کام سرانجام پانے ہوتے ہیں۔ ان کا آخری فیصلہ اللہ کے حکم سے کر دیا جاتا ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ پیدائش و اموات، خوشی وغم اور رزق وفقر کے جو بھی فیصلے ہوتے ہیں، وہ اسی مبارک شب میں ہوتے ہیں، جس میں قرآن کریم نازل ہوا۔ اور وہ شب مبارک، شب قدر، رمضان میں ہے نہ کہ ماہ شعبان میں، اور شب فارسی ترجمہ ہے لیلۃ کا، اور قدر تو ہر دو زبانوں میں مشترک ہے۔ لہذا "لیلة القدر" کو فارسی میں ''شب قدر'' کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ نام اللہ تعالی نے ماہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات کو دیا ہے۔ البتہ سورہ دخان کی مذکورہ آیت میں جو "لیلة مبارکة" کے الفاظ آئے ہیں، ان سے بعض لوگوں نے پندرہ شعبان کی رات مراد لی

ہے۔ لہذا بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ دخان کی مذکورہ آیت کی تفسیر قدرے تفصیل سے ذکر کردی جائے۔

چنانچہ معالم التنزیل المعروف بتفسیر خازن میں ہے:

"قال قتادة وابن زید هی لیلة القدر أنزل الله القرآن فی لیلة القدر."

حضرت قتادہؒ اور ابن زیدؒ نے کہا ہے کہ لیلہ مبارکہ سے وہ لیلۃ القدر مراد ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل کیا۔

اور آگے لکھا ہے:

"قیل هی لیلة النصف من شعبان:" (۱)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔

اور یہاں یہ بات یاد رہے کہ اہل علم کے نزدیک جو بات صحیح تر ہو اسے پہلے معروف کے صیغہ سے ذکر کردیا جاتا ہے۔ اور جو غیر معتبر اقوال ہوں انہیں مجہول کے صیغہ ''قیل'' کے بعد لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے، اور ایسے ہی دیگر مقامات اور دیگر مسائل میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ امام خازن کے نزدیک حضرت ابوقتادہؒ اور ابن زید کی تفسیر ہی زیادہ معتبر اور صحیح تر ہے۔ اور ان کے نزدیک یہاں لیلۃ مبارکۃ سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے، نہ کہ نصف شعبان والی رات، اور یہ دوسرا قول ضعیف اور مرجوح ہے۔

اور تفسیر جامع البیان میں جمہور اہل علم کا مسلک یہی ذکر کیا گیا ہے کہ اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ مرجوح قول ذکر کرنے کے لئے یہ بھی لکھا ہے:

"وعن بعض هی لیلة النصف من شعبان." (۲)

(۱) تفسیر خازن ۱۴۳/۵۔

(۲) جامع البیان ص ۴۲۰۔

کہ بعض کے نزدیک اس سے نصف شعبان کی رات مراد ہے۔

اور دوسری مختصر و جامع تفسیر جلالین میں تفسیر المدارک کے حوالے سے لکھا ہے:

"هی لیلة القدر أولیلة النصف من شعبان."

اس سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے یا پھر نصف شعبان والی رات۔

اور آگے اس لیلۂ مبارکہ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس مبارک رات میں قرآن کریم ساتویں آسمان (لوح محفوظ) سے آسمان دنیا پر نازل ہوا، اور پھر شعبان و رمضان کی دونوں راتوں کے بارے میں لکھا ہے:

"والجمهور علی الأوّل." (۱)

کہ جمہور اہل علم کے نزدیک اس مبارک رات سے پہلی یعنی رمضان المبارک والی رات لیلۃ القدر مراد ہے۔

اور معروف محدث و مجتہد اور مفسر قرآن امام شوکانیؒ اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"اللیلة المبارکة، لیلة القدر کما فی قوله تعالی۔ ﴿إنا أنزلناه فی لیلة القدر﴾ ولها أربعة أسماء، اللیلة المبارکة، لیلة البراء ة، لیلة الصك ولیلة القدر."

لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ﴿إنا أنزلناه فی لیلة القدر﴾ میں مذکور ہے۔ اور اس کے چار نام ہیں یعنی لیلہ مبارکہ، لیلۃ البراءۃ، لیلۃ الصک (یعنی اقرار نامہ کی رات) اور لیلۃ القدر۔

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) تفسیر جلالین ص ۴۱۰۔

عکرمہ نے اس سے نصف شعبان کی رات مراد لی ہے، مگر حق یہ ہے کہ صحیح بات وہی ہے جو جمہور کا مسلک ہے، کہ اس سے لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ کیونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے مجمل ذکر فرمایا ہے۔ مگر سورۂ بقرہ کی آیت ﴿شهر رمضان الذی أنـزل فيه القرآن﴾ میں واضح کردیا ہے۔ اسی طرح سورۂ قدر ﴿إنا أنزلنا ه فی ليلة القدر ﴾ میں بھی وضاحت موجود ہے۔ اور اس واضح بیان کے بعد کوئی وجہ ہی باقی نہیں رہ جاتی کہ اختلاف کیا جائے۔ اور نہ ہی کسی شک وشبہ کی گنجائش رہ جاتی ہے۔(۱)

اور ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی ثابت ہے کہ اس رات سے رمضان والی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔

اور امام رازیؒ نے اپنی تفسیر المعروف بتفسیر کبیر میں لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ القدر مراد ہونے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے:

"القائلون بأن المراد من الليلة المباركة المذكورة فی هذه الآيـــــة هی ليلة النصف من شعبان فما رأيت لهم دليلا يعول عليه." (۲)

جولوگ کہتے ہیں کہ (سورۂ دخان کی) اس مذکورہ آیت میں لیلۃ مبارکہ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے، ان کے پاس کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔

اسی طرح معروف محدث ومورخ اور معتبر مفسر امام ابن کثیرؒ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں جمہور کے مسلک کی تائید کی ہے کہ اس رات سے مراد رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہی ہے۔ اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

"من قال إنها ليلة النصف من شعبان فقد أبعد النجعة فإن نص القرآن إنها فی رمضان." (۳)

---

(۱) فتح القدیر ۴/۵۷۰ طبع دار الفکر بیروت تفسیر آیت ۱۸۵ البقرہ وسورۃ القدر۔
(۲) تفسیر کبیر للامام الرازی۔ (۳) ابن کثیر مختصر للرفاعی ۴/۱۹ طبع اول۔

(کہ) جو شخص اس رات کو پندرہ شعبان کی رات کہے، اس کی بات دور کی کوڑی یا بعید از حقیقت ہے۔ کیونکہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ وہ رات رمضان المبارک میں ہے۔

اور قاضی ابوبکر ابن العربی، احکام القرآن میں رقمطراز ہیں:

"جمهور العلماء على أنها ليلة القدر ومنهم من قال: إنها ليلة النصف من شعبان وهو باطل، لأن الله تعالى قال في كتابه الصادق القاطع ﴿شهر رمضان الذي أنزل فيه القرآن﴾ فنص على أن ميقات نزوله رمضان. ثم عبر عن زمانية الليل ههنا بقوله ﴿في ليلة مباركة﴾ وليس في ليلة النصف من شعبان حديث يعول عليه لا في فضلها ولا في نسخ الآجال فيها فلا تلتفتوا إليها." (۱)

جمہور علماء کے نزدیک اس سے رمضان کی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔ اور پندرہ شعبان والا قول باطل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صادق اور قاطع نزاع کتاب (قرآن کریم) میں فرمایا ہے: رمضان المبارک ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ نص مہیا فرمادی کہ نزول قرآن کا مہینہ ماہ رمضان ہے۔ پھر یہاں اس رات کے وقت کو ان الفاظ میں تعبیر فرمایا کہ اس مبارک رات میں، نصف شعبان والی رات کی فضیلت اور نسخ آجال کے بارے میں کوئی قابل اعتبار اور قابل اعتماد حدیث نہیں۔

ان تفسیری حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سورۂ دخان کی آیت ۳ میں مذکور رات رمضان المبارک والی لیلۃ القدر ہے، نہ کہ شعبان والی رات۔

اور تفسیری کتب کی طرح ہی شروح حدیث میں بھی یہی بات کہی گئی ہے مثلاً: معروف حنفی محدث ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) أحکام القرآن ۴/۱۶۹، طبع دار المعرفۃ بیروت، الإبداع فی مضار الابتداع ص ۲۹۱ والفوائد السلفیہ المسمی بأشرف الحواشی للاستاذ محمد عبدہ الفلاح۔

بعض اسلاف کا خیال ہے کہ لیلۃ مبارکۃ سے مراد نصف شعبان کی رات ہے۔لیکن یہ قول نصوص قرآن کے مخالف ہے۔کیونکہ قرآن کا نزول رمضان میں لیلۃ القدر میں ہے۔لہذا لیلۃ مبارکہ سے بھی لیلۃ القدر ہی مراد ہے۔اس طرح آیات میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔(۱)

اور محدث برصغیر علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی میں رقمطراز ہیں کہ:

بے شک آیت ﴿إنا أنزلناه فی لیلة مبارکة﴾ میں لیلۃ مبارکہ سے مراد جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر ہے۔بعض اسے نصف شعبان کی رات سمجھتے ہیں۔مگر جمہور کا مسلک ہی صحیح ہے۔(۲)۔

شب برأت اور حلوے مانڈے

اس (مذکورہ بالا) تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ پندرہ شعبان کی رات کے یہ مروجہ نام شب قدر یا شب برأت کتب تفسیر و حدیث میں نہیں پائے جاتے، اور اس رات کا جو ذکر آیا ہے تو وہ صرف نصف شعبان کی رات کے حوالہ سے ہے۔اور جہاں تک اس رات کو منانے کا تعلق ہے تو ہمارے یہاں اس کے متعلق مختلف انداز اور اس کے مختلف طریقے مروج ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

۱- اس شام کو اچھے اور عمدہ کھانے یا حلوے مانڈے تیار کئے جاتے ہیں۔ اور انہیں خود تیار کرنے والے ہی مل بیٹھ کر مزے لے کر کھا جاتے ہیں۔

۲- یہ کہ آتش بازی اور چراغاں کیا جاتا ہے۔اور خوب گولہ بارود چلایا جاتا ہے، اور فضول خرچی کی حد کی جاتی ہے۔

---

(۱) بحوالہ تحفۃ الأحوذی ۲/۴۴۲۔
(۲) نفس المرجع۔

۳- یہ کہ بعض لوگ اس رات کے استقبال کے لئے گھروں کو صاف کرتے اور خوب سجاتے ہیں۔اور یہ سب کچھ اس عقیدہ کے پیش نظر کیا جاتا ہے کہ اس رات فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں۔

۴- یہ کہ بعض جگہوں پر لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور بعض اوقات اجتماعی شکل میں قبرستان کی زیارت اور دعا کے لئے جاتے ہیں۔اور:

۵-طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔اور رات کو ذکر وعبادت کی جاتی ہے۔

ان پانچوں طریقوں میں سے جہاں تک اچھے اور عمدہ کھانے اور حلوے تیار کرنے کا تعلق ہے،تو یہ اسلامی تہواروں کی علامت سمجھے جاتے ہیں، جبکہ نصف شعبان کی رات کو سرے سے اسلامی تہوار کہا ہی نہیں جا سکتا،اور اسے عیدین یا حج کی شکل دینا غلط ہے۔اور اگر کوئی کہے کہ ہم تہوار سمجھ کر ایسا نہیں کرتے تو پھر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اچھے کھانے پکانا کسی بھی دن جائز نہ ہو؟ تو اس سلسلہ میں یہی کہا جا سکتا ہے، کہ بلا شبہ اسراف وتبذیر یعنی فضول خرچی کے ضمن میں نہ آنے والے کھانے تیار کرنے میں واقعی کوئی حرج نہیں۔لیکن اگر یہ ہر روز یا اکثر ایام میں معمول ہو،اور اگر یہ صرف پندرہ شعبان کی شام کے ساتھ کر دیا جائے تو معاملہ یقیناً مشکوک سا ہو جاتا ہے۔اور مشکوک سے احتراز ہی مومن کی شان ہے۔

اب ہر شخص اپنے عمل کا جائزہ خود لے سکتا ہے کہ وہ یہ حلوے تہوار سمجھ کر تیار کرتا ہے، یا معمول کے مطابق ہی تیار کئے جاتے ہیں۔ویسے بظاہر چرب زبانی سے چاہے کوئی کچھ بھی ثابت کرتا پھرے۔حقیقت یہی ہے کہ یہ تہوار ہی شمار کیا جاتا ہے۔ اور بعض حلوہ خور مذہبی پیشواؤں نے یہ رسم اپنے مخصوص مفادات کے لئے جاری کی ہے۔ جو اگر اسی تہوار کے نظریہ سے معمول بہ رہے،تو پھر یہ ہرگز جائز نہیں ہے،اور ایسی رسوم کو جاری کرنے کے لئے بڑے عجیب وغریب ثبوت دیئے جاتے ہیں اور اس

رات کوحلوہ پکانا سنت قرار دیا جاتا ہے۔ایسے لوگوں کی تردید کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی کتاب ''ما ثبت فی السنۃ'' کے ص۲۱۴ پر فضائل شعبان کے ضمن میں لکھتے ہیں: کہ یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ اس رات سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے، اور اسی رات رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے حلوہ تناول فرمایا تھا، یہ بالکل لغو اور بے اصل بات ہے۔ کیونکہ مورخین کا اتفاق ہے کہ غزوۂ احد ماہ شوال ۰۳ھ میں واقع ہوا تھا، نہ کہ شعبان میں، لہذا یہ عقیدہ رکھنا کہ آج حلوہ ہی واجب اور ضروری ہے، بدعت ہے۔اور بعض لوگ مسور اور چنے کی دال پکانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ بھی حلوہ کی طرح ہی ہے۔

بس صحیح بات یہ ہے کہ حسب معمول ہی کھانا پکانا چاہیئے، اور اس رات کو تہوار نہیں بنانا چاہیئے۔ اور معروف حنفی عالم علامہ عبدالحیٔ لکھنویؒ کا اس رات کے حلوے کے بارے میں فتویٰ ہے، کہ اس کے متعلق کوئی نص نفی یا اثبات میں وارد نہیں۔ لہذا حکم شرعی یہ ہے کہ اگر پابندی رسم ضروری سمجھے گا تو کراہت لازمی ہوگی، ورنہ کوئی حرج نہیں۔(۱)

اور ایسے ہی مجدد و مجتہد شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں فرمایا:

"وكذلك اتخاذه موسماً تصنع فيه الاطعمة وتظهر فيه الزينة هو من المواسم المحدثة التى لا أصلْ لها."(۲)

اور اسی پندرہ شعبان کی رات کو تہوار منانا، کھانے پکانا اور زیب وزینت کا اظہار کرنا بھی ہے۔اور یہ بدعات کی قبیل سے ہے، جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔

●●●

(۱) فتاویٰ عبدالحیٔ مترجم ص۱۱۰۔
(۲) اقتضاء الصراط المستقیم ۶۲/۲ بہ تحقیق ڈاکٹر ناصر العقل۔

چراغاں وآتش بازی

دین کوکھیل تماشہ بنانا

شب برأت کے منانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس رات بڑے زور شور سے آتش بازی کی جاتی ہے، گولہ بارود چلایا جاتا ہے، پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ موم بتیاں اور شمعیں جلا کر چراغاں کیا جاتا ہے۔اس کا آغاز اور اسباب آغاز حتی کہ اس کے جانی و مالی نقصانات بالتفصیل شب معراج کے ضمن میں ذکر ہو چکے ہیں۔اور اس پر مستزاد یہ کہ آتش بازی کے ساتھ کسی دن یا تہوار کے منانے کا اسلام میں سرے سے کوئی تصور ہی نہیں۔ بلکہ شرعا یہ افعال قبیح و مذموم ہیں۔ کیونکہ ضرورت سے زیادہ کسی جگہ بھی روشنی کرنا اور لا تعداد شمعیں جلانا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کھلا اسراف و تبذیر اور صریح فضول خرچی ہے۔ جسے اللہ نے قرآن کریم میں ممنوع قرار دیا ہے۔ اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۂ اسراء (بنی اسرائیل) آیت ۲۶ اور ۲۷ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ولا تبذر تبذيراً۔ إن المبذرين كانوا إخوان الشياطين۔ وكان الشيطان لربه كفوراً﴾

اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک بے جا مال اڑانے والے شیطان کے بھائی (یعنی دوست و تابع) ہیں۔اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

یہاں اسراف وتبذیر یا فضول خرچی کو ایک شیطانی فعل اور ایسا کرنے والوں کو شیطان کے بھائی اور پیروکار کہا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے مالک حقیقی کے دیئے ہوئے مال کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرتا ہے، وہ شیطان ہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔اور حضرت محدث دہلویؒ اپنے تفسیری حواشی موضح القرآن میں فرماتے ہیں:

یعنی مال بڑی نعمت ہے، اللہ کی جس سے خاطر جمع ہو عبادت میں ،اور درجے بڑھیں بہشت میں۔اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے۔

اور جس طرح یہاں تبذیر کی قباحت وممانعت آئی ہے۔ایسے ہی قرآن کریم کے متعدد مقامات پر اسراف کی مذمت کی گئی ہے۔جیسا کہ سورۂ انعام آیت ۱۴۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ولاتسرفوا إنه لا يحب المسرفين﴾

اور (اپنے مال کو) بے جا مت اڑاؤ، کیونکہ بے شک اللہ تعالیٰ بے جا اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اگلی ہی سورۂ اعراف کی آیت ۳۱ میں فرمایا:

﴿كلوا واشربوا ولا تسرفوا ، إنه لا يحب المسرفين﴾

کھاؤ اور پیو اور اڑاؤ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اڑانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورۂ فرقان آیت ۶۷ میں مومنوں اور اللہ والوں کے اوصاف بیان کر تے ہوئے فرمایا ہے:

﴿والذين إذا أنفقوا لم يسرفوا ولم يقتروا وكان بين ذلك قواماً﴾

اور وہ لوگ (بھی اللہ کے محبوب بندے ہیں) جو خرچ کرتے وقت بیکار (اپنا پیسہ) نہیں اڑاتے، اور نہ ہی تنگی کرتے ہیں (کہ جائز ضرورت میں بھی نہ اٹھائیں) اور (ان کے) بیچ بیچ میں ان کا خرچ رہتا ہے۔

اور یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ تبذیر اور اسراف میں فرق ہے۔ حلال و جائز مقام پر حد اعتدال اور ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے۔جبکہ حرام و ناجائز مقام پر خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔اور اس کے لئے قلیل و کثیر کی کوئی حد نہیں۔ بلکہ اگر ایک پیسہ بھی خرچ کرے گا تو حرام ہوگا۔اور ایسا شخص شیطان کا

بھائی، اور پیروکار ٹھہرے گا۔

علاوہ ازیں یہ آتش بازی و چراغاں دین حق کے ساتھ ایک صریح اور بھونڈا مذاق ہے۔ اور دشمنان دین کی سازشی کارروائیوں کو عملی جامہ پہنا کر ان سے تعاون اور اپنے آپ کو فریب دینے کے مترادف ہے، اور اپنے دین کو کھیل تماشا بنا دینا عذاب الٰہی کو آواز دینے والی بات ہے۔ قرآن کریم پڑھ کر دیکھیں کہ پہلی قوموں میں سے جن اقوام نے اپنے دین کو لہو ولعب یا کھیل تماشا بنایا، ان کا کیا انجام ہوا، اور انہیں کن کن عذابوں میں مبتلا کیا گیا، ہمیں ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ ورنہ عذاب الٰہی کوئی دور نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں آپ صرف سورۂ انعام آیت ۷۰ اور سورۂ اعراف آیت ۵۰، ۵۱ ہی پڑھ کر دیکھ لیں۔ جن میں سے سورۂ انعام آیت ۷۰ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وذر الذين اتخذوا دينهم لعباً ولهواً وغرتهم الحيٰوة الدنيا وذكّر به أن تبسل نفسٌ بما كسبت ليس لها من دون الله وليٌ ولاشفيعٌ و إن تعدل كل عدلٍ لا يؤخذ منها أولئك الذين أبسلوا بما كسبوا لهم شرابٌ من حميمٍ و عذابٌ أليمٌ بما كانوا يكفرون﴾۔

چھوڑ ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیئے ہوئے ہے۔ ہاں، مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہیں، کہ کہیں کوئی شخص اپنے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے (اور گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ) اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لئے نہ ہو، اور اگر وہ ہر ممکن چیز بھی فدیہ میں دے کر چھوٹنا چاہے تو وہ بھی اس سے قبول نہ کی جائے۔ کیونکہ ایسے لوگ تو خود اپنی کمائی کے نتیجہ میں پکڑے جائیں گے۔ ان کو اپنے انکار حق کے معاوضہ میں کھولتا ہوا پینے کو پانی، اور دردناک

عذاب بھگتنے کو ملے گا۔

اور سورۂ اعراف آیت ۵۰، ۵۱ میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿ونادى أصحاب النار أصحاب الجنة أن أفيضوا علينا من الماء أو مما رزقكم الله قالوا إن الله حرمهما على الكافرين الذين اتخذوا دينهم لهوا و لعبا و غرتهم الحياة الدنيا فاليوم ننساهم كما نسوا لقاء يومهم هذا وماكانوا بآياتنا يجحدون﴾۔

اور دوزخ کے لوگ جنت والوں کو پکاریں گے کہ کچھ تھوڑا سا پانی ہم پر ڈال دو۔ یا جو رزق اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے، اس میں سے کچھ پھینک دو، وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے یہ دونوں چیزیں ان منکرین حق پر حرام کر دی ہیں، جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا ہے۔ اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا، کر رکھا ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) آج ہم بھی انہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے۔ اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

ان آیات میں اقوام ماضی اور امم سابقہ کو جو وعیدیں سنائی گئی ہیں، ہمیں ان سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے، اور اپنے دین کو آتش بازی اور چراغاں بازی وغیرہ سے کھیل تماشہ نہیں بنالینا چاہیئے۔

گھروں کی صفائی ستھرائی وسجاوٹ اورفوت شدگان کی روحوں کی آمد کا نظریہ!

پندرہ شعبان کی رات کو منانے کا تیسرا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ:

اس رات کے استقبال کے لئے گھروں کو صاف کیا جاتا ہے۔ اور صفائی ستھرائی کے ساتھ ساتھ سجاوٹ کی جاتی ہے۔ اور اس میں یہ عقیدہ کارفرما ہوتا ہے کہ

اس رات فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ صفائی ستھرائی اپنے بدن کی ہو۔ لباس پوشاک کی ہو یا گھر کی، یہ سب چیزیں اسلام میں مرغوب ومحبوب ہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیمات میں تو اسے جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔ اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔حتی کہ صحیح مسلم، سنن ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث شریف کا جزو اول تو زبان زد خاص وعام ہے۔ جس میں ارشاد نبوی ہے:

"الطهور شطر الإيمان." (۱)

طہارت و پاکیزگی ایمان کا ایک حصہ ہے۔

اس حدیث کا اطلاق مسلمانوں کی پوری زندگی کے ہر ماہ وسال اور شب و روز پر ہوتا ہے۔ تو پھر اس حکم کو صرف ایک رات کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے؟ اور پھر جمعہ وعیدین کے دنوں میں اللہ ورسول اللہ ﷺ کو بطور خاص طہارت و پاکیزگی مطلوب تھی، تو اس کا الگ سے حکم موجود ہے۔ لیکن اس رات کے استقبال کیلئے اس فعل کی بطور خاص کوئی دلیل نہیں۔ ہاں اگر مطلق پر عمل پیرا ہونے کی توفیق ہو، تو حسب معمول اس رات کے حلوے کی طرح کوئی حرج نہیں۔ اور اگر تہوار سمجھ کر، اور روحوں کی آمد کے عقیدہ سے ہو، تو پھر جب یہ دونوں چیزیں ہی بے دلیل ہیں، تو ہمارا یہ فعل کسی تردید کا بھی محتاج نہیں۔

فوت شدگان کی روحوں کی آمد اور اس رات زیارت قبور کی حیثیت

پندرہ شعبان کی شام کو گھروں کی صفائی ستھرائی اور سجاوٹ کی تہہ میں کارفرما

---

(۱) صحیح الجامع الصغیر للألبانی ۲/۴/۲۰، مختصر مسلم (۱۲۰) مسند احمد ۵/۳۴۲ فی مسند ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ، صحیح ترمذی (۲۷۹۱)، صحیح الجامع (۳۹۵۷)۔

نظریہ، کہ اس رات فوت شدگان کی روحیں واپس آتی ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر باطل ہے، قرآن وسنت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مرنے کے بعد کسی کی روح کا واپس آنا نہ شعبان کی اس رات میں ممکن ہے، اور نہ کسی دوسرے دن میں۔ ہمارے برصغیر کے معاشرے میں مخصوص حلوہ کھانے اور کھلانے کے شوقین بعض مذہبی پیشواؤں نے تو اپنے مخصوص مفادات کے لئے روحوں کی آمد ورفت کا باقاعدہ ایک چارٹ مہیا کر رکھا ہے، جس کے مطابق وہ عوام سے فوت شدگان کے نام پر کھاتے، پیتے اور کپڑے کی شکل میں نذرانے وصول کرتے رہتے ہیں۔

ان حضرات کے مطابق تیجے (یعنی تیسرے) ساتے (یعنی ساتویں) اور دسویں دن حتی کہ میت کی روح چالیس دن تک مسلسل اپنے گھر آتی رہتی ہے۔ اور پھر مومنین کی روحیں ہر ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعرات کو، اور ہر سال میں ایک رات یعنی شب برأت (۱۵ شعبان) کو آتی ہیں، اور ان کا ایک سالانہ ''ٹور'' شاید برسی کے دن ہوتا ہے۔

یہ نظریہ وعقیدہ اہل سنت کے متفقہ عقائد کی رو سے صحیح نہیں۔ بلکہ باطل ہے، کیونکہ فوت شدگان برزخی زندگی سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اور عالم برزخ کا عالم دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اور کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، کہ اس رات روحیں اپنے گھروں میں واپس آتی ہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی سورہ مومنون آیت ۹۹ اور ۱۰۰ میں تو بدعملی میں مبتلا لوگوں کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے افعال سے باز نہ آئیں گے۔

﴿حتى إذا جاء أحدهم الموت قال رب ارجعون لعلي أعمل صالحا فيما تركت، كلا إنها كلمة هو قائلها و من ورائهم برزخ إلى يوم يبعثون﴾.

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع

کر دے گا، کہ اے میرے رب مجھے (اس دنیا میں) واپس بھیج دے۔ امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا، جسے چھوڑ آیا ہوں ۔ ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اب ان سے مرنے والوں کے پیچھے ایک برزخ (پردہ) حائل ہے، جو دوسری زندگی کے لئے اٹھائے جانے کے دن (یعنی قیامت تک) رہے گا۔

اور بعض لوگ تیسویں پارے کی سورۃ القدر کے الفاظ ﴿ تنزل الملئكة والروح فيها ﴾ سے دھوکہ کھاتے یا مغالطہ دیتے ہیں۔ اور ان الفاظ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں، کہ اس رات یعنی لیلۃ القدر میں فرشتے اور روحیں اترتی ہیں۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کہ اس سے روحوں کا اترنا ہی مراد ہے۔ حالانکہ اول تو وہاں مذکورہ رات سے مراد رمضان المبارک والی رات (لیلۃ القدر) ہے ۔ نہ کہ شعبان والی، دوسرے یہ کہ ان الفاظ میں روح سے مراد فوت شدگان کی روحیں نہیں، بلکہ روح الامین حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں ۔ (۱)

اور پھر اسی ایک آیت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو روح سے تعبیر نہیں کیا گیا، بلکہ قرآن کریم کے دیگر متعدد مقامات پر بھی انہیں روح، روح الامین اور روح القدس کے ناموں سے ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۸۷،۲۵۳ میں روح القدس سے مراد جبرائیل ہے یا وحی الٰہی کا علم ہے، اور بعض کے نزدیک خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی روح پاک مراد ہے، جسے اللہ نے قدسی صفات بنایا تھا۔

پھر سورۂ مائدہ آیت ۱۱۰ میں بھی یہی بات مذکور ہے۔

سورہ نحل کی آیت ۲ میں روح سے مراد روح نبوت یا علم وحی ہے۔ فوت شدگان کی روحیں نہیں، سورۂ نحل ہی کی آیت ۱۰۲ میں روح القدس حضرت جبرائیل علیہ السلام کو کہا گیا ہے۔

---

(۱) تراجم بشمول ترجمہ فاضل بریلوی۔

سورۂ شعراء آیت ۱۹۳، سورۂ معارج آیت ۴، اور سورۂ نبأ آیت ۳۸ میں روح الامین اور روح سے مراد بھی حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

الغرض اوپر سے نیچے اترنے اور نیچے سے اوپر چڑھنے کے حوالہ سے قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ''روح'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، وہاں روح الامین حضرت جبرئیلؑ ہی مراد ہیں، نہ کہ فوت شدگان کی روحیں۔

معلوم ہوا کہ شعبان کی شام کو روحوں کی آمد اور ان کے استقبال کی نیت سے جھاڑ پونچھ، صفائی ستھرائی اور تزئین وسجاوٹ کرنا محض ایک خودساختہ عقیدہ ہے۔ جسے قرآن وسنت سے کوئی دلیل نصیب نہیں۔ لیکن اگر کوئی بلکہ عموماً لوگ روزانہ ہی صفائی کرتے ہیں۔ وہ حسب معمول ہی اس شام بھی کرتے ہیں۔ تو پھر کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ ایک مرغوب فعل ہے۔

اور نصف شعبان کی رات کو منانے کا چوتھا طریقہ یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ لوگ اس رات خصوصی اہتمام کے ساتھ اور اجتماعی شکل میں جمع ہو کر قبرستان میں زیارت قبور کے لئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عرض ہے، کہ یوں تو کسی بھی دن یا کسی بھی رات مسنون طریقہ سے زیارت جائز ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے تو اس کی ترغیب دلائی ہے، کہ یہ فکر موت و ذکر آخرت میں معاون ہوتی ہے۔ اور زیارت کے وقت جو دعا ہے وہ بھی صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ جو ہم نے معجزہ حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے ضمن میں ذکر کر دی تھی۔ اور زیارت قبور کی تین قسمیں بھی بتائی تھیں۔ جن میں سے شرکیہ اور بدعیہ کو چھوڑ کر صرف شرعیہ کے پیش نظر موقع بموقع اپنے گاؤں کے قریبی قبرستان میں جایا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ بھی صرف انفرادی شکل میں ہو، تو مفید مطلب ہے، اور زیادہ عبرت انگیز ہو گی۔ اور جب بہت سارے لوگ مل کر قبرستان میں جائیں گے، تو ظاہر ہے کہ انہیں وہ عبرت حاصل نہ ہو سکتی، جو اکیلے شخص کے لئے ممکن ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا عمل اس بات پر شاہد ہے کہ آپ ﷺ

اس غرض سے جو زیارت قبور کے لئے تشریف لے گئے، تو اکیلے تھے۔

نبی ﷺ تو زیارت کے لئے اکیلے جائیں، اور ہم ''باجماعت'' وہاں جانکلیں۔ تو یہ اتباع نہیں، ابتداع ہے۔ سنت نہیں بدعت ہے۔ باعث ثواب نہیں، موجب عذاب ہے۔ اور پھر نصف شعبان کی اس رات کی فضیلت کے پیش نظر بطور خاص زیارت کے لئے جانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ اور اس سلسلہ میں ترمذی شریف اور ابن ماجہ کی جو روایت بیان کی جاتی ہے، محدثین نے اس کی سند پر کلام کیا ہے۔ اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ خود امام ترمذی نے اس روایت کے بیان کرنے کے بعد ذکر کیا ہے کہ میں نے امام بخاریؒ سے سنا کہ وہ اس روایت کو ضعیف کہتے تھے۔ اور آگے اس روایت کی سند میں پائی جانے والی دو جگہوں کے انقطاع کو بیان کیا ہے۔ کہ اس کی سند میں حجاج اور یحییٰ کے مابین انقطاع اور یحییٰ اور عروہ کے مابین بھی انقطاع ہے۔ کیونکہ یحییٰ نے عروہ سے نہیں سنا، اور حجاج نے یحییٰ سے نہیں سنا۔ (۱)

نیز اس روایت کی سند میں مذکور ایک شخص حجاج بن ارطاۃ ہے، جو کہ مدلس شمار کیا گیا ہے۔ اور کوئی مدلس راوی اگر کسی روایت کو بیان کرتے ہوئے یہ کہے، کہ میں نے فلاں سے سنا، تو وہ روایت مقبول ہوتی ہے۔ ورنہ نہیں۔ جبکہ اس ترمذی والی روایت میں حجاج نے ایسا بھی نہیں کہا۔ بلکہ تحدیث کے بجائے عنعنہ سے مروی ہے۔ امام بخاری نے اسے غالباً انہی دونوں وجوہات کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔ (۲)

لہذا محض اس روایت کو بنیاد بنا کر پندرہ شعبان کی رات جوق در جوق اجتماعی شکل میں اور باجماعت زیارت قبور کے لئے جانا درست نہیں ہوگا۔

البتہ حسب معمول اگر کوئی شخص مشروع طریقہ سے زیارت کے لئے

(۱) ترمذی مع التحفۃ ۳/۴۴۱، ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۳۸۹، تحقیق محمد فواد عبدالباقی طبع بیروت، ضعیف الترمذی (۱۱۹) ضعیف ابن ماجہ (۲۹۵)، ضعیف الجامع ۱۷۶۱، مشکوۃ (۱۲۹۹)، مسند احمد ۶/۲۳۸، بحوالہ الصحیحۃ ۳/۱۳۸۔

(۲) انظر الصحیحۃ للالبانی اذ ذکر التدلیس والعنعنۃ ۳/۱۳۸، تحقیق المشکوۃ ۱/۴۰۶۔

جاتا ہے، تو اس کا معاملہ دوسرا ہے۔ سابقہ تفصیلات سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا، کہ کتنے ہی امور ہیں جو فی نفسہ جائز ہیں، مگر ہم لوگوں نے انہیں اپنی اصل حالت میں نہیں رہنے دیا۔ بلکہ ان پر اپنا رنگ چڑھالیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مسنونات کے دائرہ سے نکل کر دوسرے دائرہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔ قابل توجہ بات صرف اتنی سی ہے کہ دین جس طرح نبیٔ اکرم ﷺ سے ثابت ہے، اسے اسی طرح ہی اختیار کیا جائے، تو ثواب ہوگا۔ اور اگر اپنی طرف سے اس میں سرِ مو فرق اور تصرف کریں گے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔

●●●

خاص نصف شعبان کے دن کا روزہ اور ایک من گھڑت روایت

پندرہ شعبان کی رات (شب براُت) منانے کے مختلف طریقوں میں سے پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اس دن کا روزہ رکھا جاتا ہے۔ اور رات کو ذکر و عبادت کے لئے مخصوص کیا جاتا ہے۔ اور سب سے زیادہ معروف و معمول بہ طریقہ یہی ہے۔ لہذا آیئے پہلے دیکھیں کہ اس دن کا روزہ جو رکھا جاتا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں پہلے وہ باتیں مستحضر کر لیں، جو ہم نے اس موضوع کے شروع کرتے وقت ذکر کی تھیں، کہ نبی ﷺ بلا تخصیص یوم، اس ماہ شعبان کے بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔ اور جو شخص صوم داؤدی (یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار) کا عادی ہو، وہ اس ماہ کے حسب معمول روزے رکھ سکتا ہے۔ اس میں چاہے پندرہ شعبان کا روزہ ہو، پھر رمضان سے ایک یا دو دن قبل کا روزہ بھی کیوں نہ آ جائے، اور وہ شخص جو ہر ماہ، ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھتا آ رہا ہو، وہ بھی بلا اختلاف اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ پندرہ شعبان کا روزہ نہیں رکھے گا، بلکہ ساتھ ہی ۱۳ اور ۱۴ کا بھی رکھے گا، اور وہ صرف ماہ شعبان میں ہی ایسا نہیں کر رہا۔ بلکہ وہ سال بھر کے تمام مہینوں میں مسلسل یہی عمل کرتا آ رہا ہے۔ اور اسی طرح ہی جو شخص ہر ہفتہ میں پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتا آیا ہے، وہ پندرہ شعبان کو پیر کا دن یا جمعرات کا دن آ جانے کی شکل میں روزہ رکھ سکتا ہے، اسے کوئی ممانعت نہیں۔ اور پیر یا جمعرات کا دن رمضان سے ایک یا دو دن قبل آ جائے، تو بھی اسے حسب معمول اسے روزہ رکھ لینے کی اجازت ہے۔ ورنہ پندرہ سے لے کر آخر شعبان تک غیر عادی اور عام آدمی کو روزہ رکھنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور وہ حدیث

حوالہ جات وترجمہ سمیت ذکر ہو چکی ہے۔

اور خاص پندرہ شعبان کے دن کا روزہ رکھنے کے لئے ایک روایت بھی بیان کی جاتی ہے۔ جس سے استدلال کیا جاتا ہے، کہ پندرہ شعبان کا روزہ ثابت ہے، جب کہ وہ روایت اس قدر ضعیف وکمزور ہے، کہ اس سے استدلال کرنا ہی جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدث برصغیر علامہ عبدالرحمٰنؒ مبارکپوری فرماتے ہیں:

"لم أجدفي صوم يوم ليلة النصف من شعبان حديثاً صحيحاً مرفوعاً." (۱)

نصف شعبان کے دن کے روزے کے بارے میں کوئی ایک بھی صحیح سند والی اور نبی ﷺ تک پہنچنے والی مرفوع حدیث نہیں ملی۔ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فأما صوم يوم النصف مفرداً فلا أصل له، بل إفراده مكروه." (۲)

کہ صرف اکیلے پندرہ شعبان کا روزہ رکھنا لا اصل ہے، بلکہ یہ مکروہ ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ نے اللآلی المصنوعۃ میں اور امام شوکانیؒ نے الفوائد المجموعۃ میں مذکورہ حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۳)

اور جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ابن ماجہ میں ہے، جس میں مذکور ہے کہ:

"إذا كان ليلة النصف من شعبان فقوموا ليلها و صوموا نهارها فإن الله ينزل فيها لغروب الشمس إلى السماء الدنيا

---

(۱) تحفۃ الأحوذی ۳/۴۴۴۔ (۲) اقتضاء الصراط المستقیم بہ تحقیق ڈاکٹر ناصر العقل ص ۶۲۸، المطبوع علی نفقۃ الأمیر سلطان بن عبدالعزیز آل سعود۔

(۳) اللآلی المصنوعۃ للسیوطی ۲/۶۰، طبع حسینیہ ازہر، مصر، الفوائد المجموعۃ ص ۵۰، ۵۱ طبع دوم بہ تحقیق عبدالرحمٰن بن یحیٰ معلمی۔

فیقول: ألا من مستغفرٍ فأغفرله ألا من مسترزق فأرزقه ألا من مبتلی فأعافیه ألا کذا وکذا حتی یطلع الفجر." (۱)

جب نصف شعبان کی رات آئے، تو اس رات کو قیام کرو، اور اس کے دن کو روزہ رکھو، بے شک اللہ تعالی اس رات غروب آفتاب کے بعد آسمان دنیا پر اتر آتا ہے۔ اور فرماتا ہے، کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کیا کوئی رزق طلب کرنے والا ہے، کہ میں اسے رزق سے نوازوں؟ کوئی مصیبت زدہ ہے کہ میں اسے عافیت بخش دوں؟ کیا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے۔ (کہ میں اس کی حاجت پوری کروں؟) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔

اس حدیث کو حافظ منذری رحمہ اللہ نے الترغیب والترہیب میں رُوی کے صیغۂ تمریض و تضعیف سے ذکر کیا ہے۔ اور مصباح الزجاجہ فی زوائد ابن ماجہ میں علامہ بوصیری رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"إسناده ضعیف لضعف ابن ابی سبرة واسمه ابو بکر بن عبدالله بن محمد بن ابی سبرة."

اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کے رواۃ میں ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے جس کا پورا نام ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرہ ہے۔ وہ ضعیف ہے۔

اور امام احمد بن حنبل اور امام ابن معین رحمہما اللہ نے اس کے بارے میں کہا ہے: کہ وہ روایات وضع کیا کرتا تھا۔ یعنی من گھڑت باتوں کو حدیث کے نام سے بیان کیا کرتا تھا۔ (۲)

اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے تحفۃ الأحوذی میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

---

(۱) ابن ماجہ، حدیث نمبر ۱۳۸۸، بہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی، مشکوۃ (۱۳۰۸)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع بھی کہا ہے۔ ضعیف الجامع (۷۵۲) تحقیق المشکوۃ ۱/۴۱۰) ضعیف ابن ماجہ (۲۹۴)۔

(۲) تعلیق محمد فواد عبدالباقی علی ابن ماجہ ۱/۴۴۴، طبع بیروت۔

اس کی سند میں ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابو سبرہ قرشی عامری مدنی ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام عبداللہ ہے۔ اور محمد بھی کہا گیا ہے۔ اور کبھی وہ اپنے دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے:

اور تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "رمـــوه بالوضع"۔ اس پر محدثین نے من گھڑت روایات بیان کرنے کا الزام لگایا ہے۔

اور مولانا سید امیر علی نے تعقیب التقریب میں اس کے ضعیف ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (۱)

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میزان الاعتدال میں ذکر کیا ہے کہ: امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کبار محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور امام احمد کے فرزندان گرامی عبداللہ اور صالح نے اپنے والد کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ مذکورہ راوی روایات گھڑا کرتا تھا۔ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (۲)

ایک دوسری روایت بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہے، جس میں ہے:

"فإن أصبح في ذلك اليوم صائماً كان كصيام ستين سنة ماضية وستين سنة مقبلة."

جو آدمی اس دن (یعنی پندرہ شعبان) کا روزہ رکھے گا، اسے ساٹھ گذشتہ سالوں اور ساٹھ آئندہ سالوں کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

یہ روایت امام ابن الجوزی نے اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کی ہے۔ اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"موضوعٌ وإسناده مظلم". (۳)

---

(۱) تعقیب التقریب ص ۵۷۵، طبع نشر السنۃ لاہور، التحفۃ ۳/۴۴۲۔

(۲) بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۳/۴۴۲۔ (۳) بحوالہ التحفۃ ۳/۴۴۲۔

یہ موضوع و من گھڑت روایت ہے اور اس کی سند تاریک و سیاہ ہے۔

لہذا یہ پندرہ شعبان کا روزہ شروع میں ذکر کئے گئے اسباب کی بنا پر رکھا جائے تو جائز و روا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، اور محض مذکورہ روایات کو بنیاد بنا کر اس دن کا روزہ رکھا جائے، تو ناجائز و ناروا ہے۔ کیونکہ یہ من گھڑت اور ضعیف روایات قابل استدلال نہیں ہیں۔

باقی رہا اس رات کے پانچویں طریقہ کا دوسرا حصہ، یعنی رات کو قیام کرنا، ذکر و اذکار میں مشغول ہونا اور ایک مخصوص نماز ادا کرنا۔

تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ یہ رات بہرحال عام راتوں کی نسبت قدرے فضیلت والی ہے جس کا اندازہ آٹھ، سات روایات کے مجموعی مفاد سے لگایا جا سکتا ہے۔ اور ان احادیث سے اس رات کی فضیلت کا تو اندازہ ہو جاتا ہے۔ مگر ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملتی، جس سے اس طرف اشارہ ملتا ہو، کہ اس رات میں تہوار منایا جائے، شب بیداری کا اہتمام کیا جائے۔ اور مخصوص شکل وصورت اور کمیت و کیفیت کی نمازیں ادا کی جائیں، جیسا کہ آج کل رواج ہے۔

نصف شعبان کی رات والی مخصوص نمازیں!

(صلاة الخير يا صلاة الألفية)

ماہ شعبان کی درمیانی یا پندرہویں رات کو ایک مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے۔ جسے ''صلاۃ الخیر'' اور ''صلاۃ الألفیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

اس کے بارے میں کثیر محدثین و مجتہدین علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نوویؒ اپنی دوسری کتاب

(۱) شیخ علی الحفوظ کی کتاب الإبداع ص ۲۸۹، (طبع دار المعرفہ بیروت) میں اس کا نام صلاۃ الخیر، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' (۶۲۸/۲) تحقیق ناصر العقل میں ''صلاۃ الألفیہ'' مذکور ہے۔

المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

صلاۃ الرغائب کے نام سے معروف نماز جو ماہ رجب کے پہلے جمعہ کی رات کومغرب اور عشاء کے مابین پڑھی جاتی ہے جس کی بارہ رکعتیں ہوتی ہیں۔اور پندرہ شعبان کی رات کوایک نماز سو رکعتوں پر مشتمل پڑھی جاتی ہے۔یہ دونوں نمازیں بدترین بدعت ہیں۔اور کتاب قوت القلوب اور احیاء علوم الدین میں ان نمازوں کے مذکور ہونے سے دھوکہ نہ کھایا جائے۔اور ان نمازوں کے بارے میں بیان کی جانے والی روایت سے بھی دھوکہ میں نہیں آنا چاہئے۔کیونکہ یہ سب باطل ہیں۔اور اہل علم میں سے ایک صاحب پر ان نمازوں کی حقیقت وشرعی حیثیت مشتبہ ہوگئی۔اور انہوں نے چند اوراق پر مشتمل ایک رسالہ بھی لکھ مارا جس میں ان نمازوں کا استحباب ذکر کردیا۔اس رسالہ کے فریب میں نہ آئیں (کیونکہ وہ زلّات العلماء کی قبیل سے ہے)اس میں انہوں نے مغالطہ سے کام لیا ہے،اور امام ابومحمد عبدالرحمٰن بن اسماعیل المقدسی نے ان کی رد میں ایک نفیس کتاب لکھی ہے۔جس میں بڑے عمدہ پیرایہ میں ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔(۱)

اور امام ابوبکر طرطوشی نے اپنی کتاب ''الحوادث والبدع'' میں امام ابومحمد عبدالرحمٰن مقدسی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

بیت المقدس میں یہ نماز صلاۃ الرغائب نہیں پڑھی جاتی تھی،جو کہ رجب میں پڑھی جاتی ہے،اور نہ ہی پندرہ شعبان کی رات والی نماز کا رواج تھا:

"وأول ما حدثت عندنا صلا شعبان في سنة ثمان وأربعين وأربعمائة."

اور یہ شعبان والی نماز تو ۴۴۸ھ میں ایجاد کی گئی۔

اور آگے بیت المقدس میں اس نماز کے آغاز کا واقعہ نقل کرتے ہوئے

(۱) وانظر!! بداع للشیخ علی محفوظ ص ۲۸۸،طبع ادارۃ المعرفۃ،بیروت۔

فرماتے ہیں:

نابلس سے ایک شخص ابن ابی حمراء بیت المقدس میں آیا، جو بڑا خوش الحان قاری تھا، اس نے مسجد اقصیٰ میں یہ نماز پڑھانا شروع کی، پہلے پہل اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا۔ پھر دوسرا تیسرا اور چوتھا مل گیا، اور نماز مکمل کرنے تک ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ مل گئی۔ اور وہی شخص آئندہ سال بھی آیا۔ تو اس کے ساتھ ایک خلق کثیر نے نماز پڑھی، اور اس کا چرچہ مسجد اور گھروں میں عام ہو گیا۔ اور پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ آج تک اسے پابندی سے ادا کیا جاتا ہے، گویا کہ وہ کوئی مسنون عمل ہو۔

امام طرطوشی فرماتے ہیں: کہ میں نے امام مقدسی سے پوچھا: کیا آپ نے لوگوں کو یہ نماز باجماعت ادا کرتے خود دیکھا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں۔ اور اس پر اللہ سے مغفرت کی بھی دعا فرمائی، اور استغفر اللہ کہا۔ (۱)

اور یہ استغفار غالباً اس بناء پر ہوگا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک بدعت کو مروج دیکھا، مگر اسے روک نہ سکا۔ اور بدعات کا محاسبہ کرنے والے علماء امت میں سے امام شہاب الدین المعروف ابوشامہ نے اپنی کتاب ''الباعث علی انکار البدع والحوادث'' میں ماہ رجب والی صلاۃ الرغائب اور اس شعبان والی نماز جسے انہوں نے ''صلاۃ الألفیہ'' کہا ہے، ان دونوں کی پر زور تردید کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ بدعت ہیں۔ اور ان کے بارے میں پائی جانے والی اور بیان کی جانے والی، روایات ضعیف ہیں، اور موضوع ومن گھڑت ہیں۔ (۲)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

جامع مسجد یا محلوں، راستوں اور بازاروں کی دیگر مساجد میں یہ جو الصلاۃ الألفیہ کے لئے اکٹھا ہوا جاتا ہے۔ یہ مُحدَث ہے اور یہ اجتماع جو ایک مقررہ وقت،

---

(۱) انظر: الإبداع للشیخ علی محفوظ ص ۲۸۸، طبع ادارۃ المعرفۃ، بیروت۔

(۲) الباعث علی انکار البدع والحوادث ص ۳۲ تا ۳۹، طبع النہضۃ الحدیثۃ بمکہ مکرمہ۔

مقررہ رکعت اور مقررہ قرأت والی نفلی نماز کے لئے ہے، یہ غیر مشروع اور بدعت ہے۔ اور الصلاۃ الألفیہ والی روایت اہل علم حدیث کے اتفاق کے ساتھ من گھڑت ہے۔(۱)

اور ابن الجوزی نے الحصن الحصین میں مذکورہ روایت کی سند کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے۔(۲)

اور الصلاۃ الألفیہ یا ہزاری نماز کا نام رکھے جانے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ اس کی سو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، اور ہر رکعت میں دس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی جاتی ہے، اس طرح ایک نماز میں ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص کے پڑھے جانے کی وجہ سے اسے ''ہزاری نماز'' کا نام دیا گیا ہے۔(۳)

اور بدعات کے موضوع پر غالباً سب سے پہلے لکھی جانے والی کتاب "البدع والنهي عنها" میں اس کے مؤلف امام محمد بن وضاح القرطبی نے جو کہ تیسری صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔ اس پندرہ شعبان کی رات کے بارے میں اپنی سند کے ساتھ دو روایتیں لائے ہیں۔ جن میں سے پہلی میں وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ:

ہمارے مشائخ وفقہاء نصف شعبان کی رات کی طرف کوئی توجہ نہیں دیا کرتے تھے۔ اور نہ ہی ایسی باتوں (یا نمازوں) کا اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور دوسری روایت میں ابن ابی ملیکہ سے بیان کرتے ہیں، کہ انہیں بتایا گیا، کہ زیاد النمیری کہتا ہے کہ نصف شعبان کی رات کا ثواب رمضان کی لیلۃ القدر جتنا ہے، تو ابن ابی ملیکہ نے کہا:

"لو سمعته منه وبيدي عصا لضربته بها وكان زياد

(۱) الاقتضاء ۲/ ۶۲۸، ۶۳۵۔ بہ تحقیق ڈاکٹر ناصر العقل۔

(۲) بحوالہ الابداع ص ۲۸۸۔

(۳) الباعث ص ۳۲۔

قاضیاً ."(۱)

اگر میں اس سے یہ بات سنتا اور اس وقت میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا، تو میں اسے اس سے مارتا، جبکہ یہ زیاد اس وقت قاضی کے عہدے پر فائز تھا۔

اور حافظ عراقی نے تخریج احیاء علوم الدین میں پندرہ شعبان کی رات والی اس نماز کے بارے میں وارد کی جانے والی روایت کے بارے میں لکھا ہے:

"حدیث صلاۃ لیلة النصف حدیث باطل ."(۲)

نصف شعبان کی رات والی نماز کی حدیث باطل ہے، یعنی نبیٔ اکرم ﷺ کی طرف خود گھڑ کر منسوب کی گئی ہے۔

اس نماز کی سو رکعتیں ذکر کی گئی ہیں، اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنے کا بھی کہا گیا ہے۔

اور امام شوکانی نے من گھڑت حدیثوں کو اپنی ایک کتاب میں جمع کیا ہے، جس کا نام "الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة" ہے اس میں مذکورہ سو رکعت والی نماز پر مشتمل روایت کو انہوں نے جعلی و خود ساختہ قرار دیا ہے۔(۳)

اور اس کی متعدد اسناد ذکر کر کے ان کے رواۃ کے مجہول ہونے کی بنا پر انہیں موضوع کہا ہے۔

اور امام سیوطیؒ نے من گھڑت روایات کے مجموعے پر مشتمل کتاب اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں نصف شعبان کی رات میں پڑھی جانے والی سو (۱۰۰) رکعتوں اور ہر رکعت میں دس مرتبہ قل ھو اللہ احد والی مسند الفردوس دیلمی کی روایت کو موضوع کہا ہے۔ اور ذکر کیا ہے کہ اس کی سند کے تمام راوی مجہول ہیں۔ اور ساتھ ہی بارہ رکعتوں اور چودہ رکعتوں والی نماز پر مشتمل روایات کو بھی

(۱) البدع والنہی عنہا ص ۴۶ طبع دار الافتاء السعودیہ۔

(۲) المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار علی ہامش الاحیاء ۱/۱۸۲ طبع عالم الکتب بیروت، والتحذیر من البدع لابن باز ص ۱۵ طبع دار الافتاء۔

(۳) الفوائد المجموعہ ص ۵۰، ۵۱۔ بہ تحقیق المعلمی طبع دوم۔

موضوع ومن گھڑت قرار دیا ہے۔(۱)

اور امام ابن رجب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''لطائف المعارف'' میں ذکر کیا ہے کہ تابعین میں سے بعض اہل شام مثلاً خالد بن معدان، مکحول اور لقمان بن عامر وغیرہم رحمہم اللہ اس رات کی عبادت و تعظیم کیا کرتے تھے۔ اور اہل بصرہ کے بعض عابد وزاہد قسم کے لوگ بھی ان کے موافق ہو گئے۔ مگر اکثر علمائے حجاز مثلاً عطاء اور ابن ابی ملیکہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بقول فقہاء اہل مدینہ اور اصحاب امام مالک رحمہم اللہ نے اس کا انکار کیا ہے، اور اسے بدعت قرار دیا ہے۔ (۲)

اور مذکورہ تابعین خالد ولقمان اس رات باجماعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے اور سرمہ بھی لگاتے تھے۔ اور امام اسحاقؒ بن راہویہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ جبکہ امام وعالم وفقیہ شام امام اوزاعی مساجد میں باجماعت نفل پڑھنے، دعائیں کرنے اور قصص پڑھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔ اور اگر کوئی شخص انفرادی طور پر کچھ نفل ونوافل پڑھ لے، تو اسے مکروہ نہیں کہتے تھے۔ اور حافظ ابن رجب نے اس کو ''اقرب'' قرار دیا ہے۔ (۳)

یہ بعض تابعین اور علماء کا اختیار ہے، مگر جو کام خود نبی ﷺ نے نہ کیا ہو صحابہ کرامؓ سے بھی ثابت نہ ہو۔ اس میں جواز یا استحباب کہاں سے آئے گا؟ اور موقع آنے اور کوئی امر مانع بھی نہ ہونے کے باوجود نبی ﷺ اور صحابہؓ کے اسے نہ کرنے سے کسی فعل کی غیر مشروعیت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

المختصر شعبان کی پندرہویں رات میں پڑھی جانے والی مخصوص عدد کی رکعات اور مخصوص عدد کی سورۂ اخلاص والی نمازیں کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ باجماعت نہ بلا جماعت، نہ سراً، نہ جہراً۔ اور اس رات بعض مخصوص دعائیں: یـــا ذا

(۱) اللآلی المصنوعہ ۲/۵۸، ۵۹۔ طبع حسینیہ از ہر مصر، والتحذیر من البدع لابن باز ص ۱۴۔ ایضاً۔
(۲) راجع للتفصیل لطائف المعارف ص ۱۴۲ طبع مکتبہ الریاض۔
(۳) التحذیر من البدع، ایضاً۔

المنّ ....اورالہی بالتجلی الأعظم..........کی جاتی ہیں، جوکہ خودساختہ ہیں۔(۱)

اب مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس رات کو کسی خاص طریقے سے منانے کا ثبوت نہ قرآن میں ہے۔ اور نہ ہی کسی حدیث میں، لیکن آتش بازی و چراغاں جیسے لہو ولعب، حلوے مانڈے کے شغل، دن کے روزے اور رات کی خودساختہ اور مخصوص کیفیت وکمیت کی جعلی نمازوں سے قطع نظر، انفرادی طور پر کوئی ذکر ودعا اور مطلق نفلی عبادت کرلیتا ہے تو اسے مطعون اور برا بھلا نہ کہا جائے۔ لیکن اگر وہ ان رسوم کی پابندی کرتے ہوئے ایسا کرے تو پھر یہ بہرحال درست نہ ہوگا۔ کیونکہ کسی رات کا فضیلت والا ہونا اس کے احتفال وجشن اور مخصوص عبادتوں کومستلزم بھی نہیں ہے۔

●●●

(۱) الابداع ص۲۹۰، حاشیہ مختصر ابن کثیر،۴/۱۹۔

احادیث نصف شعبان
(شب برأت)

ہم نے پندرہ شعبان کے بارے میں تفصیلات ذکر کی ہیں کہ کیا ہونا چاہیئے۔ مگر کیا ہو رہا ہے، اب ان ایام سے تعلق رکھنے والے صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے نصف شعبان کے بارے میں پائی جانے والی بعض دیگر احادیث یا روایات شب برأت، اور ان کی تحقیق، جسے ہم بالاختصار آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں، ان میں سے:

پہلی حدیث: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ جسے ابن ابی عاصم نے السنۃ میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں، طبرانی نے معجم کبیر، اور اوسط میں روایت کیا ہے۔ جس میں:

"یطلع اللہ تبارک و تعالی علی خلقه لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه إلا لمشرك أو مشاحن."(۱)

اللہ تبارک وتعالیٰ پندرہ شعبان کی رات اپنی مخلوقات کی طرف دیکھتا ہے اور مشرک وکینہ پرور کے سوا سب کو بخش دیتا ہے۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ نے مجمع الزوائد میں طبرانی کی روایات کے بارے میں کہا ہے کہ ان دونوں کی اسناد کے رواۃ ثقہ ہیں۔

علامہ ذہبیؒ نے حدیث معاذ کی سند میں انقطاع واضح کرتے ہوئے لکھا ہے: کہ مکحول، مالک بن یخامر سے ملے ہی نہیں (تو اس سے بیان کیسے کر رہے

---

(۱) صحیح الترغیب حدیث (۱۰۱۶) موارد الظمآن (۱۹۸۰) الصحیحہ (۱۱۴۴)۔

ہیں؟) شیخ البانی کہتے ہیں کہ: اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کی سند حسن تھی، کیونکہ اس کے تمام راوی بقول منذری ثقہ ہیں۔(۲)

دوسری حدیث: حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے جسے ابن ابی عاصم لالکائی اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔اس کی سند میں ایک راوی اُحوص بن حکیم ہیں جنہیں مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمی نے ضعیف قرار دیا ہے۔اور امام منذری نے اسے الترغیب والترہیب میں نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ روایت طبرانی اور بیہقی میں مکحول کے واسطہ سے ابوثعلبہؓ سے مروی ہے۔اور بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت مکحول اور ابوثعلبہؓ کے مابین مرسل جید ہے(اور مرسل روایت کے حجت ہونے یا نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے)

تیسری حدیث: حضرت عبداللہ بن عمرو سے مسند امام احمد (۲) میں مروی ہے، اس روایت کی سند کو متابعات اور شواہد کے طور پر لینے کیلئے لا بأس بہ قرار دیا گیا ہے، کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جبکہ علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ہے جو کہ لین الحدیث ہے، اور باقی رواۃ موثوق ہیں۔جبکہ علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ نے ابن لہیعہ کو ضعیف کہا ہے۔اور امام منذری نے اس کی سند کو لین (نرم) قرار دیا ہے۔اور متابعات وشواہد کے پیش نظر، اسے شیخ البانی نے حسن درجہ کی روایت قرار دیا ہے۔اس روایت میں مشرک کے ساتھ کینہ پرور نہیں بلکہ قاتل کا لفظ وارد ہوا ہے۔

چوتھی حدیث: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو سنن ابن ماجہ (۳) اور السنۃ لابن ابی عاصم اور لالکائی میں مذکور ہے۔اور اس کی سند میں بھی ابن لہیعہ ہے جو کہ ضعیف ہے، اور اسی سند میں ولید بن مسلم مدلس ہے اور ایک راوی

---

(۱) السنۃ لابن ابی عاصم ۵۱۲، بہ تحقیق البانی، صحیح ابن حبان، ۱۹۸۰، شعب الایمان ۲/ ۲۸۸۔

(۲) تاریخ لابن عساکر ۱۵/ ۳۰۲/ ۲، مجمع الزوائد ۸/ ۶۵، مسند امام احمد ۶۶۴۲۔

(۳) سنن ابن ماجہ ۱/ ۴۴۵ بہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی۔حدیث ۱۳۹۰۔

عبدالرحمٰن ابن عرزب ہے جو کہ مجہول الحال ہے۔لہذا یہ روایت بھی ضعیف ہے۔
پانچویں حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مسند بزار میں مروی ہے، اس روایت کی سند میں ایک راوی ہشام بن عبدالرحمٰن ہے جس کے بارے میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے، کہ اسے میں نہیں جانتا ہوں کہ (کون اور کس درجہ کا ہے) جب کہ باقی سب رواۃ ثقہ ہیں۔(۱)
چھٹی حدیث: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جو کہ مسند بزار، التوحید لابن خزیمہ، السنۃ لابن عاصم، ولالکائی، اخبار اصبہان ابونعیم اور بیہقی میں ہے۔ جسے امام منذری نے الترغیب میں نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند میں کوئی مضائقہ نہیں (لا باس بہ) اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں اسے نقل کر کے اس کی سند میں مذکور ایک راوی عبدالملک بن عبدالملک کے بارے میں کہا ہے کہ ابن أبی حاتم نے اس روایت نے اس روایت کو اپنی کتاب الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے مگر اس راوی کو ضعیف نہیں کہا۔ جب کہ باقی رواۃ ثقہ ہیں، لیکن امام بخاری نے عبدالملک کی اس روایت کو محل نظر قرار دیا ہے، جیسا کہ میزان الاعتدال ذہبی میں مذکور ہے۔
ساتویں حدیث: حضرت عوف بن مالک سے مروی ہے جسے امام بزار نے اپنی مسند (۲) میں بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اور اس کی وجہ در اصل یہ ہے کہ اس کی سند میں ایک ابن لہیعہ ہے جو کہ لین بلکہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی عبدالرحمٰن بن انعم ہے اور اسے بھی علامہ ہیثمی کے بقول جمہور ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور صرف احمد بن صالح نے اس کی توثیق کی ہے۔ ان دو کے علاوہ باقی رواۃ ثقہ ہیں۔ اور علامہ البانی کے بقول یہ روایت اور ایسی ہی کئی دیگر روایات لالکائی نے اپنی کتاب السنۃ میں کبار تابعین مثلاً عطاء بن یسار، مکحول اور فضل بن فضالہ رحمہم اللہ سے موقوفاً علیہم نقل کی ہیں۔ جو کہ مختلف الاسانید ہیں۔ اور رایسے

---
(۱) کشف الأستار بزوائد مسند البزار ص ۲۴۵، ص ۸۶۔
(۲) زوائد مسند بزار ص ۲۴۵۔

مفہوم کی روایات چاہے موقوف ہی کیوں نہ ہوں یہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ایسی باتیں محض ذاتی رائے کی بنا پر نہیں کہی جاسکتیں۔

آٹھویں حدیث: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً مروی ہے۔ جس کی تخریج امام ترمذی نے اپنی جامع یا سنن میں، ابن ماجہ نے اپنی سنن میں۔ اور امام احمد نے اپنے مسند میں کی ہے۔ جس میں ہے:

"إن الله تعالى ينزل ليلة النصف من شعبان إلى السماء الدنيا فيغفر لأكثر من عدد شعر غنم كلب."(۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہگاروں کو معاف کرتا ہے۔

قبیلۂ بنی کلب کا نام اس لئے لیا گیا ہے کہ عربوں میں سب سے زیادہ بکریوں والا یہی قبیلہ تھا۔ اور شارح ترمذی نے لکھا ہے کہ ابہری نے الأزھار سے نقل کیا ہے کہ یہاں بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ گناہوں کی بخشش ومعافی مراد ہے۔ نہ کہ اتنے گنہگاروں کی بخشش۔ بہرحال گنہگاروں کی بخشش مراد ہو یا گناہوں کی، اللہ کے خزانوں میں کسی کے لئے بھی کمی نہیں ہے۔ اسی حدیث کے شروع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ کہ ایک رات میں نے نبی ﷺ کو (آپ ﷺ کے بستر سے) غائب پایا۔ اور جب آپ ﷺ کو تلاش کرنے نکلی، تو آپ ﷺ کو دیکھا، کہ بقیع میں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس بات سے ڈر گئی ہو کہ میں تم پر ظلم کردوں گا؟ تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں تو یہی سمجھ رہی تھی کہ آپ (ﷺ) شاید کسی دوسری اہلیہ کے ہاں چلے گئے ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے مذکورہ الفاظ بھی فرمائے۔

لیکن اس روایت کے بعد خود امام ترمذیؒ نے کہا ہے کہ:

---

(۱) ترمذی مع التحفۃ ۳/ ۴۴۰، ۴۴۱۔ طبع مدنی، ابن ماجہ حدیث ۱۳۸۹۔ مسند احمد ۶/ ۲۳۸۔ ضعیف الجامع (۱۷۶۱)، ضعیف الترمذی (۱۱۹)۔

میں نے امام بخاریؒ کو سنا ہے کہ وہ اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔اور آگے اس کی سند میں پائے جانے والے دو جگہ انقطاع کو بیان کیا ہے کہ حجاج اور یحیٰ پھر یحیٰ اور عروہ کے مابین انقطاع ہے کہ یحیٰ نے عروہ سے نہیں سنا۔

اور امام بخاری کا کہنا ہے کہ:

حجاج نے یحیٰ سے نہیں سنا، جبکہ اس روایت کی سند کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو بھی محدثین نے مدلس قرار دیا ہے۔اور مدلس کی صرف وہ روایت قابل قبول ہوتی ہے جس میں وہ یہ کہے کہ میں نے یہ بات فلاں سے سنی یا اس نے مجھ سے بیان کی ہے۔ جبکہ اس روایت میں ایسا نہیں۔ بلکہ حجاج نے عنعنہ سے کام لیا ہے، جس سے ان کے سماع کی صراحت نہیں ہوتی۔(۱) اور امام بخاریؒ کا اس حدیث کو ضعیف قرار دینا یقیناً ان ہی اسباب کی بناء پر ہوگا۔

نویں حدیث:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنن ابن ماجہ میں مروی ہے جس میں پندرہ شعبان کے دن کے روزہ اور رات کے قیام کا ذکر ہے، جس کے ضعیف ہونے کی تفصیل ہم نے پندرہ شعبان کے روزے کی عدم مشروعیت کے ضمن میں بیان کردی ہے۔

دسویں حدیث:

حضرت عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اُخنس سے مروی ہے جسے امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔اس میں سال بھر کی پیدائش واموات اور نکاح کا ذکر ہے۔اور وہ بھی مرسل وضعیف ہے۔(۲) اور ویسے بھی اس میں پندرہ شعبان کی رات نہیں بلکہ مطلق شعبان کے مہینہ کا ذکر ہے۔ جو کہ دیگر تمام روایات کے خلاف ہے۔

الغرض امام ابن رجبؒ لطائف المعارف میں فرماتے ہیں کہ اس رات کی

---

(۱) الصحیحہ للألبانی ۳/۱۳۸

(۲) ابن کثیر ۴/۱۳۷، طبع بابی، مصر

فضیلت، متعدد روایات میں آئی ہے جنہیں اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، لیکن بعض کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ اور ان میں سب سے امثل حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔(۱)

امام ابن تیمیہؒ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں تعدد حدیث کی بناء پر اور امام احمد کی نصوص کے پیش نظر اس رات کی فضیلت مانی ہے۔(۲) علامہ مبارک پوریؒ نے متعدد احادیث کے پیش نظر کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے۔(۳)

اور دور حاضر کے معروف محدث شیخ البانی نے متعدد طرق نقل کئے ہیں۔ اور مذکورہ حدیث نمبر ایک کو صحیح قرار دیا ہے(۴) جو اس رات کی فضیلت کے ثابت ہونے کی دلیل ہے۔

لہذا سابقہ ساری تفصیل کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس رات میں مطلق عبادت (نوافل و تلاوت) کر لیتا ہے، تو کوئی حرج نہیں، جبکہ متعین اور مقررہ اشکال کی کوئی عبادت ثابت نہیں ہے۔ ویسے بھی کسی رات کا فضیلت والا ہونا کسی خاص عبادت کو مستلزم نہیں ہوا کرتا۔

●●●

---

(۱) لطائف المعارف ص ۱۴۳۔
(۲) اقتضاء الصراط المستقیم ۲/ ۶۲۷
(۳) التحفہ ۳/ ۴۴۱۔
(۴) الصحیحہ للالبانی ۳/ ۱۳۵۔

شرک و بدعات زیارت قبور

بریلوی و دیوبندی مکتب فکر کی نظر میں

بعض جاہل نبی اکرم ﷺ کی قبر اقدس کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اور اس کی جالی کو چھوتے اور بوسہ دیتے ہیں۔ اور چھونے کے بعد اپنے ہاتھوں کو آنکھوں اور سینے پر ملتے ہیں۔ اور بعض نام نہاد عاشق رسول ﷺ شاعروں اور نعت خوانوں نے ایسے شعر بنا رکھے ہیں۔

تیری خیر ہووے پہرے دارا　　　　روضے دی جالی چم لین دے

حالانکہ ان امور کو قرآن و سنت کے علاوہ بریلوی مکتب فکر کے بانی مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بھی منع قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ''انوار البشارات فی مسائل الحج والزیارات'' مطبوعہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۲۹ پر فرماتے ہیں:

''خبردار! جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو، کیونکہ خلاف ادب ہے۔ بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ''۔ اور ص ۳۳ پر لکھتے ہیں:

''روضۂ انور کا نہ طواف کرو، نہ سجدہ۔ نہ اتنا جھکو کہ رکوع کے برابر ہو، رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ان کی اطاعت ہے''۔

اور احکام شریعت حصہ سوم میں فرماتے ہیں:

''بلاشبہ غیر کعبہ معظمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے۔ اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے''۔ (۱)

حضرت فاضل بریلوی کے ان ارشادات و تعلیمات کو اگر بریلوی علماء و فضلاء، واعظین و خطباء، مدرسین و مقررین اور مضمون نگار حضرات بر سر منبر اور کھلا

---

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۱۹۔

عام بیان کریں، تو قوم بھول بھلیوں میں مبتلا نہ رہے۔ مگر افسوس کہ وہ ایسا نہیں کرتے۔

اسی طرح ہی مقتدر علماء ومحققین احناف (دیوبندی مکتب فکر) نے بھی مذکورہ امور کو ناجائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ملا علی قاریؒ ''شرح مناسک الحج'' میں لکھتے ہیں:

"لا يطوف أى لا يدور حول البقعة الشريفة لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء."

(نبی ﷺ کی قبر مقدس کے) بقعۂ شریفہ کے گرد طواف نہ کیا جائے۔ کیونکہ طواف صرف کعبہ شریف کے ساتھ ہی خاص ہے، بس انبیاء واولیاء کی قبور کے گرد طواف کرنا حرام ہے۔

"ولاعبرة بما يفعله الجهلة ولوكانوا فى صورة المشائخ والعلماء." (۱)

اوران جاہلوں کے فعل کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، جوکہ بظاہر مشائخ وعلماء ہی نظر آتے ہیں، (اور ایسے ممنوع افعال کا ارتکاب کرتے، اوران کی اجازت دیتے ہیں۔) ایسے ہی معراج الدرایہ ص۱۲۴ اور عینی شرح ہدایۃ جزء دوم ص ۱۳۶ پر مذکور ہے:

"لوطاف حول مسجد سوى الكعبة الشريفة يخشى عليه الكفر." (۲)

اور اگر کعبہ شریف کے سوا کسی مسجد کا بھی طواف کیا تو اس میں کفر کا خوف ہے۔ اور شرح عین العلم میں علامہ ملا علی قاری لکھتے ہیں:

(۱) شرح مناسک الحج بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۷۔

(۲) بحوالہ بالا ص ۱۸۔

"لا يمس القبر ولا التابوت ولا الجدار فورد النهى عن مثل ذلك بقبره عليه السلام ۔ فكيف بقبور سائر الأنام ولا يقبل ، فانه زياد على المس فهو أولى۔ فالتقبيل مختص بالحجر الأسود۔"(۱)

قبر، تابوت اور دیوار کو نہ چھوا جائے۔ کیونکہ ان کاموں کی ممانعت تو قبر نبوی (ﷺ) کے بارے میں بھی نازل ہوئی ہے۔تو پھر دوسری قبور کے لئے کس طرح جائز ہوں گے۔اور نہ کسی قبر کو بوسہ دے، کیونکہ یہ تو چھونے سے بھی برا ہے۔ کیونکہ بوسہ دینا صرف حجر اسود کے ساتھ خاص ہے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جو کہ ہر مکتبۂ فکر کے ہاں بڑی محبت وعقیدت سے دیکھے جاتے ہیں۔ بالخصوص فاضل بریلوی نے محدث موصوف کو اپنی تصنیفات میں بڑے اچھے لفظوں میں یاد کیا ہے۔اور ''شیخ محقق'' کا خطاب دیا ہے۔ان حضرت شیخ نے تاریخ وفضائل مدینہ کے موضوع پر اپنی معروف کتاب ''جذب القلوب الی دارالمحبوب''، طبع مکتبہ نعیمیہ لاہور ص ۱۷۱،۲۷۲ پر لکھا ہے:

''از مسجود وتمریغ وجہ بتراب واستلام وتقبیل شباک شریف وامثال آنکہ در شرع رخصت نہ کردہ اند، ودر نظر ظاہر بیناں از قبیل ادب نماید، اجتناب بلکہ بہ یقین داند کہ حقیقت ادب در رعایت اتباع وامتثال امر آنحضرت است، وہر چہ نہ ازیں باب است تو ہم باطل است۔'' (۲)

(نبی اکرم ﷺ کی قبر اقدس پر حاضر ہوکر) سجدہ نہ کرے، اور اپنا منہ خاک پر نہ ملے، اور جالی شریف کو نہ چومے، اور جو ایسے خلاف شرع امور ہیں ان سے اجتناب کرے، اگر چہ وہ ظاہر بینوں کی نظر میں ادب کی قبیل سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس بات کا یقین رکھئے کہ حقیقت ادب آپ ﷺ کی اتباع وفرمانبرداری

---

(۱) شرح مناسک الحج بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۸، ۱۹۔

(۲) بحوالہ بالا ص ۱۵۔

میں ہے۔اور جو اس باب سے نہیں وہ توہم و باطل ہے۔

عرس

نیک بزرگوں اور اولیائے کرام رحمہم اللہ کی برسیاں اور عرس منانا آج ایک بہت بڑی رسم بن چکا ہے۔اور پاک و ہند کے شہروں میں آئے دن عرسوں کا انعقاد ہوتا رہتا ہے۔جن میں حدود اللہ کو توڑا جاتا ہے۔منکرات وفواحش کا ارتکاب ہوتا ہے اور اگر یہ سب نہ بھی ہو، تو بھی یہ برسیاں اور عرس شرعاً جائز نہیں ہیں۔

برسیوں اور عرسوں کے بارے میں ہم تفصیل میں جانے کی بجائے (شهد شاهد من أهلها) کے طور پر ایک اقتباس (بحوالہ تعلیمات ص ۷۱) اور ایک فتوی جسے اشتہاری شکل میں چھاپ کر دیواروں پر لگایا گیا، وہی پیش کر دیتے ہیں، جو حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ (لاہور) حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ (انڈیا) اور دیگر بزرگوں اور ولیوں کے عرس منانے والے بریلوی اکابر و احباب کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے۔

عرفان ہدایت مصنفہ مولوی محمد عرفان علی رضوی مصدقہ مولوی مصطفےٰ رضا قادری صاحبزادۂ مولانا احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی (۱۳۴۳ھ) میں ہے:

''حیف صد حیف کہ اس زمانہ میں اعراس یعنی عرسوں کو میلہ بنالیا گیا ہے۔ رنڈیوں کا ناچ ہوتا ہے۔ڈھولکی، طبلہ کھڑکتا ہے۔ہارمونیم بجتا ہے۔اور طرہ یہ کہ ان افعال کو جائز بلکہ قرب الی اللہ کا وسیلہ سمجھا جاتا ہے۔منع کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے۔عوام تو عوام اچھے خاصے پڑھے لکھے بلکہ سجادگان درگاہ ان بلاؤں میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ سماع مع مزامیر کے سننے سے انہیں پرہیز نہیں ہوتا۔ بلکہ شوق ہوتا

ہے۔حالانکہ مزامیر حرام قطعی ہیں''

اب رہا مسئلہ اشتہار کا تو اس کا مختصر سا تعارف یہ ہے کہ بہترین پرنٹنگ پریس ایبک روڈ لاہور سے شائع شدہ وہ فل سائز کا اشتہار ۱۹۷۲ء میں لاہور کی دیواروں پر عام چسپاں تھا۔ جسے غلام داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ رنگ محل لاہور (فون پی پی پی) (۵۴۴۳۲) نے شائع کیا تھا۔اس پر بریلوی مکتب فکر کی دو درس گاہوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور حزب الاحناف لاہور کے دو علماء جناب محمد رشید نقش بندی، جناب ابو الریان محمد رمضان کے علاوہ حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور خطیب اہلسنت جناب علامہ الٰہی بخش قادری ضیائی، (جو تقریباً ہر جمعرات کو دربار پر تقریر کرتے ہیں) کی تصدیقات موجود ہیں۔ ذیل میں ہم وہی اشتہار بریلوی احباب اور حکومت کے لمحہ فکریہ کے طور پر بلاتبصرہ پیش کر رہے ہیں، وھو ھذا:

اشتہار

کیا حضرت داتا گنج بخش ہجویری (رحمہ اللہ) نے کہا تھا یا کیا تھا؟ کہ:

۱- عرس کے موقعہ پر ڈھول، باجے، گانا، ناچ کیا جائے؟

۲- نماز ادا نہ کی جائے، لیکن قوالی ضرور سنی جائے؟

۳- سرکس، موت کا کنواں اور تھیئٹر لگائے جائیں اور دیکھے جائیں۔

۴- خواتین اور نوجوان لڑکیوں کا مردوں کے ہجوم میں آنا، اور مردوں کا ان سے چھیڑ چھاڑ کرنا (کیا تعلیمات داتا صاحبؒ کے خلاف نہیں؟)

۵- لاکھوں روپوں کی چادریں تو چڑھائی جائیں لیکن محلے کے یتیموں، مسکینوں اور بیوہ عورتوں کی خبر تک نہ لی جائے۔

۶- رقص کرنے، ڈھول ڈھمکا اور دھمال ڈالتے ہوئے مزار شریف کی

چادر لانا۔

۷- مصنوعی داڑھیاں لگا کر سنت رسول صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کا مذاق اڑانا۔

۸- مزار کے ارد گرد بھنگ، چرس اور بوٹی پینے والے ملنگوں تلنگوں کے اڈے لگانا، دوکانوں پر جانوروں کے بت بنا کر رکھنا، اور بیچنے کو ثواب سمجھنا۔

۹- رشوت، بلیک اور سود سے حرام کمانا اور پھر اس ناپاک کمائی سے داتا کی نیاز دلا کر اپنی نجات اور بخشش کی امید رکھنا۔

۱۰- بے عمل اور بد عمل واعظین و مقررین کا کاروباری تقریریں کرنا، اور جاہل و نام نہاد جھوٹے صوفیوں کا پیری مریدی کی دوکانیں لگانا، اور ان کو چمکانے کے لئے دجل و فریب سے کام لینا۔

تلك عشرة كاملة (یہ پوری دس باتیں ہیں)

الجواب

حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے ہرگز ہرگز ایسا نہ کیا، نہ کہا۔ لہذا اس طرح کی بے ہودہ اور خلاف شرع حرکات کرنے والے داتا کے غلام ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔

کیونکہ یہ سب باتیں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔ اور افسوس ہے کہ یہ سب خلاف شرع اور خلاف اسلام حرکات محکمۂ اوقاف کی زیر نگرانی ہو رہی ہے۔

فاعتبروا یا أولی الأبصار۔(۱)

●●●

---

(۱) ماخوذ ہفت روزہ الاعتصام لاہور۔ ۲۶/ اکتوبر ۱۹۸۴ء، بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۹۵، ۹۶۔

جلوس کے متعلق مفتی محمد حسین نعیمی کا بیان

موصوف ایک معروف بریلوی عالم دین اور جامعہ نعیمیہ لاہور کے مہتمم اور (یادش بخیر) وفاقی مجلس شوریٰ کے ممبر ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک اخباری بیان میں فرمایا:

''عاشوراء اور بارہ ربیع الاول (عید میلاد النبی) کے جلسے جلوس یادگاروں کے سلسلے میں نکالے جاتے ہیں اور یہ مذہبی نقطہ نگاہ سے نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب۔ بلکہ ان کا نکالا جانا مستحسن ہے (یہ آخری بات بھی درست نہیں ہے) انہوں نے کہا کہ ہر وہ عمل جس سے کسی قسم کے نقصان کا احتمال ہو، اس پر پابندی لگا دینا ضروری ہے۔ انہوں نے کہا: انسانیت کو قتل عام سے بچانے کے لئے مستحسن چیزوں کو ترک کیا جا سکتا ہے۔ ایسے جلوس دنیا کے دیگر اسلامی ممالک میں صرف اس لئے نہیں نکالے جاتے، کیونکہ یہ ''دین کا حصہ نہیں ہیں''۔ انہوں نے کہا: آج کے حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسے جلوسوں پر پابندی عائد کر دی جائے۔'' (۳۶۳)

عورتوں کا مزاروں پر عرسوں میں شریک ہونا

آج کل بزرگوں کے مزارات اور عرسوں کی رونق ہی عورتوں کی آمد سے ہوتی ہے۔ اور علامہ اقبال کے الفاظ کو تھوڑا سا بدل کر کہا جا سکتا ہے ؎

وجود زن سے ہے ''مزارات پہ'' رنگ

کیونکہ کوئی عرس اور میلہ عورتوں کے ہجوم سے خالی نہیں ہوتا، اور پھر عورتیں جس طرح بن ٹھن کر مزارات پر اور عرسوں اور میلوں میں جاتی ہیں، وہ محتاج بیان نہیں۔

(۳۶۳) روزنامہ جنگ لاہور ۱۳/۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء، بحوالہ بالا ص ۹۶۔

اس سلسلہ میں ہم قرآن وسنت کی تعلیمات اور ان کی نصوص ذکر کرنے کی بجائے اس ''کاروبار'' کے ''ٹھیکیداروں'' یعنی ''اہل سنت بریلوی مکتب فکر'' کے بانی حضرت شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے فتاویٰ وفرمودات نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں چنانچہ ''احکام شریعت'' حصہ اول ص ۹۰ پر مذکور ہے۔

مسئلہ ۲۷

بزرگوں کے مزار پر عرسوں میں یا اس کے علاوہ عورتیں جاتی ہیں، وہاں بیٹھتی، تو اس میں ان کا ٹھہرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

''عورتوں کو مزارات اولیاء پر، و مقابر عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے''

اور موصوف کے فتاوی افریقیہ طبع رضوی پریس بریلی ص ۱۶۷، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ، ملفوظات اعلیٰ حضرت حصہ دوم، رسالہ جمل النور ص ۱۶ طبع ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور اور رسائل السنۃ میں فاضل بریلوی فرماتے ہیں:

"ویستحب زیارة القبور للرجال و تکره للنساء."

اور زیارت قبور مردوں کیلئے مستحب اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ یعنی کفایہ شعبی پھر تاتارخانیہ میں امام قاضی سے سوال ہوا:

کیا عورتوں کا قبرستان کو جانا جائز ہے؟

فرمایا: ایسی بات میں جائز و ناجائز نہیں پوچھئے، یہ پوچھو کہ جائے گی، تو اس پر کتنی لعنت ہوگی؟ خبردار! جب وہ جانے کا ارادہ کرتی ہے، اللہ تعالی اور اس کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ اور جب گھر سے چلتی ہے، سب طرف سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، اور جب قبر پر آتی ہے، میت کی روح لعنت کرتی ہے۔ اور جب پلٹتی ہے اللہ کی لعنت کے ساتھ پھرتی ہے۔

اور فاضل بریلوی کی جماعت کے ہی ایک سرکردہ عالم مفتی احمد یار گجراتی

اپنی کتاب ''جاءالحق'' ص ۲۸۸ پر لکھتے ہیں:

اس طرح عرس ہے کہ عورتوں کا جانا وہاں حرام ہے۔ ناچ رنگ حرام ہیں۔

(۱) کیا بریلوی واعظین اپنے ''بانی'' اور اکابرین علماء کے فتووں پر بھی کان نہیں دھرتے، اور عورتوں کو ان ''حاضریوں'' سے باز نہیں رکھ سکتے؟ مگر وہ ایسا کریں گے بھی کیوں؟ ایسا کرنے سے تو گویا عرس و میلہ میں کوئی رنگ ہی نہیں رہے گا۔ بلکہ وہ ختم ہی ہو جائیں گے۔ اور ان کی دوکانیں، کاروبار، کروفر سبھی ختم ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان امور سے عوام کو متنبہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ورنہ فاضل بریلوی کی تعلیمات تو بڑی واضح ہیں۔

قبروں پر قرآن خوانی کروانا

آج کل یہ رواج بھی عام چل نکلا ہے کہ جس کے گھر میں ''دانے'' ہوں وہ اپنے عزیز کی وفات پر یہ کسر شان سمجھتا ہے کہ اس کی قبر پر خیمہ نصب کر کے کسی حافظ قرآن کو ''کرائے'' پر لا کر قرآن خوانی نہ کروائے۔ اس سلسلہ میں بھی ہم بریلوی جماعت کے بانی اور اکابرین کے فتاویٰ و فرمودات نقل کرنے پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں ''ان کی'' بات

چنانچہ فاضل بریلوی کے فتووں کے ایک مجموعہ ''احکام شریعت'' جزء اول ص ۶۳ پر مذکور ہے:

مسئلہ: بعض لوگ دفن کر دینے میت، حافظ کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت، سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں۔ اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں۔ پس اس طرح کی

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خاں بریلوی از مولانا محمد حنیف یزدانی ص ۶۰، ۶۱۔

اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہیئے یا نہیں؟

الجواب ''تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا حرام ہے، اور حرام پر استحقاق عذاب ہے نہ کہ ثواب پہنچے گا''۔

اور مولانا عبدالسمیع رامپوری کی تصنیف کردہ اور مولانا احمد رضا خاں کی تصدیق کردہ کتاب ''انوار ساطعہ'' طبع مرادآباد ص ۱۰۷ پر مذکور ہے:

اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھوادیں۔ یہ البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے۔

جب کہ مولانا امجد علی صاحب کی تالیف کردہ اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان کی تصدیق کردہ کتاب ''بہار شریعت'' جزء ۱۶ ص ۲۴۰ پر مرقوم ہے:

ریا کی طرح اجرت لے کر قرآن مجید کی تلاوت بھی ہے کہ کسی میت کے لئے بغرض ایصال ثواب کچھ لے کر تلاوت کرتا ہے، کہ یہاں اخلاص کہاں؟ بلکہ تلاوت سے مقصود وہ پیسے ہیں کہ وہ نہیں ملتے، تو پڑھنا بھی نہیں۔ اس پڑھنے میں کوئی ثواب نہیں۔ پھر میت کے لئے ایصال ثواب کا نام لینا غلط ہے، کہ جب ثواب ہی نہ ملا تو پہنچائے گا کیا؟

اس صورت میں نہ پڑھنے والے کو ثواب اور نہ میت کو، بلکہ اجرت دینے والا اور لینے والا دونوں گنہگار ہیں، بعض مرتبہ پڑھنے والوں کو پیسے نہیں دیئے جاتے۔ مگر ختم کے بعد مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ اگر اس مٹھائی کی خاطر تلاوت کی ہے، تو یہ بھی ایک طرح کی اجرت ہے، کہ جب ایک چیز مشہور ہو جاتی ہے، تو اسے بھی مشروط کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذکور ہو چکا۔ (۱)

اور بہار شریعت کے ہی تین اقتباسات اور بھی ہیں۔ جو انتہائی قابل توجہ ہیں:

---

(۱) بحوالہ تعلیمات .. ص ۶۲، ۶۳۔

۱- ایصال ثواب جائز بلکہ محمود، البتہ کسی معاوضہ پر ایصال ثواب کرنا، مثلاً:
بعض لوگ کچھ لے کر قرآن مجید کا ثواب پہنچاتے ہیں۔ یہ ناجائز ہے کہ پہلے جو پڑھ چکے اس کا بھی معاوضہ لیا تو یہ بیع ہوئی، یہ بیع قطعاً باطل وحرام۔ اور اگر اب پڑھے گا، اس کا ثواب پہنچائے گا، تو یہ اجارہ ہوگا۔ اور اطاعت پر اجارہ باطل۔ سوا ان تین چیزوں کے جن کا بیان آگے آئے گا۔(۱)

اور وہ ہیں:
۱- تعلیم قرآن وفقہ ۲- اذان ۳- امامت

۲- تعلیم قرآن پر اجارہ جس طرح قدماء کے نزدیک ناجائز ہے، متاخرین کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ لہذا سوم وغیرہ کے موقعہ پر اجرت پر قرآن پڑھوانا، ناجائز ہے۔ دینے والا، لینے والا دونوں گنہگار۔(۲)

اسی طرح اکثر لوگوں چالیس روز تک قبر کے پاس یا مکان پر قرآن پڑھوا کر ایصال ثواب کراتے ہیں۔ اگر اجرت پر ہو، تو یہ پڑھوانا ناجائز ہے۔ بلکہ اس صورت میں ایصال ثواب بے معنی بات ہے، کہ جب اللہ کے لئے عمل نہ ہو، تو ثواب کی امید بے کار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ایصال ثواب جائز بلکہ مستحسن ہے۔ مگر اجرت پر قرآن مجید یا کلمہ طیبہ پڑھوا کر ایصال ثواب نہیں ہوسکتا۔ بلکہ پڑھنے والے اللہ تعالی کے لئے پڑھیں، اور ایصال ثواب کریں، یہ جائز ہے۔

۳- ختم پڑھنے کے لئے اجارہ ناجائز، مثلاً: کوئی آیت کریم کا ختم کرتا، کوئی خواجگان پڑھواتا، کوئی کلمہ طیبہ کا ختم کرواتا ہے، یہ سب کام اجرت پر کروانا ناجائز ہیں۔(۳) قبروں پر یا گھروں میں قرآن خوانی کرنے والے، اور ایک لاکھ مرتبہ آیت کریمہ ﴿لا إلـه إلا أنت سبحانك إني كنت من الظلمين﴾ کا

() بہار شریعت ج۶ ص۱۵۴۔
(۲) بہار شریعت ج۱۴ ص۱۳۹، ج۱۶ ص۲۳۹، ۲۴۰، بحوالہ تعلیمات.....ص۸۲۔
(۳) بحوالہ بالا ص۸۱۔

ورد کرانے والے، اور یہ خدمات سرانجام دینے والے، نقدی معاوضہ کی شکل میں ہوں یا مٹھائی جیسے معروف معاوضہ کی شکل میں۔

کیا مذکورہ تصریحات پر غور کرنے کی زحمت کریں گے؟ جو کہ خود ان کے اپنے بانی و پیشوا، اور ان کے اکابرین سے صادر شدہ ہیں۔

اور خیر الآمال ص ۳ پر ہے:

غصب، چوری، رشوت اور سود کی طرح اجرت پر تلاوت قرآن...... حرام کمائی میں شمار ہے۔ (۱)

واللہ الموفق والھادی الی سواء السبیل۔

پکی اور اونچی قبریں بنانا

ان سب مذکورہ افعال کا باعث دراصل پکی، اونچی چونہ گچ قبریں اور ان پر بنی ہوئی بڑی بڑی عمارتیں (مزارات) ہیں۔ لہذا مناسب ہوگا کہ یہیں قبروں کو پکا اور اونچا بنانے، اور ان سب پر چنائی کرنے یا عمارت تعمیر کرنے کے بارے میں فاضل بریلوی (بانی جماعت اہل سنت بریلوی) کے فتاویٰ اور فرمودات بھی ذکر کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ''ملفوظات اعلیٰ حضرت'' حصہ سوم (مطبوعہ کراچی) کے ص ۸۶ پر لکھا ہے:

عرض: قبر کا اونچا بنانا کیسا ہے؟

ارشاد: خلاف سنت ہے۔ میرے والد ماجد، میری والدہ ماجدہ، میرے بھائی کی قبریں دیکھئے۔ ایک بالشت سے اونچی نہ ہوں گی۔

اور الذبدۃ الزکیہ ص ۶۵ پر لکھتے ہیں:

''قبر کے اوپر چنائی کرنا یا قبر پر بیٹھنا، یا اس کی طرف منہ کرنا، سب منع

---

(۱) بہار شریعت ج ۱۴ ص ۱۳۹، ج ۱۶ ص ۲۳۹، ۲۴۰، بحوالہ تعلیمات..... ص ۸۲۔

ہے۔رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو محل سجدہ قرار دینے سے منع فرمایا۔“

اور شفاء الوالہ ص۱۰ پر رقمطراز ہیں:

”بلندیٔ قبر میں حد شرع ایک بالشت ہے“۔

اور فاضل بریلوی کے مذکورہ فرمودات کے علاوہ ہر مکتب فکر کے نزدیک ہر دلعزیز شخصیت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ”غنیۃ الطالبین“ (مترجم عربی واردو مطبوعہ نول کشور) ص۶۴۰ پر مذکور ہے۔

"لا يرفع القبر من الأرض قدر شبر و يسن تسنيم القبر دون تسطيه وإن جصص ، كره."

قبر کو زمین سے بالشت برابر بلند کیا جائے اور قبر کو (بالشت برابر بلند کر کے) کوہان نما کیا جائے، چوگوشہ مت کریں۔اور پختہ بنانا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔

اسی طرح فاضل بریلوی کے خطاب یافتہ ”شیخ محقق“ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ”مدارج النبوۃ“ طبع نول کشور جلد اول مصدقہ مولانا احمد رضا خان کے ص۴۲۰ پر درج ہے:

گور را بلند نہ کردی، و براں بنا از سنگ و خشت وغیر آں نہ کردی، و بگچ نہ گل سخت نہ کردی و بالائے گور عمارت و قبہ نہ ساختی، و ایں مجموعۂ بدعت است و مکروہ۔

قبر کو بلند نہ کرو۔اس پر اینٹ و پتھر سے عمارت مت بناؤ۔گچ اور مٹی سے اسے مضبوط نہ کرو۔قبر پر عمارت و قبہ مت بناؤ، یہ تمام کام بدعت ہیں اور مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔

اور فتاویٰ عالمگیری جو فقہ حنفی کی معتبر کتاب شمار ہوتی ہے، اس کی جلد اول ص۲۷ پر لکھا ہے:

لا الآجر والخشب ويكره أن يزاد على التراب الذى أخرج

من القبر ويسنم القبر قدر الشبر ولا يربع ولا يجصص ويكره أن يبنى على القبر۔

قبر پر پکی اینٹیں اور لکڑی نہ لگائیں، اور جو مٹی قبر سے نکلی ہو، اس سے زیادہ نہ ڈالیں۔ اور قبر کو کوہان نما بنائیں۔ صرف ایک بالشت اونچی رکھیں، اور (چبوترے کی طرح) چوگوشہ نہ ہو۔ اسے پختہ نہ کریں۔ اور قبر پر کوئی عمارت بنانا مکروہ ہے۔

اور دوسری معتبر ترین کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

"یکرہ الآجر والخشب لأنهما لإحكام البناء و القبر موضع البلی."

پختہ اینٹوں اور لکڑی کا استعمال قبر پر ناجائز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں پائیداری و مضبوطی کیلئے ہوتی ہیں، اور قبر تو ویران وغیر آباد اور بوسیدگی کی جگہ ہے۔ (۱)

نبی اکرم ﷺ نے قبروں کی زیارت کا حکم تو اس لئے فرمایا تھا، کہ صاحب قبر کے لئے دعائے مغفرت ہو، اور زائر کو کچی و بوسیدہ قبریں دیکھ کر موت یاد آئے۔ دنیا کی بے ثباتی کا یقین پیدا ہو، اور گناہوں سے دست کش ہو کر اعمال صالحہ کو اپنا شعار بنائے، لیکن اگر کسی کی قبر سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہو، بجلی کے قمقمے اور فانوس جل رہے ہوں، قبر پر خوبصورت ریشمی، غلاف پڑا ہو، اور سارا ماحول ہی جگ مگ جگ مگ کر رہا ہو، تو ایسی قبر کو دیکھ کر موت کب یاد آتی ہے، اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر کہاں نقش ہوتا ہے؟ اور آج کل کے مزارات اس کی منہ بولتی مثالیں ہیں۔

●●●

---

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان ص ۷۳-۷۵۔

ایصال ثواب اور مروجہ رسم چہلم و برسی وغیرہ

قبروں پر قمقمے لگا کر یا گھروں میں حافظ قرآن کو منگوا کر اجرت و معاوضہ پر یا عام لوگوں کو جمع کر کے مٹھائی و شیرینی جیسی معروف اجرت پر قرآن خوانی اور ایصال ثواب کے بارے میں فاضل بریلوی اور کبار بریلوی علماء کے فتاویٰ وفرمودات تو ذکر کئے جا چکے ہیں کہ یہ ممنوع ہے۔

اب ایصال ثواب کی دوسری شکل میت کی طرف سے کھانا وغیرہ پکا کر صدقہ کرنا بھی ہے۔ جسے ''کاروباری'' ملاؤں اور دینی تعلیم سے تہی دست عوام نے ایسی شکل دے رکھی ہے، کہ جسے نقلی وعقلی یعنی شرعی وعقلی کسی بھی اعتبار سے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قل، تیجہ، ساتہ، دسواں، چہلم، ششماہی اور برسی وغیرہ اسی کے مظاہر ہیں۔ جن میں کھانے والے عموماً مالدار ہوتے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ ان امور کے بارے میں بھی بریلویت کے بانی شاہ احمد رضا خانؒ فاضل بریلوی اور دیگر بریلوی علماء کے ارشادات ذکر کئے جائیں، چنانچہ ''احکام شریعت'' مصنفہ فاضل بریلوی ص ۸۸ پر ہے:

''میت کی طرف سے جو صدقہ ہو غنی کو نہ دے۔ نہ غنی لے۔''

اور ص ۸۹ پر ہے:

''مردہ کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہے۔ غنی نہ کھائے''۔

اور ملفوظات اعلیٰ حضرت طبع کراچی حصہ سوم ص ۵۶ پر مرقوم ہے:

'محتاجوں کو چھپا کر دے۔ یہ جو رواج ہے کہ کھانا پکایا جاتا ہے اور تمام اغنیاء و برادری کی دعوت ہوتی ہے، ایسا نہ کرنا چاہیئے''۔

اور فاضل موصوف کی کتاب ''الحجۃ الفائحۃ'' ص ۱۳ پر لکھتے ہیں:

''صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی حدیثوں میں ہے کہ وہ ثواب پا کر خوش ہوتا ہے، اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے۔ اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے، کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے۔ غنی لوگ اس میں سے نہ لیں۔ باقی جو بے ہودہ باتیں، لوگوں نے نکالی ہیں، مثلاً اس میں شادی کے سے تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا، یہ باتیں بے جا ہیں۔ اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن (یوم وفات پر) زیادہ پہنچے گا، اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے''۔

اور موصوف کے مجموعہ فتاوی ''فتاوی رضویہ'' جلد چہارم ص ۱۴۷ پر لکھا ہے:

''مردے کا کھانا صرف فقراء کے لئے ہو عام دعوت کے طور پر جو دعوت کرتے ہیں، یہ منع ہے، غنی نہ کھائے''۔

اور ''عرفان ہدایت'' مصدقہ مولانا مصطفےٰ رضا ابن مولانا احمد رضا خان ناشر جماعت مبارکہ رضائے مصطفےٰ بریلی کے ص ۷۳ پر لکھا ہے:

''فی زمانہ سوم، دہم، چہلم وغیرہ میں عوام مثل شادی بیاہ کے اعزہ، اقرباء احباء کی بلا لحاظ اس کے کہ وہ غنی نہ ہوں، دعوتیں کرتے ہیں، یہ فعل مذموم و نامحمود۔ جو کچھ بھی تقسیم ہو، غرباء و مساکین کو دیا جائے، کہ وہی اس کے مستحق ہیں۔ غرباء و مساکین کو جھڑک دینا نہایت برا ہے''۔

اور مولانا احمد رضا خانؒ کے رسالہ ''جلی الصوت'' ص ۲ پر دہ لکھتے ہیں:

سوال: اکثر بلاد میں رسم ہے کہ میت کے روز وفات سے اس کے اعزہ و احباب کی عورتیں اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں۔ اس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دوسرے تیسرے دن واپس آتی ہیں۔ بعض چالیسویں تک بیٹھتی ہیں، اس قدر را قامت میں عورت کے کھانے پینے، چھالیا پانی کا اہتمام اہل میت کرتے ہیں، جس کے باعث ایک صرفِ کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں۔ اگر اس وقت ان کا ہاتھ

خالی ہو................... تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں ۔ یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں ۔اگر نہ کریں ،تو مطعون وبدنام ہوتے ہیں ۔ یہ شرعاً جائز ہے کیا؟
الجواب: ''سبحان اللہ! اے مسلمان یہ پوچھتا ہے، جائز ہے کیا؟ یوں پوچھو کہ یہ ناپاک رسم کتنے کتنے قبیح اور شدید گناہوں ،سخت شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے''۔

اور اسی رسالہ کے ص ۳،۴ پر ہے:

''میت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کئے جاتے ہیں ۔سب مکروہ وممنوع ہیں''۔

علامہ شامی درمختار میں فرماتے ہیں:

''یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ۔ان سے احتراز کیا جائے۔ اس دعوت کا کھانا بھی منع ہے۔ غالباً ورثہ میں کوئی یتیم اور نابالغ ہوتا ہے، یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے ،نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو امر سخت شدید پر متضمن ہوتا ہے۔اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے۔''

'' قانون شریعت مکمل'' ناشر مکتبہ فریدیہ ساہیوال میں لکھا ہے:

مسئلہ: ''میت کے گھر والے تیجہ، چالیسواں وغیرہ کے دن دعوت کریں تو ناجائز، اور بری بدعت ہے۔شرع میں دعوت خوشی کے وقت ہے، نہ کہ غم کے وقت ،لیکن اگر فقیروں محتاجوں کو کھلائیں تو بہتر ہے''۔(فتح القدیر)

مسئلہ: تیجے وغیرہ کا کھانا کرنا میت کے چھوڑے ہوئے مال سے جائز نہیں ۔البتہ جب وہ مال بٹ جائے ،تو جو چاہے اپنے حصے سے (صدقہ) کرے''۔(خانیہ وغیرہ)

مسئلہ: میت کے پڑوسی یا دور کے رشتہ دار اگر میت کے گھر والوں کے لئے اس دن اور رات کے لئے کھانا لائیں ،تو بہتر ہے۔اور انہیں اصرار کر کے کھلائیں ۔(رد المحتار و بہار)

مسئلہ: میت کے گھر والوں کو جو کھانا بھیجا جاتا ہے، یہ کھانا صرف گھر والے

کھائیں، اورانہیں کے لائق بھیجا جائے، زیادہ نہیں۔اوروں کووہ کھانا کھانا منع ہے۔

(کشف الغطاء و بہار شریعت)

اورصرف پہلے دن کھانا بھیجنا سنت ہے، اس کے بعد مکروہ۔ (عالمگیری وبہار)

اور''شیخ محقق'' شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب ''مدارج النبوۃ'' جلد اول، ص ۴۲۱ طبع نول کشور مصدقہ مولانا احمد رضا خاں میں مذکور ہے:

''عادت نبود کہ برائے میت جمع شوند وقرآن خوانند، وختمات خوانند، نہ سر گور، نہ غیر آں، دریں مجموع بدعت است، اما ایں اجتماع مخصوص روز سوم وارتکاب تکلفات دیگر، وصرف اموال بے وصیت از حق یتامی بدعت است، وحرام۔''(۱)

(سلف صالحین کی) عادت نہ تھی کہ میت کے لئے جمع ہوں اور قرآن پڑھیں اور ختم پڑھیں، نہ میت کی قبر پر، اور نہ کسی اور جگہ (میت کے گھر میں یا مسجد میں) یہ تمام امور بدعت ہیں، اور تیسرے دن خاص طور پر اجتماع کرنا اور دیگر تکلفات (عمدہ کھانے پکانا، دریاں بچھانا، شامیانے لگانا اور شادی کا سا سماں پیدا کرنا) کا ارتکاب کرنا اور میت کی وصیت کے بغیر یتیموں کے حق سے مال خرچ کرنا بدعت ہے اور حرام۔

●●●

(۱) بحوالہ تعلیمات شاہ احمد رضا خان از مولانا محمد حنیف یزدانی لاہور ص ۷۷، ۸۱۔

اذان سے قبل صلاۃ وسلام
بریلوی مکتب فکر کی نظر میں

پاک و ہند میں اذان سے قبل صلوۃ وسلام بڑے زور وشور سے لاؤڈ اسپیکر سے پڑھا جاتا ہے۔ اور پڑھنے والے اکثر بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں فاضل بریلوی اور کبار علماء بریلوی کا فتویٰ ذکر کرتے ہیں، کہ یہ مروجہ صلوۃ وسلام ناجائز، غیر مشروع اور بدعت ہے۔ جسے کاروباری ملاؤں اور دینی تعلیم سے تہی دست عوام نے ایسی شکل دے رکھی ہے۔ جسے عقلی ونقلی کسی اعتبار سے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، اور ہم بلاتبصرہ مرکز سواد اعظم اہل سنت والجماعت آستانہ عالیہ چشتیہ صابریہ دارالحق ٹاون شپ اسکیم لاہور کا شائع کردہ ایک پمفلٹ من وعن نقل کررہے ہیں۔ جو بریلوی علماء کرام اور عوام کے لئے دعوت فکر ہے۔ اور بریلوی علماء وفضلاء کو چاہئے کہ اسے عوام تک پہنچائیں۔

یہ پمفلٹ فاضل بریلوی اور کبار بریلوی علماء میں سے پیر جماعت علی شاہ صاحب اور مفتی محمد حسین نعیمی صاحب اور دارالعلوم حزب الاحناف کے فتاوی پر مشتمل ہے۔ جس کا متن بلاتبصرہ من وعن پیش خدمت ہے:

''ماہنامہ ''انوار الصوفیہ'' قصور، ترجمان آستانہ عالیہ علی پور شریف مؤسس اعلی حضرت پیر ملت مجدد العصر جناب قبلۂ عالم۔ (۱)

۱۔ پیر جماعت علی شاہ،

---

(۱) اس لفظ کا استعمال درست نہیں ہے۔ کیونکہ قبلۂ عالم صرف ایک ہی ہے۔ وہ ہے بیت اللہ شریف مکہ مکرمہ۔ لہذا عموماً جو لوگ لکھ دیتے ہیں: قبلہ والد صاحب، قبلہ استاد صاحب، قبلہ پیر، قبلہ مولانا، انہیں اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲- اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ،

۳- امام اہل سنت مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد حسین نعیمی صاحب، جامعہ نعیمیہ لاہور۔

۴- مرکز اہل سنت والجماعت دارالعلوم حزب الاحناف، داتا گنج بخشؒ (۱) روڈ کے فتاویٰ۔

سوال: آج کل ہم اہل سنت والجماعت تمام مساجد میں بآواز بلند اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں، اور بعض موذنین صلوۃ وسلام سے بھی پہلے اعوذ اور بسم اللہ اور آیت:

﴿ان الصلوۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر﴾

یا کوئی اور آیت پڑھتے ہیں، اور پھر صلوۃ وسلام اور پھر اذان پڑھتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

جواب: اذان سے قبل ''اعوذ'' پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ اس کا حکم قرآن شریف کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی جب قرآن شریف پڑھنا چاہو، تو اعوذ پڑھ لو، اس کے سوا کسی چیز سے پہلے اعوذ پڑھنے کا حکم نہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہر نیک کام کے اول پڑھنا باعث برکت ہے۔ لیکن اونچی آواز سے، اور مزید برآں لاؤڈ اسپیکر میں پڑھنا فضول ہے۔ آہستہ سے پڑھنا کافی ہے۔ قرون اولیٰ میں، بلکہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان کو اونچی آواز سے بسم اللہ پڑھ کر شروع کرنا معہود نہیں ہے۔ ایسے ہی اونچی آواز سے بالالتزام صلوۃ وسلام اذان سے قبل پڑھنا اور اس کو عادت بنانا مشروع نہیں ہے۔ دراصل یہ زوائد وہابیوں، دیوبندیوں کی ضد سے، یا نعت خواں قسم کے موذنین نے پیدا کیے ہیں۔ ازمنۂ سابقہ میں سب قارئین

---

(۱) اس لفظ کا بھی استعمال درست نہیں ہے کیونکہ گنج بخش صرف اللہ کی صفت ہی ہوسکتی ہے۔ کسی دوسرے کو اس سے متصف قرار دینا ناجائز ہے۔

جانتے ہیں کہ اذان اس زوائد سے خالی ہوتی تھی ۔ اگر ہمارے علماء عوام کی تائید میں، کہ اب وہ اس راستہ پر چل پڑے ہیں ۔ غور وفکر سے اس کو جائز ثابت بھی کر دیں، تو صرف (۱) جائز ہی ہوگا ۔ مستحب یا مندوب یا افضل نہیں ہوگا ۔ باقی رہ گئی یہ بات، کہ اس پر ثواب بھی ہوگا ۔ یہ بات تب ہو کہ وہ مستحب ہو ۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ سے اس کی بابت پوچھا گیا، تو انہوں نے لکھا کہ:

''اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہو تو کسی شخص یا موذن کا بطور تثویب (۲) سلام وصلاۃ پڑھنا بہتر ہے ۔ یعنی اذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنے کی وجہ ہو سکتی ہے ۔ پہلے نہیں ۔ اور اس رسم کو جو اسلام میں معہود نہیں تھی، جہلاء بڑھاتے چلے جا رہے ہیں ۔ اور علماء کرام خاموش ہیں ۔ پتہ نہیں کیوں؟ یہ عظیم المیہ ہے'' ۔

(بحوالہ انوار الصوفیہ ایڈیٹر علامہ غلام رسول گوہر، ماہ جنوری ۱۹۷۸ء، شمارہ ۴)

سوال

حضرت مولانا مفتی محمد حسین نعیمی صاحب ۔ السلام علیکم!

گذارش ہے قرآن وسنت کی روشنی میں ارشاد فرمائیں کہ پنج وقت نماز کے لئے جو اذانیں دی جاتی ہیں، ان سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر درود وصلاۃ بآواز بلند بھیجنا مسنون ومشروع ہے ۔ جیسا کہ ہمارے ہاں معمول بنتا جا رہا ہے ۔ نماز فجر سے

---

(۱) جائز بھی نہیں، کیونکہ یہاں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ ''ماراٰہ المسلمون حسنا فھو حسن'' کہ جسے لوگ (مسلمان) اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے ۔ یہاں مسلمانوں سے مراد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ ہر کس و ناکس، اگر اسے ہر کس وناکس کے لئے عام مان لیا جائے، تو پھر بدعات حتیٰ کہ شرکیہ امور بھی جائز قرار پائیں گے جو کہ بلاشبہ غلط ہے ۔

(۲) تثویب سے مراد اذان فجر میں ''الصلوۃ خیر من النوم'' کہنا ہے نہ کہ اذان کے بعد صلوۃ وسلام پڑھنا ۔

پہلے ہمارے محلّہ کی مسجد میں سے تین یا ساڑھے تین بجے لاؤڈ اسپیکر پر صوفیاء کا کلام یا کوئی اور کلام سنانا شروع کر دیا جاتا ہے۔ کبھی کبھی درود وسلام کو بھی سنایا جاتا ہے۔ کیا محلّہ والوں کو تین یا ساڑھے تین بجے ہی جگا دینا اسلامی طریقہ ہے؟ صحیح فتویٰ دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

(السائل: محمد حنیف باغبان پورہ جی ٹی روڈ نمبر ۲۴۵ لاہور)

الجواب ھوالموفق للصواب

درود شریف پڑھنا مسلمان کے لئے ذریعہ نجات اور وسیلۂ شفاعت ہے۔ قرآن کریم میں واضح طور پر ایمان والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ محبت اور عظمت رسول کے لئے درود شریف پڑھا کریں۔ نماز کے اندر بھی درود شریف پڑھنے کا حکم ہے۔ اس لئے کوئی صحیح العقیدہ مسلمان درود شریف سے گریز نہیں کر سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے تو یہ اس کی بدنصیبی ہوگی، اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ اس میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآن کریم کی آیات بلا فصل ملانا بدعت ہیں۔ اور عبادت الٰہی میں خلل ڈالنے کے مترادف ہے۔ اذان کے ساتھ اول درود شریف کو لازم قرار دینا اہل سنت کا شعار بنانا بھی بدعت اور عبادت معہودہ میں تحریف کرنے کی کوشش ہے۔ بہتر یہ ہے کہ درود شریف وسلام پڑھنے کی سعادت اگر حاصل کرنی ہے۔ تو اذان سے علیحدہ پڑھی جائے، کم از کم پانچ منٹ پہلے پڑھ لی جائے۔ درمیان میں وقفہ دے کر اذان کہیں۔ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ اذان کے بعد دعا پڑھ کر درود شریف پڑھیں۔ جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ یا کسی کام میں مشغول ہوں، نماز باجماعت سے پہلے قرآن کریم یا درود شریف یا کوئی وظیفہ یا صوفیاء کرام کا کلام بلند آواز سے پڑھنا سنت کے خلاف اور اہل اسلام کو پریشان کرنے، ان کو بلا وجہ تنگ کرنے کے گناہ کا ارتکاب ہے، بالخصوص فجر سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر صوفیاء کرام کا کلام

پڑھنا غیر مستحسن اور دوسروں کو تکالیف دینے کے مترادف ہے۔ فجر کے وقت سوائے دو سنت کے نوافل پڑھنے کا بھی حکم نہیں ہے۔ حضور ﷺ نمازیوں کی دشواری کے پیش نظر بعض اوقات نماز اور قرأت میں تخفیف کر دیا کرتے تھے۔ امام وخطیب کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے جس سے اہل محلہ تنگ نہ ہوں جب کہ اس کا عمل سنت بھی نہ ہو۔ مستحب بھی نہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)۔ (مفتی محمد حسین نعیمی ناظم جامعہ نعیمیہ لاہور)

از دارالعلوم حزب الاحناف

فجر ہونے سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں ۔ کیونکہ کاروباری آدمی سوئے ہوتے ہیں، ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ درالمختار میں ہے:

''فی حاشیۃ الحموی عن الامام شعرانی'' الخ

حموی میں ہے، امام شعرانی نے فرمایا ہے کہ:

''مسجدوں میں یا مسجدوں کے علاوہ جماعت کا ذکر کرنا مستحب ہے، اس میں سلف اور خلف کا اجماع ہے، اگر ان کا ذکر جہر سونے والے پر اور نماز پڑھنے یا قرآن پڑھنے والے پر تشویش ہو تو جائز نہیں''۔

اور اعلی حضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں بھی قریب قریب ایسا ہی فرمایا ہے۔ لیکن انہوں نے مریض کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں اگر مریض کے آرام میں خلل آتا ہے۔ تو ذکر جہر ممنوع ہے۔ لہذا جب فجر طلوع ہو جائے تب لاؤڈ اسپیکر پر درود شریف بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن فجر سے پہلے نہ پڑھیں۔ (مورخہ ۲۲ را کتوبر ۱۹۸ء)

ہم اہلسنت والجماعت کو نئی بات رائج کرنا اس لئے بھی زیب نہیں دیتا، کہ

ہم امام اعظم ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ فقہ حنفی میں اذان سے قبل صلوۃ وغیرہ ثابت نہیں ہے۔ تو اب یہ غیر مقلدانہ عمل کرنا دراصل ثابت کرتا ہے، کہ امام اعظمؒ اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) عشق کی اس منزل سے آشنا نہ تھے (نعوذ باللہ) جس سے آج کا جاہل عاشق سرشار ہے۔(۱)

(برایں عقل و دانش بباید گریست)(۲)

انگوٹھے چومنا

اذان کے دوران نبی ﷺ کا اسم گرامی سننے پر (ﷺ) کہنا ضروری ہے۔ اور حدیث میں اسی کا حکم ہے۔ اور ہمارے احباب اس پر عمل کر کے ثواب کمانے کی بجائے ایک خودساختہ عمل کرتے ہیں۔ اور انگوٹھے چوم کر آنکھوں کو لگاتے ہیں۔ اور اس بدعت کے نتیجہ میں ثواب تو کیا ہوگا، الٹا گناہ یقینی ہے۔ انگوٹھے چومنے کے ثبوت کے طور پر مسند الفردوس دیلمی میں سے ایک روایت پیش کی جاتی ہے، جبکہ اس مسند کے بارے میں اہل علم جانتے ہیں کہ اس کی استنادی حیثیت کیا ہے، اور پھر المقاصد الحسنہ میں امام سخاویؒ نے اس روایت کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔

اور ایک روایت ایک یمنی صوفی کی کتاب ''موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ'' کے حوالہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ جس سے

---

(۱) اذان سے قبل صلوۃ۔ تسمیہ تعوذ۔

شائع کردہ مرکز سواد اعظم اہل سنت والجماعت آستانہ عالیہ چشتیہ صابریہ دار الحق ٹاؤن شپ اسکیم لاہور۔ یہ اصل پمفلٹ بھی ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جسے بوقت ضرورت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

(۲) حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے، فجر کی نماز سے پہلے اور جمعہ کی نماز سے سے پہلے اذان (یا متصل بعد یا جماعت سے پہلے) اور اذان سے پہلے صلوۃ وسلام پڑھنا لغت و شرع کسی اعتبار سے بھی اذان کا حصہ نہیں۔ اور ابن حجرؒ نے فتاوی کبری میں لکھا ہے: اذان کے بعد جو بلند آواز سے صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت بھی بدعت ہے۔ اور مفتی مصر شیخ محمد عبدہ نے بھی ان (صلوۃ وسلام) کو اذان کا حصہ بنا کر پڑھنے کو بدعت قرار دیا ہے۔ جو کہ محض حسین (راگ گانے والوں) کے شوق کی پیداوار ہے۔ (فقہ السنۃ ۱/۱۲۲)۔

انگوٹھے چومنے کا ثبوت بہم پہنچایا جاتا ہے۔

امام سخاویؒ اس روایت کی سند کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ''اس میں انقطاع ہے، دوسرے اس کے راوی مجہول ہیں۔ اور لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث صحیح و ثابت نہیں ہے۔''(۱)

انگوٹھے چومنے والی روایت حقیقت میں ایک اسرائیلی افسانے سے کم نہیں۔ اور یہ روایت انجیل برناباس میں ہے۔ جسے ہمارے فاضل دوست غازی عزیر صاحب نے سعودیہ سے بھیجا ہے، جسے ہم من وعن نقل کر رہے ہیں:

تقبیل الابہامین والی روایت دراصل ایک اسرائیلی افسانہ ہے۔ راقم نے انجیل برناباس میں اس کا ماخذ تلاش کرلیا ہے۔ جو اس طرح ہے:

Adam besought God, Saying " Lord, grant me this writing (لا إلـه إلا الله محمد رسول الله) upon the nails of the fingers of my hands, "Then God gave to the first man upon his thumb that writing, upon the thumb nail of the right hand it said "there is only one God", and upon the thumb nail of the left hand it said: "Mohammad is messenger of God. " Then with fatherly affection the first man kissed those words, and rubbed his eyes and said :" Blessed be that day when thou shall come to the world! -(Gospel of Barnalsa"

(English version, Page 50, Oxford Press, 1907).

---

(۱) نقد النبیؒ ۱/۱۲۱۔

آدمؑ نے اپنے رب سے درخواست کی کہ میرے ہاتھ کی انگلیوں پر یہ لکھ دیجئے۔ جس کو خدا نے شرف قبولیت بخشتے ہوئے انسان اول کے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر تحریر کیا کہ:

''کائنات میں خدا ایک ہی ہے!''

جب کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر یہ تحریر فرمائی:

''محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔''

انسان اول نے پدرانہ شفقت کے ساتھ تحریروں کا بوسہ لیا، اور اپنی آنکھوں سے لگایا، سلامتی اور رحمتیں ہوں اس دن پر جب تم دنیا میں تشریف لاؤ گے۔

وصلى الله تعالى وسلم على رسوله الكريم وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

والسلام عليكم ورحمة الله و بركاتهٗ۔

●●●

مصادر و مراجع

١- الابداع فی مضار الابتداع، للشیخ علی محفوظ۔ طبع دار المعارف بیروت۔
٢- احکام القرآن للقرطبی طبع دار المعارف بیروت۔
٣- احیاء العلوم للغزالی ضبع عالم الکتب دمشق۔
٤- الأدب المفرد للبخاری۔ طبع اوقات دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ۔
٥- اذان سے قبل صلوۃ، تسمیہ، تعوذ، بلند آواز سے پڑھنا غیر مشروع ناجائز اور بدعت ہے۔ شائع کردہ، مرکز سواد اعظم اہل سنت والجماعت، آستانہ عالیہ چشتیہ صابریہ، دار الحق ٹاون شپ اسکیم لاہور۔
٦- ارشاد العقول فی بدعۃ الاحتفال بمولد الرسول، الشیخ عبد المحسن عبد الحمید رکن مرکز الدعوۃ والارشاد، دبی۔
٧- ارواء الغلیل للألبانی۔ طبع الکتب الاسلامی بیروت وجامعۃ الإمام ریاض۔
٨- الاعتصام للشاطبی وتعریف محمد رشید رضا۔ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر۔
٩- اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ۔ تحقیق ڈاکٹر ناصر العقل، المطبوع علی نفقۃ الامیر سلطان بن عبد العزیز آل سعود۔
١٠- الإنصاف فیما قیل فی المولد من الغلو والاجحاف۔ لابی بکر الجزائری، طبع جمعیۃ إحیاء التراث العربی۔
١١- اوضح الإشارۃ فی الرد علی من اجاز الممنوع من الزیارۃ۔ أحمد بن یحیی النجمی آل شبیر طبع دار الإفتاء ریاض۔
١٢- الباعث علی إنکار الحوادث لأبی شامہ۔ طبع مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، مکہ مکرمہ۔
١٣- البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر۔ طبع مکتبۃ المعارف۔ بیروت

۱۴- البدع والنھی عنہا۔ محمد بن وضاح القرطبی، تحقیق محمد احمد دھمان۔ طبع دارالافتاء ریاض
۱۵- بلوغ المرام (مع شرحہ سبل السلام) ، لابن حجر۔ طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبری، مصر۔
۱۶- التجرید الصریح لأحادیث الجامع الصحیح، زین الدین احمد الشہیر۔ (الحسین بن مبارک) طبع دار الکتاب العربی، بیروت۔
۱۷- تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد، للألبانی۔ طبع احیاء التراث الاسلامی کویت۔
۱۸- التحذیر من البدع للشیخ ابن باز، طبع دارالافتاء، ریاض۔
۱۹- تحفۃ الأحوذی لعبدالرحمٰن مبارک پوری۔ طبع مدنی۔
۲۰- تحقیق زاد المعاد، الارناؤط۔ طبع المطبعۃ المصریۃ، طبع بیروت۔
۲۱- تخریج احیاء علوم الدین للعراقی، طبع عالم المکتب، دمشق۔
۲۲- تخریج صلاۃ الرسول مصنفہ محمد صادق، سیالکوٹی۔ تخریج حافظ عبدالرؤف بن عبدالحنان طبع دارالاشاعت اشرفیہ سندھو بلوکی۔ قصور
۲۳- تذکار صحابیات، طالب الہاشمی، طبع دارالبدر پبلی کیشنز لاہور۔
۲۴- تکذیب الرؤیا المزعومہ لابن باز۔ طبع دارالافتاء ریاض۔
۲۵- الترغیب والترہیب للمنذری۔ تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید طبع بیروت۔
۲۶- تطہیر المجتمعات من ارجاس الموبقات۔ احمد بن حجر قطر، طبع قطر۔
۲۷- تفسیر ابن کثیر (اردو) طبع مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، وتفسیر ابن کثیر عربی، طبع بابی، مصر۔
۲۸- تعلیمات شاہ احمد رضا خان بریلوی، مصنفہ مولانا محمد حنیف یزدانی۔ طبع مکتبہ نذیریہ، لاہور۔
۲۹- تفسیر القرطبی، طبع مصر۔
۳۰- تفسیر کبیر للرازی، طبع بیروت۔
۳۱- التقریب لابن حجر طبع نشر السنۃ لاہور۔
۳۲- تقویۃ الایمان۔ شاہ اسماعیل شہید۔ دارالسلفیہ بمبئی۔

۳۳-التمہید لابن عبدالبر،طبع مراکش

۳۴-جامع الاصول من احادیث الرسول ﷺ،تحقیق محمد حامدالفقی۔طبع اول مصر۔

۳۵-الجامع الصغیر للسیوطی،طبع دارالفکر بیروت۔

۳۶-الجواب الباہر لابن تیمیہ۔طبع دارالافتاء ریاض۔

۳۷-رجب کے کونڈے،مولانا فضل الرحمن ایم۔اے۔طبع دارالدعوۃ السلفیہ لاہور۔

۳۸-رحمۃ للعالمین،قاضی سلمان منصور پوری۔طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشنز لاہور۔

۳۹-رد بدعات،حافظ محمد عبداللہ روپڑی۔طبع دوم ۱۹۷۰ء لاہور۔

۴۰-ریاض الصالحین للنووی۔تحقیق الارناؤوط۔طبع دارالمامون۔دمشق۔

۴۱-الزواجر لابن حجر الہیثمی، طبع بیروت۔

۴۲-سبل السلام للصنعانی طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔مصر۔

۴۳-سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی۔المکتب الاسلامی۔بیروت۔

۴۴-سنن ابن ماجہ تحقیق محمد فواد عبدالباقی۔طبع بیروت۔

۴۵-سنن ابی داؤد مع عون المعبود۔طبع مدنی۔

۴۶-سنن الترمذی مع شرحہ۔تحفۃ الاحوذی۔ طبع مدنی۔

۴۷-سنن دارمی،طبع دارالکتب العلمیہ بیروت۔

۴۸-سنن النسائی، طبع مکتبہ سلفیہ لاہور وطبع بیروت۔

۴۹-السنۃ لابن ابی عاصم،تحقیق الالبانی،طبع المکتب الاسلامی۔

۵۰-سیرت النبی شبلی نعمانی،طبع قرآن محل،کراچی۔

۵۱-شرح صحیح مسلم للنووی،طبع دارالفکر بیروت۔

۵۲-شرح العقیدۃ الطحاویۃ۔تحقیق الالبانی،طبع المکتب الاسلامی۔

۵۳-صحیح ابن حبان (موردالظمآن) طبع دارالکتب،بیروت۔

۵۴-صحیح البخاری،طبع مؤسسۃ علوم القرآن،عجمان۔

۵۵-صحیح الجامع الصغیر للألبانی، طبع المکتب الاسلامی، بیروت۔

۵۶-صحیح مسلم مع شرحہ للنووی، طبع دارالفکر۔ بیروت۔

۵۷-فتح الباری لابن حجر، طبع دارالافتاء، ریاض۔

۵۸-الفتح الربانی احمد عبدالرحمن البنا، دارالشہاب القاہرہ، مصر۔

۵۹-فتح القدیر للشوکانی، طبع دارالفکر، بیروت۔

۶۰-فتح المجید شرح کتاب التوحید، شیخ عبدالرحمن حسن، طبع مکتبۃ الریاض، السعودیہ۔

۶۱-فقہ السنۃ للسید سابق، طبع بیروت۔

۶۲-فقہ السیرۃ للغزالی، تحقیق الالبانی، طبع دارالکتب الحدیثیہ، مصر۔

۶۳-فوائد سلفیہ المسمی باشرف الحواشی (حاشیہ القرآن الکریم اردو) استاذ محمد عبدہ الفلاح۔

۶۴-الکبائر للذہبی، تحقیق محمد عبدالرزاق حمزہ، استاد حرم مکی۔

۶۵-کتاب التوحید، للشیخ محمد بن عبدالوہاب (اردو) طبع طارق اکیڈیمی، فیصل آباد۔

۶۶-کلمۃ الحق فی الاحتفال بمولد سید الخلق، عبداللہ آل محمد آف قطر، طبع قطر۔

۶۷-اللآلی المصنوعۃ للسیوطی، طبع حسینیہ ازہر، مصر۔

۶۸-لطائف المعارف لابن رجب۔ طبع مکتبۃ الریاض۔

۶۹-المجموع شرح المہذب للنووی، طبع مصر۔

۷۰-محمد خاتم النبیین، تحقیق طہ عبدالرؤف سعد۔

۷۱-محمد القدوۃ الکاملۃ، طبع وزارۃ العدل والشئون الاسلامیۃ، دبی۔

۷۲-مختصر الترغیب والترہیب لابن حجر، طبع مالیگاؤں انڈیا۔

۷۳-مختصر تفسیر ابن کثیر للرفاعی، طبع بیروت۔

۷۴-مختصر صحیح مسلم للمنذری، تحقیق الألبانی، طبع المکتب الاسلامی۔

۷۵-مدینہ کے شیخ احمد کے خواب کی حقیقت، ابن باز۔

۷۶-مرشد جیلانیؒ کے ارشادات حقانی، محمد حنیف یزدانی، مکتبہ نذیریہ لاہور۔

۷۷-المرعاۃ (شرح مشکاۃ) طبع مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل۔
۷۸-معارف القرآن (تفسیر قرآن کریم اردو) مفتی محمد شفیع طبع ادارۃ المعارف کراچی۔
۷۹-معاشرہ کی مہلک بیماریاں اوران کا علاج ترجمہ تطہیر المجتمعات من أرجاس الموبقات لاحمد بن حجر آل بوطامی، مترجم نسیم احمد ملی طبع دار السلفیہ بمبئی۔
۸۰-المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار (علی ہامش الاحیاء) للعراقی طبع عالم الکتب، بیروت۔
۸۱-ہدایۃ المستفید، ترجمہ فتح المجید للشیخ عبدالرحمن حسن، مترجم عطاء اللہ ثاقب، طبع طارق اکیڈمی لاہور۔

• • •

جرائد ومجلّات

۱-مجلہ الجامعۃ الاسلامیۃ، جلد ۵، شمارہ ۴، مجریہ ۱۹۷۳، مدینہ منورہ۔
۲-ماہنامہ صراط مستقیم، برمنگھم، برطانیہ۔
۳-ماہنامہ، الفرقان، قبرص (سائپرس) جلد اول شمارہ دوم بابت رجب ۱۴۰۹ھ، الموافق فروری ۱۹۸۹م کویت۔
۴-ہفت روزہ ''الاسلام'' لاہور۔
۵-ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور۔
۶-روزنامہ ''جنگ'' لاہور۔

• • •